RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED

Checked
1987

ڈیوٹی

باب اوّل

فرض ضمیر مميّزه

تنہا تو جا رہا تھا مگر اس کے ساتھ تھا ✦ اِک شاہ زور اور معاون ضمیر سا
(ملٹن)

ذات کیا۔ تیرا وطن کیا۔ آدمی یکساں ہیں سب ✦ فرض مثلِ شمع روشن سامنے ہے روز و شب
بے تغیّر نور جس کا استقامت سے صدا ✦ نور کا رکھتا ہے اُجیالے اندھیرے میں دیا
(زندگی کا گیت)

کیوں اے انسان تو دنیا کو بدنام کرتا ہے؟ دنیا نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اعلیٰ درجہ کی مکمل اور عُمدہ ترین وجہ سے اسکی توضیع ہوئی ہے۔ گو اسمیں شک نہیں کہ تیرے نزدیک یہ ناپاک اور بلا ہے۔ کیونکہ تو خود ایک نیک دنیا میں ناپاک اور بد ہے ✦

(مارسلس فیسینس)

انسان دنیا میں صرف اپنے واسطے زندہ نہیں رہتا۔ اسکی زندگی سے اپنا اور نیز دوسروں کا فائدہ مقصود ہے۔ ہر ایک شخص کے دنیا میں فرائض ہیں۔ خواہ وہ امیر ہے امیر ہو خواہ غریب ہے غریب

بعض کے واسطے زندگی عیش و عشرت ہے۔ اور بعض کے واسطے مصیبت۔ لیکن نیک بندے دنیا میں شہرت یا اپنے عیش و عشرت کا لطف اٹھانے کے واسطے زندگی بسر نہیں کرتے۔ انکی سب سے زبردست غرض یہ رہتی ہے کہ خواہ کسی طرح ہو ہر ایک نیک امر میں اُمید بھر منفعت بخش کام کریں ❖

ہیرو کلس کا قول ہے کہ ہم میں سے ہر ایک انسان مرکز ہے۔ جو بہت سے ہم مرکز دائروں سے محصور ہے۔ خود ہماری ذات سے پہلے دائرے کی ابتدا ہوتی ہے جسمیں والدین اور اہل و عیال شامل ہیں۔ دوسرے ہم مرکز دائرے میں عزیز و اقارب شامل ہیں۔ پھر ہم وطن۔ اور سب کے بعد تمام بنی نوع انسان ❖

انسان اور خداوند تعالیٰ کے جو فرائض ہم پر اس دنیا میں واجب ہیں۔ ان کو استقلال اور مستعدی سے ادا کرنے کے واسطے ان تمام قویٰ کی تربیت کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمکو عطا کیے ہیں اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ اس نے ہر ایک چیز ہمکو عطا کی ہے۔ وہی اعلیٰ اور برتر قوت ارادی ہے جو ہماری قوت ارادی کی رہنما ہے۔ نیکی اور بدی کا ہی علم کیا درست ہے اور کیا نادرست اسی کا ہی معلوم ہونا۔ ہمکو اس دنیا میں انسان کے سامنے اور عاقبت میں خدا کے سامنے جوابدہ ٹھہراتا ہے ❖

فرض کا طبقہ لامحدود ہے۔ زندگی کے ہر درجہ میں یہ موجود ہے۔ امیر یا غریب۔ خوش یا ناخوش ہونا ہماری مرضی پر منحصر نہیں ہے۔ مگر ہاں ہمکو مناسب ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کریں جس سے ہم ہر جگہ محصور ہیں۔ خواہ کتنی ہی جان جوکھم اور کتنا ہی نقصان ہو۔ فرض کی متابعت کرنا اعلیٰ ترین مہذب زندگی کا جوہر ہے۔ بڑے بڑے کارنمایاں زمانہ ماضی میں اس قابل تھے اور اب بھی زمانہ حال میں اس قابل ہیں کہ جن کے واسطے ہمکو لازم ہے کہ دنیا میں محنت کریں۔ امیدوار رہیں اور اپنی جانیں دیدیں ❖

ہم اکثر فرض کی پابندی کے خیال کو اُس اعتماد سے منسلک کرتے ہیں جو کسی سپاہی کے دل میں جاگزین ہوتا ہے۔ ہمکو یاد ہوگا کہ کوئی ۱۸ سو سال گذرے جب وسووئیس کا آتش فشاں پہاڑ پھٹا تھا تو شہر پامپیائی زیرزمین دفن ہو گیا۔ مگر دروازہ شہر پر جو بت پرست سپاہی پہرہ پر کھڑا تھا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ کچھ شک نہیں کہ یہ بت پرست سچا سپاہی تھا۔ سب بھاگ گئے جا بجے تھے مگر یہ اپنی جگہ کھڑا تھا۔ یہاں کھڑا رہنا اس کا فرض تھا۔ یہ اس مقام کی حفاظت کیواسطے متعین کیا گیا تھا اور اس نے اپنا فرض بجا لانے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا۔ اس کا بدن تو خاک ہو گیا۔ مگر اسکی یاد آجتک تازہ ہے۔ اسکا خود۔ نیزہ اور سینہ بند اب تک مسکو بورنیو واقع نیپلز میں رکھے ہوئے

ہیں اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے ؎

یہ سپاہی مطیع اور تربیت یافتہ تھا جس کام پر مامور کیا گیا تھا اس نے اسکو سرانجام دیا۔ جس شخص سے اُمید ہو کہ اس سے دنیا میں نیک کام لیا جائے۔ اسکو والدین کی متابعت۔ اُستاد کی متابعت اور اپنے بالادست کی متابعت سکھلانا چاہیئے۔ بچپن کی ابتدا ہی متابعت سے ہونی چاہیئے۔ اور نہ صرف بچپن ہی بلکہ عُمر کا کوئی درجہ ایسا نہیں جس میں متابعت کی ضرورت نہو۔ ہمکو لازم ہے کہ مرتے دم تک متابعت سے گریز نہ کریں۔ فرض اپنی اصلی اور خالص حالت میں اسقدر زبردست ہے کہ انسان کو اسکی تعمیل میں خودی کا خیال ہی فراموش ہو جاتا ہے۔ اور یہی فرض ہے۔ اسکے ایفا میں لازم ہے کہ بس اسی کا خیال رکھے۔ ایثار کے نام کو بھی فراموش کر دے ؎

پامیبائی میں رومن سپاہی کا واقعہ تو جس کا ذکر اوپر کیا گیا ایک عرصہ دراز کا تھا۔ ہم اس سے حال کا ایک واقعہ اسی طرح کا بیان کرتے ہیں۔ جہاز برکن ہیڈ ساحل افریقہ کے پاس جب غرق آب ہونیلگا۔ سپاہیوں نے نہایت تحمل سے ایک سلامی خوشی کی داغی اور جہاز کے ساتھ ہی زیر آب دفن ہو گئے۔ انگلستان میں اس خبر کے پہونچنے کے بعد **ڈیوک آف ولنگٹن** شاہی مجلس انگلستان کی ضیافت میں مدعو ہوئے۔ **لارڈ مکالے** اس موقع پر لکھتے ہیں: "میں نے غور کیا (اور میری ہی طرح **مسٹر لارنس** سفیر امریکہ نے بھی) تو معلوم ہوا کہ غرق آب سپاہیوں کی ثنا و صفت کرتے وقت ڈیوک موصوف نے ان کی دلاوری کا بالکل تذکرہ نہ کیا۔ بلکہ تمام دوران تقریر میں انکی تربیت اور متابعت کی تعریف ہی کرتے رہے۔ کئی مرتبہ مکرر سہ کرر اُنھوں نے اسکا ذکر کیا۔ میرے خیال میں جو دلیری ان سپاہیوں سے ظاہر ہوئی تھی اُسکو اُنھوں نے ایک معمولی امر سمجھا تھا" ؎

فرض کی تعمیل خود اپنی مرضی سے ہوتی ہے۔ یہ صرف بے باکی ہی نہیں ہے۔ رُوم میں جب زمانہ قدیم میں رومی دلاور شیر دلی سے شیروں کے ساتھ دست بدست لڑتے تھے۔ اُنکو تماشائیوں کی سرگرمی اور جوش سے تحریک ملتی تھی۔ اور ساتھ ہی اسکے ان کو خودی کا خیال اور نیز اپنے انجام کا خیال بھی فراموش نہ ہوتا تھا۔ مشہور پیزارو بیشک بڑا جفاکش تھا۔ مگر اسکی زر کی محبت اسکی تمام خوفناک تکالیف و مشکلات میں اسکی ہمت مضبوط کرتی تھی ؎

سنٹ آگسٹائن کا سوال ہے "کیا تم بڑے بننا چاہتے ہو؟" پھر خود ہی جواب دیا ہے "اگر بڑے بننا چاہتے ہو تو پہلے چھوٹے بنو۔ کوئی وسیع اور بلند عمارت بنانا چاہتے ہو تو

پہلے اسکی چھوٹی چھوٹی بنیادوں کا خیال رکھو۔ جس قدر اونچی عمارت ہوگی اسی قدر گہری اسکی بنیاد ہونی چاہیئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ با حیا انکساری حسن کی سرتاج ہے" ٭

اعلےٰ درجہ کا فرض وہ ہے جو پوشیدہ طور پر بغیر کسی کی نظر پڑے تعمیل میں آئے۔ ایسے موقع پر اسکی تعمیل نہایت شرافت سے اور بدل و جان عمل میں آتی ہے۔ اس طور پر فرض کو دنیاداری کی تقلید نہیں کرنی پڑتی۔ نہ یہ مشتہر ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اس کا مشرب دنیاداری سے بڑھکر اور اس کا ضابطہ اسی سے اعلےٰ تر ہوتا ہے۔ اور جسکی تعمیل اور جسکی متابعت سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم ہر ایک انسان اور اس کے ہر ایک کام کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ تمام بنی آدم پر ایک ازلی اور ابدی احسان ہے۔ جو اعمال بد ہم سے سرزد ہوتے ہیں یا جو افعال بے احتیاطی سے ہم کر بیٹھتے ہیں وہ ہر روز ایک طرح کا قرض بنتے جاتے ہیں جسکا ادا کرنا خواہ جلد یا بدیر انسانیت کو لازم ہے ٭

لیکن اب انسان اپنے فرض کی تعمیل کس طرح سیکھے؟ کیا اسمیں کوئی مشکل پیش آسکتی ہے؟ سب سے پہلے عالمگیر اور مستقیم وہ فرض ہے جو خدا کا ہم بندوں پر واجب ہے۔ اس کے بعد دوسروں کا درجہ ہے۔ انسان پر اسکے اہل و عیال اور گھر بار کا فرض۔ اسکے ہمسائیوں کا فرض۔ نوکر کا آقا اور آقا کا نوکر پر فرض۔ ہمارے ہمقوموں کا ہمپر فرض۔ اور سرکار کا رعایا پر فرض اور رعایا کا اپنی جگہ سرکار پر فرض ٭

ان میں سے بہت سے فرائض کی تعمیل بیچ کے طور پر کیجاتی ہے۔ ہماری عام کیفیت زندگی گو علانیہ طور پر معلوم ہو۔ مگر تاہم بیچ کی کیفیت زندگی بھی ہوتی ہے جسکو کوئی نہیں دیکھتا۔ اور اس زندگی کو روح و روان یا اندرونی زندگی کہتے ہیں۔ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ خواہ کارآمد بنیں یا نکمے۔ کوئی شخص ہماری روح کو نہیں مار سکتا۔ البتہ یہ صرف خودکشی سے مردہ ہو سکتی ہے۔ اگر ہم صرف اتنا ہی کر سکیں کہ اپنے آپ کو اور نیز ایک دوسرے کو بہ نسبت سابق کے بہتر۔ نیک تر۔ اور شریف تر بنا سکیں۔ تو شاید جس قدر کہ ہمارے امکان میں ہے ہمنے اس کا بہت کچھ سرانجام کر لیا ہے ٭

ذیل میں امریکہ کے ایک واضع قوانین کی مثال درج کی جاتی ہے جس نے اپنے فرض کی تعمیل میں کوتاہی نہ گوارا کی:۔

کوئی سو سال گذرے کہ نیو انگلینڈ میں سورج گرہن لگا۔ آسمان تیرہ و تار ہو گیا۔ اور اکثروں کو

خیال ہوگیا کہ قیامت آگئی - اسوقت اتفاق سے کنکٹیکٹ کی مجلس واضع قوانین کا اجلاس ہورہا تھا - اندھیرا چھانے لگا کہ ایک ممبر نے اجلاس کی برخاستگی کی تحریک کی - اسپر ایک اُور ممبر کھڑا ہوا اور کہنے لگا - اگر واقعی قیامت آگئی ہے تو مَیں چاہتا ہوں کہ اپنی جگہ پر تعینات اور اپنا فرض ادا کرتا ہوا پایا جاؤں - اور اس لیئے مَیں تحریک کرتا ہوں کہ شمع روشن کردیجائیں اور مجلس کی کارروائی جاری رہے - اِسی مُمبر کا مقولہ تھا کہ فرض کی چوکی پر متعین رہو اور آخرکار اُس نے جو تحریک پیش کی تھی منظور ہوگئی ؀

ایک شخص نہایت نازک وکمزور بدن تھا جو اپنے وقت کا بہت سا حصہ بہی خواہی عوام کے کاروبار میں صرف کیا کرتا - مریضوں کے پاس جاتا - اُن کے مصیبت بھرے گھروں میں جا کر اُنکے پاس بیٹھتا - اور ہر طرح اُنکی تیمارداری اور امداد کیا کرتا - اسکے دوست اسکو ملامت کرتے کہ تم اپنے کاروبار سے بالکل غافل رہتے ہو - اور خدانخواستہ لب دم اور تپ زدہ لوگوں کے پاس آنے جانے سے کوئی متعدی مرض لاحق ہوگیا تو جان دے بیٹھو گے - مگر یہ شخص اِن دوستوں کو نہایت استقلال اور سادگی سے جواب دیدیتا "مَیں اپنے کاروبار کی نگاہداشت صرف اپنے بچوں اور بیوی کیواسطے کرتا ہوں - لیکن میرا اعتقاد ہے کہ سوسائٹی کا جو فرض انسان پر واجب ہے وہ اسکا مقتضی ہے کہ وہ اُن لوگوں کی غور و پرداخت اور نگاہداشت کرے جو اُسکے گھربار سے تعلق نہیں رکھتے" ؀

یہ ایسے شخص کے الفاظ تھے جو اپنی مرضی سے فرض کا خادم تھا - دراصل وہ شخص مربّی بنی نوع نہیں ہے جو اپنا زر دوسروں کو وقف کردیتا ہے بلکہ وہ شخص جو خود اپنے آپ کو بنی نوع انسان کے لئے وقف کردیتا ہے - جو شخص زر دیتا ہے اُسکا نام بذریعہ اشتہاروں کے مشتہر ہوتا ہے - مگر جو شخص اپنا وقت - اپنی طاقت اور اپنی ہمت دوسروں کیواسطے صرف کرتا ہے - اس سے محبت کیجاتی ہے - یہ ممکن ہے کہ اوّل الذکر کی یادگار تازہ رہے اور آخرالذکر فراموش ہوجائے - مگر جس نیک اثر کی وہ تخم ریزی کرچکتا ہے وہ کبھی تاقیامت زائل نہیں ہوتا ؀

باب دوم

فرض عملی

بھروسہ رکھو اپنا اللہ پر — قدم زن بنو فرض کی راہ پر
نظر حکم پر اس کے رکھو مدام — تمھارے سرانجام سب ہونگے کام

(لوتھر)

نہ بیکار اور سست بنکر پکاؤ — دماغوں میں اپنے خیالی پلاؤ
کرو فعل صالح تو مرگ و حیات — اور ایام آیندہ شیریں بناؤ

(چارلس کنگسلے)

اے فرض حکمراں ہے تو سارے جہان پر — وحشی تلک کی آنکھ ہے تیرے نشان پر
طالب ہے خواہ علم کا یا ہے جہاز راں — ہے اہل سیف - اہل ہنر - عالم زماں
دہقاں لوہار کان کن اور یا ہے نور باف — ہر اک سے ہو رہا ہے عیاں تیرا نور صاف
کتنا ہی مشکلات کا ہو راہ میں وفور — فوراً کرے تو قدرت پنہاں سے اسکو دور
بلبل ہو اور دم نہ بھرے تیرا زاغ ہے — سرسبز تیرے دم سے یہ عالم کا باغ ہے
سارا جہان جسم ہے تو اسکی جان ہے — بیکار ہے وہ جسم نہیں جس میں جان ہے

(انگریزی گیت)

جس شخص نے اپنا فرض بخوبی سمجھ لیا ہے وہ فوراً اسپر عمل کریگا - ہمارے افعال ہی ایسی چیز ہیں جو ہمارے بس میں ہیں - اور یہ افعال ہمارے عادات کا ہی نہیں بلکہ ہمارے چال چلن کا بھی مجموعہ ہیں ؀

مگر اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ فرض کا راستہ آسان نہیں ہے - اسمیں بہت سی رکاوٹیں اور مشکلیں حائل ہیں - ہم میں فہم و پند تو ہو سکتا ہے - مگر فعلی قوت اغراض نہیں - بے ثبات انسان کیواسطے اس راستے میں بہت سے شیر ہیں - یہ سوچتا ہے - اور نتائج اخذ کرتا ہے - اور خیالی پلاؤ پکاتا ہے - مگر کرتا کچھ بھی نہیں - چنانچہ ایک سخت جفاکش کا قول ہے: "دیکھنے کو بھی بہت ہی

اور کرنے کو بھی بہت ہی کم - مگر جو کچھ ہے وہ صرف کرنا ہی ہے" ؛

ہمکو صرف اپنی پسندیدگیوں اور ناپسندیدگیوں ہی پر غالب آنا ضروری نہیں - بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ ہم اختلاف رائے پر غلبہ حاصل کریں - جسدم کوئی شخص راہ نیک اختیار کرے اور اُس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو "زمانہ کیا کہیگا؟" تو بس سمجھ لو کہ وہ شخص دنیا میں کچھ نہ کریگا - لیکن اگر اسکے دل میں یہ سوال پیدا ہو "کیا یہ میرا فرض ہے؟" تو سمجھ لو کہ وہ شخص اپنے اخلاقی لباس میں پیش سکتا ہے - اور لوگوں کے الزاموں کے سزاوار ہونے اور نیز ان کے تمسخرات کا سامنا کرنے کو تیار ہو سکتا ہے - **مائنشیر ڈی کرٹیلی** فرماتے ہیں :- "ہمکو اعمال نیک پر اعتقاد چاہیئے - اور اعمال بد پر شک اور بے اعتقادی - اور بہ نسبت بد اعتقاد ہونے کے دھوکا کھانا بہتر ہے" ؛

انسان پہلے فرض گھر میں سیکھتا ہے - جسوقت بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے - یہ لاچار ہوتا ہے - اسکی صحت - پرورش - اخلاقی اور جسمانی کمالیت کا دارومدار دوسروں پر ہوتا ہے - مگر آخرکار یہ خیالات جذب کرتا ہے - اور مناسب دباؤ میں یہ سیکھتا ہے - متابعت کرنا - خود پر قابو رکھنا - دوسروں پر شفیق بننا - پابند فرائض اور خوش بننا - اس کے پاس گو اسکی اپنی مرضی ہوتی ہے مگر اسکی نیک و بد روش بہت کچھ اسکے والدین پر منحصر ہوتی ہے ؛

مرضی کی عادت مدعا کہلاتی ہے - اور جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے مدعائے نیک کی تربیت کی ضرورت اوائل عمری میں ظاہر ہے - **نووِیلِس** کا قول ہے :- "چال چلن ایک مکمل موضوع مرضی ہے" - اور مرضی جب ایک بار وضع ہو جائے - تو تمام عمر کے واسطے مستقل و مستحکم ہو سکتی ہے - جب کوئی سچا انسان جو نیکی پر مائل ہے - اپنا مدعا دل میں ٹھانتا ہے تو اسکی نظر میں دنیاوی انعاموں اور تعریفوں کی کچھ وقعت نہیں ہوتی - خود اسکی ضمیر منیرہ کی خوشنودی اور وہ تحسین جسکے پانے کا یہ مستحق ہوتا ہے اسکا اعلٰے ترین انعام ہے ؛

بلالحاظ روش کے مرضی صرف استقلال - استحکام اور ثابت قدمی ہے - مگر یہ ظاہر ہو جائیگا کہ جب تک چال چلن کی روش نیک نہ ہو - قادر مرضی صرف ایک قدرت مضرت ہو سکتی ہے - خونخوار ظالموں میں یہ بمنزلہ ایک شیطان کے بن جاتی ہے - اور اسمیں طاقت اختیاری کی نہ کچھ انتہا ہوتی ہے اور نہ حد - کروڑوں آدمی اسکی رعایا ہوتے ہیں - یہ ان کے جذبات کا شعلہ مشتعل کر دیتی ہے - ان میں مرضی سے یا تو کوئی سکندر پیدا ہو جاتا ہے یا کوئی نپولین - جب کوئی سلطنت فتح کرنیکو نہ رہی تو سکندر چلا اُٹھا تھا اور **نپولین** نے تمام یورپ کو پائمال کر کے اپنی طاقت روس کے برف میں صرف کی -

اسکا قول تھا: "فتح ہی نے مجھکو بنایا ہے اور فتح ہی مجھکو قائم رکھیگی" مگر اس شخص کا کوئی اخلاقی اصول نہ تھا - اور جب اسکی تباہی اور بربادی کا دور ختم ہوا - تو یورپ نے اسے ایکطرف پھینکدیا ؀

قادر مرضی جو نیک اغراض سے منسلک ہو ایسی مبارک ہے جیسی اسکی ضد یا مضر - جس انسان پر اسکا اثر ہو وہ خود ترقی کرتا ہے اور دوسروں کے دل و ضمیر تیرہ کو مشتعل کر دیتا ہے - فرض کے بارے میں جو اسکے اپنے خیالات ہوتے ہیں - یہ اوروں کو بھی ان کی طرف کھینچ لاتا ہے - اور ان کو اپنی کوششوں میں شامل کرتا ہے تاکہ عمدہ اغراض حاصل کیئے جائیں - اور رائے کو بدی کی بیخ کنی اور نیکی کی بنیاد رکھنے کی طرف مبذول کرتا ہے جس شخص کو قادر مرضی حاصل ہوتی ہے وہ اپنے افعال پر قوت کا سکہ بٹھلاتا ہے قوی استقلال کا یہ عادی ہو جاتا ہے - یہ شہرت دیتا ہے اس صحبت کو جسمیں یہ ہوتا ہے - اس سوسائٹی کو جسمیں یہ رہتا ہے - اور نیز اس قوم کو جسمیں یہ پیدا ہوتا ہے - یہ بزدل کیواسطے ایک خوشی اور سست لوگوں کے واسطے ایک اٹھنے کی علامت بن جاتا ہے - یہ اول الذکر کی ڈھارس بندھا کر اسے بہیروں کے بل کھڑا کر دیتا ہے - اور نیز اپنی تمثیل کے اثر سے موخر الذکر میں نیک عملی کی رغبت پیدا کر دیتا ہے - چنانچہ انگلستان کے مرحوم ملک الشعرائے ٹینیسن صاحب ذیل کے اشعار میں اسکا اشارہ کرتے ہیں :-

ثابت قدم تو مرضئے زندہ مدام ہے — مشکل جہاں میں جتنی ہیں تیری غلام ہے
دنیا کی ساری چیزوں میں ہو زلزلہ بپا — کیا تاب تیرے پیر کو جنبش جو ہو ذرا
روحانی کوہ پھاڑ کے دکھلا تو اپنا نور — افعال میں ہمارے ہو تیرا ہی سب ظہور
ملبوس ان کو نیکی سے کر ایسا سربسر — تا خاک سے اٹھانیکے لائق ہوں ہم بھی سر
آواز تو ہے ایسی کہ جو تجھ کو سنتا ہے — تیری ہی بس فراق میں سر اپنا دھنتا ہے
رکھیں ہم اعتقاد تو تو پاس اپنے آئے — خود ضبط ہو وہ شخص جو یہ اعتقاد پائے
تو صدق وہ ہے جو کہ نہیں ہوتا آشکار — جب تک نہ آدمی پہ کرے موت اپنا وار

علاوہ ان اشخاص کے جن کی مرضی نیک قوی یا بد قوی ہے - ایک بڑا بھاری گروہ ان آدمیوں کا ہے - جن کی مرضی بہت کمزور ہے یا بالکل نہیں ہے - یہ شخص بے چلن ہیں - اگر ان کے پاس بدی کیواسطے کوئی قوی مرضی نہیں تو نیکی کے واسطے بھی نہیں - یہ لوگ دوسروں کے ان اثروں کو بے ثبات قبول کنندے ہیں جو ان میں کچھ گرفت نہیں پکڑتے - نہ تو یہ آگے بڑھتے نظر آتے ہیں یا پیچھے ہٹتے - اگر ادھر کی ہوا چلی تو ان کا رخ ادھر ہو گیا - اگر ادھر کی چلی تو ان کا رخ بھی ادھر ہو گیا تو ان کے دل میں کوئی راستبازی مستحکم قائم ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ صداقت کیا چیز ہے - اس قسم

ہم اپنی آزمائش کے وقت ثابت قدم رہیں۔ تو یہ ثابت قدمی دل کو برقرار بخشتی ہے جو ہمیشہ غرض کی مطابقت سے عمل کرنے میں مطمئن رہتا ہے۔ نار میکلیوڈ کہتے ہیں بڑے میدانوں کی لڑائیاں روزمرہ کی لڑائیاں ہیں۔ ان کے ہار جانے سے ہار رہیں یا ڈرنے کے غم ہمارے غم ہیں۔ جیتے کر ان کی فتح اور شکست بھی ہماری فتح اور شکست ہے۔ جیسی کہ ان کو عزت۔ فتح اور شکست نصیب ہوتی ہے ویسی ہی ہمکو"۔

مشکل کا مدرسہ اخلاقی تربیت کا سب سے عمدہ مدرسہ ہے۔ جب مشکلات کا سامنا ہو تو یہ ضروری ہے کہ دلیری اور خوشی سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ کیا ارسطو کا قول نہیں کہ خوشی اسقدر ہمارے مدعا میں نہیں جس قدر کہ ہماری قوت میں ؟ مشکلات سے کشتی لڑنا ان پر غالب آنیکا یقینی راستہ ہے۔ کسی مدعا کے پورا کرنیکا ارادہ اخلاقی اعتبار ہے کہ ہم اسے پورا کرسکتے ہیں اور جسقدر ہمکو ضروریات لاحق ہوتی ہیں اسیقدر ہماری ذکاوت تیز ہوتی جاتی ہے۔ اور پھر انسان اکیلے دم سے خم ٹھونک کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ ان مشکلات کا سامنا کرے اور ان پر غالب آئے جو اسکی راہ میں حائل ہوں۔

اُن لوگوں کے حالات جنھوں نے اپنے مفید مطلب موقع ہاتھ سے کھو دیئے ہیں۔ دنیا کی تعلیم کیواسطے ایک ہیچ وہ مگر قابل یادگار کتاب بن جائینگے۔ اپلینیز رالیٹ کا قول ہے:۔ کوئی تندرست اور زور آور شخص کبھی غفلت میں نہیں پڑسکتا اگر اسکو اپنا خیال ہے۔ نوجوانوں کے فائدے کیواسطے میں چاہتا ہوں کہ ہمکو مصدقہ تعداد اُن شخصوں کی معلوم ہوتی۔ جو اُن ہزاروں میں سے کامیابی سے محروم رہے جنھوں نے استقلال سے نیک کام کرنیکی کوشش کی ہے۔ میرے خیال میں یہ تعداد شاید ہی ایک فیصدی سے زائد ہو"۔ انسان کامیابی کی شکایت کرتا ہے مگر یہ صرف سلسلۂ ناکامی کا آخری کڑی ہے۔ یہ پہلے پہل ناکام رہتے ہیں اور پھر مکرر اور سہ کرر ناکام رہتے ہیں۔ مگر آخرکار انکی مشکلات زائل ہو جاتی ہیں اور پھر کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

کسی چیز کے حاصل کرنے کی آرزو رکھنا مگر اس کے حاصل کرنیکی بار تکلیف کو اُٹھانے کا نہ خیال کرنا کمزوری اور سستی کی نشانی ہے۔ جو چیز کہ حاصل کرنے یا تصرف میں لانے کے قابل ہے وہ صرف کام کی خوشی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہ عملی قوت کا سب سے بڑھکر اسرار ہے"۔ انسان بخوبی محنت کو سستی پر ترجیح دے سکتا ہے۔ اور سستی کیسی کہ اپنے قوی کو تمام صحت بخش ورزش کی بجائے کاہلی کے مرض میں گھلا دے۔ ہمکو اپنی زندگی میں غالباً معلوم ہو جاتا ہے کہ جسمانی قوی کی ورزش ہی

خود ایک اس قسم کی خوشی کا منبع بن جاتی ہے۔ جو اس خوشی سے بڑھکر ہے جس کے حصول کیواسطے ورزش کی بنیاد رکھی گئی ہے"۔

ایک اعلےٰ مُصنّف کا ذکر ہے کہ اسنے نہ صرف کبھی کبھی واجب اور مناسب موقعہ کو ہاتھ سے نہیں دیا بلکہ کبھی کبھی نا واجب اور نامناسب موقعے کے حاصل کرنے پر مائل تک نہ ہوا۔ اسنے اپنی تمام عمر میں جو کچھ کیا دل و جان سے کیا۔ اگر اسکو اپنی محنتوں میں ناکامی نصیب ہوئی تو اسنے کبھی اپنے آپکو لعنت ملامت نہ کی۔ کیونکہ یہ حتّی الوسع بدل کوشش کرتا تھا۔

ہمکو اس بھروسہ پر کام کرنا چاہیئے کہ جو اچھا بیج ہم زمین پر ڈالینگے۔ وہ جڑ پکڑیگا اور اس سے نیک کام پیدا ہونگے۔ جو کچھ انسان اپنے واسطے شروع کرتا ہے خدا اُسے دوسروں کے واسطے ختم کرتا ہے۔ کیونکہ درحقیقت ہم کچھ ختم نہیں کرسکتے یعنی دوسرے شخص اُسجگہ ہوتے ہیں جہاں ہم اس کام کو چھوڑتے ہیں۔ اور جہاں کہ ہم اسکو تقریباً درجہ کمالیت تک پہونچا دیتے ہیں۔ جو ہمارے بعد آتے ہیں۔ ہم ان کو ایک نیک تدبیر میراث میں دیتے ہیں۔ اور کیسی نیک تدبیر کہ جو تقلید کے لائق ہے۔ کسی نیک کام کا ہوجانا کسی نیک کام کا ہونا اور کسی نیک کام کا عمل میں آنے کے قابل ہونا ایسے ناممکن التعریف امور ہیں جو ابدالآباد تک کی خبر لاتے ہیں۔

شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اس خیال کی تصدیق کرسکے کہ وہ دنیا میں فضول ہے۔ اسکے عدم سے ہستی میں آنے ہی سے اسکی ہستی کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا اسکی زیر نظر ہے۔ اور نیکی اور بدی۔ سودمندی اور سستی اسکی پسند پر منحصر ہے۔ مگر یہ اپنے وسائل اور وقت سے کس طرح پیش آیا؟ کیا اسنے دنیا کو دکھلا دیا کہ اسکی ہستی سے کچھ فائدہ پہونچا ہے؟ کیا اس نے اپنی زندگی کو کسی طرح بہتر بنایا؟ کیا اسکی عمر سستی اور خودغرضی۔ کاہلی اور عدل برداشتگی میں بسر ہوئی؟ کیا یہ شادمانی کا متلاشی رہا؟ شادمانی سستی کے آگے پرواز کرتی ہے۔ اور خوشی کاہلی کی دسترس سے باہر ہے۔ شادمانی اور خوشی کام اور محنت کے پھل ہیں نہ کہ لاپرواہی اور دل برداشتگی کے۔ ایک نوجوان نے جس نے سمجھا کہ اسکی زندگی دنیا میں بے سود تھی ارادہ کیا کہ علانیہ طور پر اپنی جان پر کھیل جائے۔ یہ واقع مقام کیپرٹ اینا ٹس ریاستہائے متحدہ (امریکہ) میں پیش آیا۔ اس شخص نے صرف اپنے دماغ کی تربیت کی تھی اور بس۔ اسکے دل میں فرض۔ نیکی۔ یا مذہب کا مطلق خیال نہ تھا۔ اور چونکہ "معتقدین مادّہ اور منکرین روح" میں سے تھا۔ لہذا عاقبت کا تو دل میں خوف ہی نہ تھا۔ لہذا اس نے اشتہار دیا کہ یہ ایک لکچر دیگا اور پھر اپنے سر میں گولی ماریگا۔ لکچر سننے اور خودکشی کا نظارہ دیکھنے کی فیس ایک ڈالر مقرر ہوئی۔ اور فیس مقرر کرنے سے یہ غرض تھی

کہ جو کچھ رقم اس طرح حاصل ہو اسمیں سے کچھ تو اسکی تجہیز و تکفین کے اخراجات میں کام آئے۔ اور باقی سے شہر لنڈن کے تین "معتقدین مادہ اور منکرین روح" کی تصنیفات خرید کر شہر کے کتب خانے میں رکھی جائیں۔ چنانچہ یہ شخص جس وقت لکچر دے چکا اُس نے پستول نکالا اور حسب وعدہ سر میں گولی ماری۔ افسوس اس نے کس طرح دنیاوی زندگی ختم کی! اور خون آلودہ ہاتھ لیئے ہوئے خدا ذو الجلال کے سامنے گیا! یہ حادثہ اگست ۱۸۶۸ء میں ہوا*

شاید یہ ہولناک حرکت نمایش کا نتیجہ تھی۔ یا شاید اس سے شہرت مدنظر تھی یعنی اسکا نام اخبارات میں مشتہر ہوگا۔ ہر ایک شخص اسکی دلیری پر تحسین و آفرین کریگا۔ مگر یہ سراسر نامردی تھی۔ اور اسمیں اور دلیری میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یہ بالضرور یا یوساتہ نمائش تھی۔ ایک بار شہر یڈن نے کہا تھا: "لوگ طمع۔ نفسانیت اور حرص کو کہتے ہیں کہ سب سے بڑھکر انسانی جذبات ہیں۔ مگر نہیں یہ بہت ہی خفیف ہیں۔ اور یہ لوگوں کی غلطی ہے۔ نمائش تمام جذبات کی حاکم ہے۔ یہ انسان کو بڑے بڑے بہادرانہ کاموں کا جوش دلاتی ہے۔ اور نہایت ہی خوفناک جرائم کی اسے تحریک کرتی ہے۔ مجھکو صرف اس جذبہ سے بچالو۔ اور باقی تمام جذبات کا میں خود قلع و قمع کر دونگا۔ اور جذبات تو صرف شیرخوار بچے ہیں مگر یہ جذبہ دیوہے۔" صرف مستقل یا سُبکی مشکل فرائض کے پورا کرنے ہی کیواسطے ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ دلیرانہ مشقت اور خود ضبطی سے اُن ہزار ہا مشکل کاموں میں پڑنے کے واسطے بھی جو قریباً ہر ایک متنفس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ پس فرض کے پورا کرنے میں دلیری کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی یانت داری کی۔ ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک میں انسان کو تھالیجانے کے واسطے جس قوت کی ضرورت ہے گو وہ بہت کم معلوم ہو۔ لیکن ایک ایک کرکے ان کا سامنا کرنے میں اجمالی اوسط بشرطیکہ فوری ہو۔ اور نہ انسان کو اپنے جامہ سے باہر کر دے جسقدر انسانی مادّے کی آخری حصول ہیں ان میں سے ایک ہے*

ہر ایک نسل کو اپنا بار اُٹھانا ہے۔ عجیب عجیب خطرات کا سامنا کرنا ہے۔ اور بکثرت آزمائشوں سے پار ہونا ہے۔ ہم روزمرہ اغوا سے دو چار ہوتے ہیں۔ خواہ پستی کی ہو۔ عیاشی کی ہو یا بدی کی۔ فرض کے خیال اور دلیری کی قوت کیواسطے ان کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ خواہ کیسے ہی دنیاوی فائدے کا خون ہو جائے۔ جب اس طرح نیکی کی روزمرہ عادت ہو جاتی ہے تو شخصی چال چلن ہمارے قبضہ میں آجاتا ہے۔ اور خود ہم بہت کچھ اس منشا کے پورا کرنے کے واسطے تیار ہو جاتے ہیں جس کے لیئے ہم دنیا میں بھیجے گئے ہیں*

ایک ذرا سی دلیری کے نہ ہونے سے دنیا کا کسقدر نقصان ہوتا ہے! ہم میں کام کرنے کی رضی ہوتی ہے

مگراس کے کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ دنیا کی حالت ایسی ہے اور اسقدر کام پر منحصر ہے کہ ہر ایک چیز ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص سے چلا کر کہہ رہی ہے :۔ "کچھ کرو۔ کچھ کرو۔ کرو" ایک بیچارہ گنوار دیندار جو کسی معبد میں رہتا ہو۔ اور بدی۔ بدکاری۔ ناانصافی اور شرارت کا مقابلہ کرتا ہو۔ اپنے دل میں سکندر اعظم سے بڑھکر فرض کا شریف خیال رکھتا ہے۔ بعض اشخاص خواہ وہ اُٹھکر کام کرنے کا بہانہ ہی کریں کام کرنیوالوں کیواسطے صرف ایک قسم کی معذرت ہیں۔ یہ کنارے پر کھڑے کانپ رہے ہیں مگر کودنے کی دلیری نہیں۔ ہر روز بہت سے نکمے آدمی قبر کا لقمہ بنتے ہیں۔ اور یہ وہ آدمی ہیں کہ جن میں اگر کسی کام کے شروع کرنیکی دلیری ہوتی۔ تو غالباً نیک عملی کی راہ میں بہت دور تک چلے جاتے ۔

آکسفورڈ کا پروفیسر **ولسن** اپنے طلباء کو درس دیتے وقت فرض کا اور خاصکر فرض عملی کا مادہ افضل ترین بتلایا کرتا تھا۔ اس کے لکچروں کا سامعین کے چال چلن پر بہت ہی کچھ اثر پڑا کرتا تھا۔ اس نے اپنے شاگردوں کو بہادری سے جنگ حیات میں شامل ہونے کو بھیجا۔ بعینہ اس بوڑھے ڈنمارک کے شجاع کی طرح کہ "بڑے شریفانہ جرأت کرو۔ استحکام سے ارادہ کرو۔ اور فرض کی راہ پر کبھی نہ ڈگمگاؤ" اور یہی اس علامہ کا مذہب تھا ۔

دنیا میں زرق برق بہت کچھ ہے۔ اور اسکا وجود دلیری کے نہ ہونے سے ہے۔ جب **لوتھر** نے **فریسمس** سے کہا :۔ "تم چاہتے ہو کہ انڈوں پر چلو بغیر ان کو کچلنے کے اور شیشے پر چلو بغیر اسکو توڑنے کے" تو دسواسی اور ڈرپوک **فریسمس** نے جواب دیا "میں حضرت مسیح کے کام میں کم از کم جہاں تک زمانہ یاوری دے بے ایمان نہ ہونگا" لوتھر ایک مختلف اطوار کا آدمی تھا "میں ورمز کو جاؤنگا خواہ شیطان میرے مقابلے میں جمع ہو کر پہاڑ کیوں نہ بن جائیں" یا **حضرت پولوس** کی طرح :۔ "میں تیار ہوں۔ صرف یروشلم کو جانے ہی کو نہیں۔ بلکہ وہاں مرنے کو" ۔

سر الگزنڈر ہیلپس کا قول ہے :۔ "میرے چال چلن میں ایک بات یہ ہے کہ مجھ میں پورا پورا خوص ہے۔ جو کام میں کرتا ہوں اسمیں کبھی لاپرواہی نہیں کرتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر میں کوئی کام کرنے لگوں تو اسمیں کبھی لاپرواہی نہیں کر سکتا" ایک زور آور اور کمزور آدمی میں بس یہی کل فرق ہے۔ بہادر آدمی اکثر مارے جاتے ہیں مگر جو زبانی ہی جمع خرچ کرنیوالے ہوتے ہیں وہ پیچھے بچ جاتے ہیں۔ اور بزدل بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے افعال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔ اور الفاظ سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمکو کیا ہونا چاہیئے۔ عملی زندگی کی اسی واسطے ایک ایک گھڑی ایک مسلم فتح ہے ۔

وہ لوگ جو ہر ایک چیز کو اس کے بدترین پہلو سے دیکھتے ہیں کہتے ہیں کہ کام یا کام کی ضرورت انسان کی دشمن ہے۔ اور اسکے برعکس مانشیر کیرو کا قول ہے:۔ "ایک ناقابل روک فہم انسان کو کام کی طرف لیجاتا ہے۔ اور کام کی معرفت کیسی ناگہانی شادمانی تک یا اُمید ہی خوشی تک۔ یا فرض علیٰ ہذا تک پہونچتا ہے۔ یہ ناقابل روک فہم خود زندگی کے فہم سے کچھ کم نہیں۔ یہ اسکی توضیح کرتا ہے اور اس کا جامع ہے۔ جو بھی یہ ہمارے دل میں ہستی کا خیال جمع کرتا ہے۔ اسیدم یہ ہستی کی سچی قیمت بھی لگالیتا ہے ہم یہاں بے لاگ مسافر ہیں۔ جو کہ ایک فاتحانہ انجام کی طرف جو رکاوٹیں ہیں۔ ان کی پائدار کوششوں میں موجود ہیں۔ اور اُن رُکاوٹوں میں جو کہ اُس قوت کیواسطے ہیں۔ جو پہلے خود اپنے ماتحت ہوتی ہے اور پھر زندگی کے۔ اور جو کہ خواہ انسان کی بُری مرضی کے زیر کرنے میں ہو۔ یا علم و ہنر کی مشکلات پر غالب آنے میں خواہ کام میں۔ غرض مختصر یہ ہے کہ یہی انسان کا سچا شفیق اور تسلی دہ ہے۔ جو اسے اس کی کمزوری سے بلند کرتا ہے۔ اسکو شریف اور بے عیب بناتا ہے۔ اغوا سے بچاتا ہے۔ اور رنج و آلام میں اُسے اسکا بار اُٹھانے کے قابل کرتا ہے۔ اور جس کے سامنے کہ صد درجہ کا غم بھی تھوڑی دیر کیواسطے زائل ہو جاتا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ جب پہلے یہ تکان پر غالب آجاتا ہے تو پھر یہ اپنا جوہر دکھلا سکتا ہے۔ خود کام ہی اگر ہم اسکے تمام نتائج کو نظر انداز کردیں تو نہایت ہی اعلےٰ درجہ کی شادمانی ہے۔ اُن شخصوں کی معیت میں جو ہر ایک چیز کو اس کے بدترین پہلو سے دیکھیں۔ کام کو دشمن سمجھنا شادمانی کے خیال کو ہی جلا سمجھنے میں غلطی کرنا ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنے کام کو اپنے زبردست یا اپنے زیر خیال روئیدہ دیکھتا ہے۔ تو نہایت محظوظ ہوتا ہے۔ جیساکہ ارسطو کا قول ہے:۔ "خواہ زمیندار ہو خواہ معمار خواہ بت تراش ہو۔ خواہ کوئی شاعر یا مصنف۔ اور خواہ کوئی ہو کچھ مضائقہ نہیں"۔

"خلق اللہ کی خوشی محنت کی تمام تکالیف کا صلہ دیتی ہے۔ اور چونکہ با جبر محنت بیرونی رُکاوٹوں کے مقابلے میں زندگی کو پیدا کرنے کی پہلی خوشی ہے۔ اسی طرح مکمل کام صد درجہ کی شادمانی ہے جو ہم میں پورے طور پر ذمہ داری کا مادہ پیدا کر دیتی ہے۔ اور ہمارے غلبہ کی خواہ وہ صرف فوری اور خفیف ہی کیوں نہو۔ قدرت پر تقدیس کر دیتی ہے۔ اور کسی کام کی کوشش یا مرضی کا یہ سچا اندازہ ہے"۔

انسان ہوشیاری کا ایک معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ محنت کا ایک معجزہ بنا ہے۔ قوت اسباب پر غالب آ سکتی ہے۔ کیونکہ کام کا اصول ایسا زبردست ہے کہ وہ اسباب کی مزاحمت سے باہر ہے۔ یہ راستہ صاف کر دیتا ہے۔ اور ہر ایک چیز خوش قسمتی اور بدنصیبی نیکی اور بدی سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ جو خوشیاں ہمکو اس دنیا میں نصیب ہوتی ہیں۔ وہ صرف ہمکو کسی بڑی محنت کیواسطے جو آنیوالی ہوتی ہے زبردست بناتی ہیں۔

انسان کی عقل اسکے افعال میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اپنے فعل کا فرزند ہے۔ ریچر کا قول ہے
نیک اعمال آسمان میں گھنٹہ کی طرح بجتے ہیں" ؂

انسان کے ساتھ عملی اور ہمدردانہ تعلق روزمرہ کے کاموں میں بہ نسبت غوض و فکر کے اس سے بڑھکر صحت و محنت طلب کام کی تیاری ہے۔ سویڈنبورگ نے جو کچھ بخت مفلسی اور بہشت سے زیادہ قرب حاصل کرنے کے واسطے دنیا سے کنارہ کشی کرنے کے بارے میں کہا ہے، وہ مدلل اور صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی اس نے کہا ہے :۔ "وہ زندگی جو بہشت کی طرف لیجاتی ہے تارک الدنیا ہونے میں نہیں بلکہ دنیا میں کام کرنے میں ہے۔ سخاوت کی زندگی جس میں ہر ایک خوشی اور کام میں صدق دلی اور انصاف سے عمل کرنا شامل ہے۔ اور خدا کے احکام کی متابعت مشکل نہیں۔ بلکہ صرف تنہائیکی کی زندگی مشکل ہے۔ اور جیسا کہ عام خیال ہے کہ اس سے بہشت سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس یہ اس سے دور پھینک دیتی ہے" ؂

بہت سے لوگوں کے نزدیک مذہب صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ جہاں تک افعال کا دخل ہے ہم وہ کرتے ہیں جو کچھ درست ہے۔ مگر شاذونادر ہی الفاظ انسان کو کام۔ خیال۔ اور چال چلن یا پرہیزگاری کی طرف یا نیکی اور دیانت داری کی طرف لیجاتے ہیں۔ مذہب کے بارے میں ظاہری نمایش بہت کچھ مگر گرمجوشی کا محنتانہ کام بہت ہی کم ہے۔ مذہب کے بارے میں بہت کچھ پڑھا جاتا ہے۔ مگر سچا مذہب اگر انسانی چال چلن اور فعل میں سرشت ہو تو ہزارہ مسائل کی کتابوں سے بڑھکر معلم ہے۔ اگر کسی شخص میں زندہ اور قوی رائے نہیں۔ جو اُسے نیکی کی طرف لیجائے۔ تو وہ یا تو خواہشات نفسانی کا ایک کھلونا بن جائیگا یا اپنی زندگی بے شرمی کاہلی میں بسر کر دیگا ؂

ایک سب سے بڑھکر خطرہ جو نوجوانوں کو آنکھیں پھاڑکر اپنی بھیانک صورت اس وقت دکھلا رہا ہے۔ وہ سستی ہے۔ جس کا نام تربیت ہے وہ خاک بھی نہیں۔ یہ کمینہ سے کمینہ اخلاقی چال چلن کو نصیب ہو سکتی ہے۔ ناقدر غلامی اعلے سے اعلے درجہ کے شخص کو۔ اور تکبر اور نخوت کمینہ اور مفلس کو۔ مضبوط اور سست نوجوان کبھی چیز کو یاد نہیں کرتا۔ کسی کی تقدیس نہیں کرتا۔ اور کسی چیز کی اُمید نہیں رکھتا۔ نہیں بلکہ اسکو انسان کے دل میں نیکی کی آخری فتح کی اُمید بھی نہیں ہوتی۔ دنیا میں بہت سے مسٹر ٹوٹس ہیں جو کہتے ہیں "یہ تو ایک ہی بات ہے" "یہ بالکل بے فائدہ ہے" سب چیزیں ایک ہی نہیں ہیں اور نہ اب سے سینکڑوں برس تک ہونگی۔ ہر ایک شخص کی زندگی سے تمام سوسائٹی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص کو خاص فرائض ادا کرنے کو اور خاص کام کرنے کو ہیں۔ اگر یہ انھیں نہ کرے

تو یہ خود انجام بھگتتا ہے - اور اسکے معرفت دوسرے بھی - اسکی کاہلی دوسروں کو لگجاتی ہے - اور بڑی تحلیل پیدا کردیتی ہے - غرض نکمی زندگی صرف جوانا مرگی ہے"۔

نوجوانوں میں زبانی گلہ شکوہ بہت ہے - بجائے اسکے کہ جن کاموں کا یہ خیال دل میں لائیں اُن کو بیٹھکر شروع کردیں - یہ فضول شکایتیں کرتے ہیں جن سے کچھ کام نہیں نکلتا - یہ نقص ڈاکٹر چیننگ کے خیال میں آیا تھا - جنھوں نے اس امر پر بہت تاسّف کیا تھا کہ اسقدر ہمارے نوجوان مایوسی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کریں - کیا زندگی بیش قیمت ہے ؟ بیشک نہیں - اگر سستی اور کاہلی میں برباد کیجائے بلکہ پڑھنا بھی بعض اوقات ایک دماغی عیاشی سمجھا جاتا ہے - یہ صرف تربیت کردہ کاہلی ہے - اور اسیواسطے ہمکو اسقدر شاکی - لاپرواہ - نوجوان ملتے ہیں - جن کے دل ایک طور کی ذہانت - تیز نظری اور ہوشیاری سے روشن اور مصفّا ہیں - دوسروں کے کاموں پر طنز اور رمز کی زبان دراز کرتے ہیں - مگر خود کچھ نہیں کرتے - یہ چال چلن کی عمدگی اور صادق الامکانی کو نظر تمسخر سے دیکھتے ہیں - اور یہ دماغی آوارہ گرد ایک قابل افسوس لاپرواہی کے بس میں ہیں - ان کی روح اگر اپنے ان صفات سے باخبر ہے تو ڈانواڈول ہو رہی ہے - ہر ایک بات بغیر اسپر یقین کرنے کے انکی سمجھ میں آجاتی ہے - اور ایسا خیال جو دل حاصل کرتا ہے اس سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا - نہ تو ان کا کوئی اصول ہے - نہ ایمان - مذہبی باتوں کی بجائے غفلت حکمراں ہے - اور چونکہ اسکا مذہب نفی ہے - نفی سے کچھ برآمد نہیں ہوتا - اور یہی وجہ ہے کہ نہ تو ان میں اعلےٰ زندگی کی ہوس ہے - نہ شریفانہ خیالات کی آرزو - اور نہ نجیب چال چلن کی خواہش۔

اور پھر بھی ذہانت تو ہم میں بہت مگر ایمان ندارد - علم بکثرت - مگر عقل کا نام تک نہیں - اور تربیت بیحد مگر شفقت کا نشان تک نہیں - ممکن ہے کہ کسی قوم میں شستگی ہو مگر بجز اس کے اور کچھ نہ ہوگا - علم اور عقل کا ایک ہی چیز ہونا تو درکنار - اکثر ان میں مطلق کچھ تعلق ہی نہیں ہوتا - یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا فضیلت سے عقل زیادہ ہوتی ہے یا نیکی - فنیلن کا قول ہے "عمدہ کتابوں کو پسند کرنے سے خود ایک عمدہ کتاب بن جانا اچھا ہے" انواع واقسام کی کتابیں پڑھنے سے انسان کو خوشی حاصل ہوسکتی ہے - مگر دل کو خوراک نہیں مل سکتی" سنٹ انسلم نے کہا ہے "یہ ایک جاہل کی زندگی ہے جو اُن چیزوں کا متلاشی ہو جو خدا کی ہیں - خداوند تعالیٰ بہ نسبت اس عالم کی لیاقت کے زیادہ عمل کروانا ہے جو اُن چیزوں کا متلاشی ہو جو خود اس کی ہیں"۔

ایک اعلےٰ مرتبت فرانسیسی اپنے معاصرین کا حسب ذیل مرقع کھینچتا ہے :-

"تم چاروں طرف بجز اسکے کیا دیکھتے ہو کہ مذہب اور فرائض سے عالمگیر لاپرواہی ہو رہی ہے - اور

شادمانی یا زر کی خواہش ہے جس سے جو چیز تم چاہو حاصل ہو سکتی ہے؟ ——— "ہم ہر ایک چیز خرید سکتے ہیں - خواہ دیانت داری ہو خواہ عزت - مذہب ہو خواہ رائے - مرتبہ ہو خواہ طاقت - فہم ہو اور خواہ ادب - اور خواہ تمام نیکیوں اور صداقتوں کی تباہی اور بربادی ہو! تمام منطقی مسائل - تمام ناخداترسی کے اصول حل ہو گئے ہیں - اور سونہہ پھاڑ لاپرواہی کے ضابطہ میں غائب ہو گئے ہیں یعنی فہم کی اس اصلی قبر میں دفن ہو گئے ہیں جس میں ہر ایک چیز تنہا - برہنہ - اور یکساں صداقت اور غلطی سے محروم ہو کر جاتی ہے - اور یہ قبر ایسی ہے جو خالی ہے اور جس میں انسان کو ہڈیاں تک بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں" ٭

بہرحال ہمارا علاج تربیت ہے - بہت سے لوگ تربیت کی پرستش کرتے ہیں - اور یہی صرف ان کا مذہب ہے - یہ ذہنی ترک دنیا اور کفر کلی ہے جس پر شستگی کی قلعی پھیری ہوئی ہے - جو لوگ کہ اس کے معتقد ہیں وہ بزرگی کے نہایت ہی نفیس طبقہ میں رہتے ہیں - "اور کوئی چیز دنیا میں قابل ثنا و صفت نہیں ہے" - ان کا مسئلہ ہے - یہ پرانی وضع کی محنت کی نیکیوں - ایثار - قوت اور خود مددی پر ہنسی اڑاتے ہیں - ان کا مذہب ایک نئی افسردہ نہی ہے - جس میں نہ تو یہاں کوئی چیز قابل تعریف ہے - نہ قابل امید - یہ ہر ایک چیز سے منکر ہیں - خود تو کچھ کام نہیں کرتے - البتہ دوسروں کے کاموں سے منکر ہیں - ان کو بجز اپنے کسی چیز کا یقین نہیں - اور مختصر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اپنے چھوٹے موکل ہیں ٭

تربیت کا موجد در اصل گوئٹھے تھا - مگر گوئٹھے کے اشعار سے کوئی کام شلر کے برابر نہیں نکلتا کیونکہ گوئٹھے کی تصانیف طفلانہ ہیں - یہ وہ شخص تھا جو عورتوں کی محبت کا دلدادہ تھا - اور یہ وہ عورتیں تھیں جن کو اس نے اپنی طاقت دلفریبی سے محو کیا ہوا تھا - حال میں اسکا مؤرخ لکھتا ہے: "جب اسکا دماغ کسی عورت کے خیال سے خالی ہوتا تھا تو یہ اس جراح کی طرح ہوتا تھا جس کے پاس عمل جراحی کے واسطے کوئی معمول نہ تھا - یہ بالزک کے بارے میں کہتا ہے کہ اسکا ہر ایک عمدہ سے عمدہ افسانہ کسی مصیبت زدہ عورت کا دل پاش پاش کر دیتا معلوم ہوتا تھا - اور اسکا عوض بالزک بھی دے سکتا تھا - اپنے ایام طفولیت کی تواریخ خواص الاشیاء کے شوق کے بارے میں گوئٹھے کہتا ہے: "مجھکو یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا تو پھولوں کو توڑ کر ان کی پنکھڑیاں کرتا تھا کہ دیکھوں کس طرح یہ شاخ میں جڑی ہیں اور اسی طرح چڑیوں کے پر اکھاڑتا تھا کہ کس طرح یہ بازوؤں میں لگے ہیں - بیٹینا نے لارڈ ہاؤٹن سے بیان کیا کہ یہ عورتوں سے بھی بہت کچھ اسی طور پر پیش آتا تھا - اسکا تمام عشق خواہ شریفانہ یا کمینہ - اسی قسم کے مشاہدے پر مبنی تھا - اسکی محویت کی طاقت عجیب تھی - اور اگر بلحاظ ہنر کے اسکو نہایت ہی

تحریک ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی۔ تو یہ جذبہ کو بلا کسی تاسف یا وسواس کے نہایت ہی عمیق کر دیتا۔ جیسے کہ اس مصور نے جس نے حضرت مسیح کی تصویر بناتے وقت جسمانی تکلیف کی علامت کو ظاہر کرنے کے واسطے اپنے پہلو میں نیزہ چبھو لیا تھا۔ ایسی صورتوں میں باریک مشاہدات کی گنجائش کے واسطے سفاکانہ سرد دلی کی ضرورت ہے۔ اور ہم اپنے تصور میں گوئٹھے کو اُس بہادر کی طرح سمجھ سکتے ہیں جو اس وقت کہ جب جوش اپنے پورے درجہ پر پہونچ چکا ہو۔ نبض پر ہاتھ رکھے کھڑا ہو۔ اور بخاری حرارت کو روکنے کی احتیاط کر رہا ہو۔ گوئٹھے صاف باطنی سے بیان کرتا ہے کہ اس نے عشق یا افسانے کی ہر ایک چیز کو مفصل بنا دیا۔ اور اپنی واقفیت ذات میں جو کچھ اسے درپیش آیا اُسے اس نے خوبصورتی کی شناخت سے دیکھا۔ اور اسے معلوم ہوا کہ کسی ناگہانی آفت یا ناامیدی کے واسطے سب سے بڑھکر معلوم تسکین دہ اسکے واسطے لکھنا تھا"۔

آہ۔ صرف ذہنی لیاقت کی فضول نخوت! کیسی نکمی اور کیسی قابل تحقیر ہے۔ جب دل کی دولت سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ دماغ اور بدن کی سخت اور کرخت گنجائش کا فہم کیا ہے؟ ارلئے کی مردہ ہڈیوں کا صرف ایک ڈھانچہ۔ اور چند خشک ہڈیاں باہم ملا کر جوڑ دی گئی ہیں۔ اگر کوئی روح نہ ہو۔ نمی یا جان۔ فہم اور اصلیت۔ صداقت اور خوشی نہ پیدا کردے! ہر ایک شخص کو نیوٹن کا باحیا قول یاد ہوگا۔ یہ نامور شخص شاید جس قدر آدمی دنیا میں گذرے ہیں سب میں افضل تھا۔ اس نے کشش ثقل اور روشنی کی تفریق کا مسئلہ تحقیق کیا۔ اور اسکا مرتے وقت قول تھا "میں صرف وہ بچہ ہوں جو لب سمندر سنگریزوں سے کھیل رہا ہے۔ اور جس کے سامنے صداقت کا ایک بحر ناپیدا کنار پڑا ہوا ہے"۔ کیا اب ہم میں کوئی فلسفی ہے جو ایسا اقرار کرے؟ کاؤنٹ ڈی میسٹر کا قول ہے "دنیا میں ایسی صداقتیں ہیں جن کو انسان صرف اپنے دل کے مادہ سے حاصل کر سکتا ہے۔ نیک آدمی اکثر متعجب ہو جاتا ہے جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے لائق آدمی اُن ثبوتوں کی مزاحمت کرتے ہیں جو اس کے سامنے صاف ہیں۔ یہ لوگ کسی حقیقت میں قاصر ہیں۔ اور یہی اسکی وجہ ہے۔ جب ہم ہوشیار سے ہوشیار آدمی کو دیکھتے ہیں کہ اس میں مذہب کا کچھ خیال نہیں۔ تو نہ صرف ہم اسپر غالب ہی نہیں آسکتے بلکہ ہمارے پاس وہ وسائل بھی ہیں جن سے ہم اُسے اپنا مطلب سمجھا سکیں"۔ پھر سر ہمفری ڈیوی صاحب کہتے ہیں "دلیل صرف زندگی میں ایک مردہ وزن ہے۔ جو سمجھ کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور بجائے اصول کے صرف قیاس اور احتیاط کو داخل کر دیتا ہے"۔

لیکن فرض کا نہایت ہی وسیع میدان علم ادب اور کتابوں کی حدود سے باہر ہے۔ انسان بہ نسبت

ذی مخلوق کے زیادہ تر معاشرت کا آدمی ہے۔ انسانی تربیت کا عمدہ ترین حصہ تعلق معاشرت سے خود ہوتا ہے۔ اور اسی سبب سے اسمیں خوش خلقی۔ خود عزتی۔ باہم ایک دوسرے کا ادب۔ اور دوسروں کے واسطے ایثار پایا جاتا ہے۔ انسان کا تجربہ علم ادب سے زیادہ تر وسیع ہے۔ زندگی ایک کتاب ہے جو انسان کے مرتے دم تک رہتی ہے مگر اس کے مشکل صفحوں کے سمجھنے کے واسطے عقل درکار ہے ۔

لیڈی وے لنے کہتی ہے "ہمارے زمانہ میں خیالات تربیت اور نوشت و خواند میں ایک ناقابل حل تعلق ہے۔ اب وہ شخص نادان اور بیوقوف ہے جو ان دونوں کو حل کر سکے مگر پچاس سال گزرے کہ کتابیں علاوہ اعلیٰ تربیت تعلیم میں ہونے کے مستثنیٰ تھیں۔ اور نہایت ہی ہوشیار مرد و عورت اپنے خیالات کا انجیل کی مدد کے سوا شاید ہی کسی کی مدد سے اندازہ کر سکتے ہوں۔ اور نیز اعلےٰ مرتبت لوگوں میں مستورات میں کتب بینی بہت عام نہ تھی"۔ چنانچہ ایک مصنف مزاج فرانسیسی کہتا ہے "میری دادی مشکل ہی شاید لکھتے وقت ہجا کر سکتی تھی۔ اور یہ بجز ایک کتاب کے کچھ نہ پڑھتی تھی۔ مگر آجکل کی عورتوں سے بہت کچھ بڑھکر عقلمند اور لائق و فائق تھی" ۔

زمانہ قدیم میں فرض لڑکوں کے سامنے بطور تحریک کے پیش کیا جاتا تھا کسی کیواسطے اسکی ناکامی بے حرمتی تھی۔ اور اسکی کامیابی صرف فرض کی ادائیگی تھی۔ ہیوگ بلر کہتے ہیں "اگر اس خیال کے بارے میں پوچھو کہ انسانی نسل کا عام درجہ بلندی کے طبقہ پر پہونچنا صرف تعلیم کے وسائل سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تو یہ زمانہ کی صرف کج فہمی ہے۔ جیسے کہ کیمیا سے تانبے کو سونا بنانیکے بارے میں"۔

الغرض تربیت کا سب سے عمدہ مدرسہ گھر ہے۔ خانگی زندگی بچوں کی تعلیم کے واسطے خود خدا کا طریقہ ہے۔ اور گھر کی عمدگی مستورات پر منحصر ہے۔ مرحوم بشپ آف ارینیر کا قول ہے "فرانس کی امید اس کے ماؤں پر منحصر ہے"۔ اور یہی حال انگلستان کا ہے . . . .

. . . .

. . . .

مگر کس قدر افسوس اور کس قدر ظلم ہے کہ انگلستان میں عورتیں شب و روز اس قسم کے حقوق طلب کرنے کے واسطے شور مچاتی ہیں جو ان کی جنس کے ہی نامناسب ہیں۔ اور اس جوش و خروش میں کچھ بعید نہیں کہ اپنی تمام اور نہایت عمدہ صفات کو بھی زائل کر دینا چاہتی ہیں۔ آہ! یہ طاقت کی طلبگار ہیں۔ کس طاقت کی؟ پولٹیکل طاقت کی! مگر کیا عجب ہے کہ انگلستان بھی ملک ہے جو انھوں نے اپنے ہی ہاتھ سے بنایا ہے اور پھر بھی ان کی خواہشوں کی مخالفت کرتا ہے! ۔

انگلستان کی عورتیں طریق انتخاب ممبران پارلیمینٹ بذریعہ پنچایت رائے کی موالف اور مداح ہیں۔ اور ان کی دلی خواہش ہے کہ ان کو بھی رائے دہی کا حق اس سلسلہ میں حاصل ہو۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے واسطے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔ اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا؟

مگر کیا ان کو یقین واثق ہے کہ اگر چار یا پانچ میں ایک مرتبہ پارلیمینٹ کے ممبروں کے انتخاب پر رائے دینے کا حق ان کو حاصل ہو جائے۔ تو ان کا ملک بہ نسبت آجکل کی حالت کے بہتر اور عمدہ حالت میں ہو جائے گا؟

کاش یہ سمجھیں کہ عورتوں کے واسطے گھر اور بال بچوں کی ہی نعمت ایک ایسی ودیعت ہے کہ تمام کائنات اسپر رشک کر سکتی ہے اور بجا کر سکتی ہے!

. . . .

. . . .

ایکجال کے مصنف نے مستورات کی صفات بیان کرتے وقت کہا ہے: "کوئی شخص قریباً یہ دیکھکر خوف زدہ ہو جاتا ہوگا کہ کس طرح آجکل کی مستورات ذراسی بات پر چونک پڑتی ہیں اور کسی مذہب کے نئے انداز یا کام کی پیروی کرنے لگتی ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ سے ان کو ایسا قرب حاصل نہیں جیسا کہ ان کی ماؤں یا نانیوں کو تھا۔ کہ مذہب ان کے سامنے نہایت ہی ضعیف طاقت ہے اور یہ کہ خدائی ذوالجلالی اور قدرت کے کامل یقین سے اور پختہ اعتقاد سے ان کے دل خالی ہیں"۔ اور خوبی یہ ہے کہ مصنف خود ایک عورت ہے!

فرانس اور پرشیا کے مابین جو پچھلی جنگ ہوئی۔ اسمیں فرانس کے مقابلہ میں اہل پرشیا کی حالت اخلاق اور راستی کی رپورٹ کرنے پر **بیرن سٹافل** مقرر ہوئے۔ چنانچہ یہ اپنی دوران رپورٹ میں لکھتے ہیں: "فوجی تربیت گھروں اور سوسائٹی میں تربیت ہونے پر منحصر ہے۔ پرشیا کے نوجوانوں کو عام متابعت بزرگوں کے ادب۔ اور سب سے بڑھکر فرض کی پابندی کی تربیت کی جاتی ہے۔ مگر یہ تربیت فرانسیسی فوج میں کس طرح مل سکتی ہے۔ جب یہ فرانسیسی خاندانوں ہی میں نہیں؟۔ مزید براں خاندانی حد سے باہر نظر ڈالو۔ مکتبوں۔ مدرسوں۔ کالجوں وغیرہ میں دیکھو۔ کیا کچھ کوشش کی جاتی ہے کہ بچوں میں اپنے والدین کا ادب۔ فرض کا خیال۔ بزرگوں اور قانون کی متابعت۔ اور سب سے بڑھکر خدا تعالیٰ کا اعتقاد پیدا ہو؟ اسکا جواب ہے کچھ بھی نہیں یا تقریباً مطلق نہیں! چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہر سال فوج میں ایسے نوجوانوں کا دستہ بھرتی کرتے ہیں۔ جن میں بہت سے ہی گل

اور نیک اخلاقی سے بے بہرہ ہوتے ہیں - اور چونکہ اپنے بچپن سے کسی کی بھی متابعت کے عادی نہیں - ہر ایک چیز پر حجت کرتے ہیں - اور ادب کسی کا بھی نہیں - تاہم ایسے لوگ ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ ہم جب وہ فوج میں بھرتی ہوں گے تو ان ناتربیت یافتہ اور بے اصول نوجوانوں کو تربیت کا عادی بنا لینگے - ان لوگوں کو مطلق شبہ نہیں کہ فوجی تربیت بجز گھر کی تربیت کے کچھ بھی نہیں یعنی فرض کا مادہ بزرگوں کی متابعت - حاکموں اور افسروں کا ادب - گھر میں ہی سیکھا جاتا ہے مصنوعی تربیت اگر ایک بار قائم ہو جائے تو موجودہ صورتوں کی ضروریات کے باعث تھوڑے عرصہ تک رہ سکتی ہے - مگر یقین جانو کہ جب وہ اسکی اصلی آزمائش کی گئی ساسی ہم یہ رفوچکر ہو جائیگی " اصل یہ ہے کہ ان الفاظ نے بیرن مذکور کو ایک سچا پیشین گو ثابت کر دیا ہے ؛

کیا یہ ممکن ہے کہ یہی حال انگلستان کا ہو ؟ یعنی سلطنت جمہوری کا روز بروز پھیلنے والا سیلاب خانگی تربیت اور اخلاقی چال چلن کا ستیاناس کرتا جاتا ہو ؟ درحقیقت ہم بہت شیخی باز ہیں ہم اپنی دولت اپنی طاقت - اپنے وسائل - اپنی بحری اور فوجی قوت - اور اپنی تجارتی بزرگی کا گھمنڈ کرتے ہیں - تاہم ممکن ہے کہ چند سال ہی میں یہ سب کچھ ہم سے رخصت ہو جائے - اور ہم ہالنڈ کی طرح ایک امیر اور مقابلتاً کمزور قوم رہجائیں - قوم ان افراد پر منحصر ہوتی ہے جو اسمیں شامل ہوتے ہیں - اور کوئی قوم کیسی اخلاق غرض - اور عزت اور انصاف کے قواعد کی پابندی سے ممتاز نہیں ہو سکتی جبتک کہ اسکے لوگ فرداً اور مجملاً انھی صفات سے موصوف نہ ہوں ؛

لارڈ ڈربی اپنی ایک حال کی تقریر میں فرماتے ہیں :" ابھی کل کا ذکر ہے کہ ایک لائق و فائق بھلے مانس نے مجھ سے کہا کہ ان کے خیال میں انگلستان اُن صفات میں تنزل ہو رہا تھا - جن سے جنگ واٹرلو کے دن سے قومی چال چلن کی طاقت اور قوت مستحکم ہوئی تھی - اور گو ان صاحب نے زبان سے یہ نہ کہا تاہم ان کے لب و لہجہ اور انداز سے میں سمجھ گیا کہ ان کے خیال میں اب علاج کی امید کا وقت گزر چکا تھا - سیلاب آ رہا تھا اور خوش نصیب وہ تھے جو اپنی زندگی بسر کر چکے تھے - اور اس مصیبت کے دن کو دیکھنے کے لیے پردہ دنیا پر نہ رہے تھے - اس میں شک نہیں کہ یہ ممکن ہے کہ ایسی مصیبت آ سکتی ہے اور اگر چند شرائط ہم تسلیم کر لیں تو یہ یقینی امر ہے کہ یہ مصیبت آ پڑیگی" ؛

یہ پُر غور خبرداری کے چند الفاظ ہیں - کیا سیلاب در اصل آ رہا ہے جیسا کہ سو سال گزرے فرانس میں آیا تھا ؟ مرحوم ڈاکٹر میکلیوڈ فرماتے ہیں :" جو ہل چل کہ اس وقت مچی ہوئی اور جو کہ اسی طرح واقعہ سے پُر ہے جیسی کہ " تجدید " (ریفارمیشن) نہایت ہی سخت ہے - ایکطرف تو پرانی طرز کے خیالات کا

قلع و قمع ہو رہا ہے۔ خواہ یہ عاقبت کے متعلق ہوں یا ملک کے۔ خواہ علم کے۔ خواہ منطق کے یا مذہب کے۔ پرانے قلعوں پر جو لوگ فوج کشی کر رہے ہیں۔ ان کے احمقانہ وھوکے اور طاقت کے قیاس کے برعکس بہت سے لوگوں میں صداقت اور فرض کا سب سے اعلیٰ اور افضل خیال ہے۔ اور وہ خیال ایسا ہے کہ اگر اسکو راستی سے دیکھا جائے تو اس سے خدا تعالےٰ پر اعتقاد ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ خدا وہ ہے جو ہمیشہ حق کا طرفدار ہے . . . . اور سکاٹ لینڈ کی پوچھو تو یہاں تو آیندہ یعنی عاقبت کا کلیسا ہی نہیں ہے۔ افسوس کہ ہم بڑے بڑے دنیاوی سوالات سے غفلت کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کونسا نظارہ رنج آور اور دلخراش ہو سکتا ہے کہ ہم مردوں اور نیز عورتوں کو دیکھیں کہ یہ اپنی زندگی اس طرح بسر کرتے ہیں کہ ان بڑے بڑے اصولوں پر باتیں چھانٹتے ہیں۔ اور لاف زنی کرتے ہیں۔ جن پر اصل ان کے آبا و اجداد کا اعتقاد تھا۔ اور جن پر اعتقاد کرنے سے اُنھوں نے اپنی نسل کے واسطے ایمان نیکی۔ اور نیکو کاری کی نعمتیں حاصل کرلیں؟ وہ خیال ہیں جو اگر ذہن نشین ہو جائیں تو ہمارے تمام زمانہ حیات کو تسخیر کر دیتے ہیں اوّل تو یہ کہ دنیا بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ زندگی کی لا انتہا حالت کی دہلیز ہے۔ اور دوم اُس ذات باری کا خیال جس کے واسطے ہم یہاں زندہ ہیں اور عاقبت میں اس کے بعد زندہ رہیں گے نیکی یا بدی کی تقلید ہم میں سے ہر ایک کی پسند پر منحصر ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں خیالوں میں کونسا زبردست ہے؟ یہ ہم پر۔ ہماری بیدار ضمیر تمیزہ پر۔ اور ہماری روشن مرضی پر منحصر ہے۔ ہمکو اپنے مختلف فرائض کی ادائگی میں تکلیفوں اور غموں کا سامنا ہو سکتا ہے۔ مگر ان کا ہمکو مقابلہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ مرضی ربّانی ہے۔ نیک افعال خود ہمکو قوّت بخشتے ہیں۔ اور دوسروں میں نیکو کاری کی رغبت پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ ایسے خزانے ثابت ہوتے ہیں جو نیکو کار کی ضرورت کے واسطے محفوظ ہیں۔ لہٰذا ہمکو چاہیئے کہ اپنے دل کو مضبوط کرلیں۔ کمر چست باندھ لیں۔ اور دوڑنے کو آمادہ ہو جائیں۔ اور یہ دوڑ زندگی کی دوڑ ہے!

باب سوم

دیانتداری۔ صداقت

دنیا میں ہے وہ کون؟ بشر جس کا نام ہو ✦ اور اس سے جلد بھی ہو مگر خوب کام ہو

یعنی یہ ہے ضرور کہ فرصت سے جو ہو کام ✦ خوبی و عمدگی میں وہ بس لاکلام ہو

(بچاہس)

زر کا چھونا تو ہے آسان پہ چھپانا جو کہیں ✦ ڈنک ماریگا ایک ایسا کہ پناہ جسکی نہیں

(جارج ھربرٹ)

بشر جو ہو متدین ہو خواہ کیسا غریب ✦ ہے پادشاہ وہ انساں کیونکہ ہے وہ نجیب

(برنز)

دیانت داری اور راست بازی باہم یکدگر اچھے ہیں دیانت داری صداقت ہے - اور صداقت دیانتداری - ممکن ہے کہ صداقت ہی تنہا کسی شخص کو اعلےٰ نہ بنائے - مگر یہ اعلےٰ چال چلن کی جزو اعظم ہے - اس سے اُن لوگوں کو حفاظت حاصل ہوتی ہے جو اسے کام میں لاتے ہیں اور اُن لوگوں کو اعتبار رہتا جو اسپر عملدرآمد کرتے ہیں - صداقت جوہر ہے اصول دیانتداری اور بھلائی کا - اور یہ ہر ایک فرد بشر کی ابتدائی ضرورت ہے - ہماری تواریخ کے تمام زمانوں سے بڑھکر فی زمانناہمکو کامل صداقت کی ضرورت ہے ✦

دروغگوئی خواہ کیسی ہی عام ہو مگر خود دروغگو کے نزدیک بھی مردود ہے - یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ سچ بولتا ہے - کیونکہ یہ جانتا ہے کہ سچ کی عزت عالمگیر ہے - اور جھوٹ کی نفرت - دروغگوئی صرف بددیانتی ہی نہیں بلکہ بزدلی بھی ہے - جارج ہربرٹ کا مقولہ ہے کہ "راستباز بننے کی جرأت کرو - اور کسی چیز میں کذب کی ضرورت نہیں ہو سکتی" نہایت ہی مضر دروغگو وہ ہیں جو قریبًا راستبازی کے کنارے پر ثابت قدم رہتے ہیں - ان میں اسقدر دلیری تو نہیں کہ صاف صاف بیان کردیں - لیکن پیچ پر لگاتے ہیں - اور پھر وہ کہتے ہیں جو جھوٹ ہے - وہ کذب جو نیم صدق ہو سب سے بڑھکر جھوٹ ہے ✦

زندگی میں ایک طور کی جو فروشی و گندم نمائی ہوتی ہے جو ایسی ہی خراب ہے جیسی کہ زبانی دروغگوئی - کیونکہ افعال کی آواز ایسی ہی صاف ہے جیسی الفاظ کی - کمینہ آدمی ایک اقراری جھوٹا ہے - وہ اسی صداقت کو زائل کردیتا ہے جس کے یقین کا وہ مقر ہوتا ہے - یہ دگنی خطا ہے اسکو دیانتداری اور راستبازی درکار ہے - صادق الباطن جو سوچتا ہے وہ کہتا ہے - جو ارادہ کرتا ہے اسے ظاہر کرتا ہے - جو اقرار کرتا ہے اسپر عمل کرتا ہے - اور وہ کام کرتا ہے جس کا وعدہ کرتا ہے ✦

مسٹر سپرجن کہتے ہیں کہ "کسی طور پر دروغگوئی کا رواج عام ہے - بعض اوقات تو بے کھٹکے

اور آزادانہ طور پر اسپر عمل ہوتا ہے کبھی امن کیواسطے اس کے وسیلے سے عذر خواہی ہوتی ہے اور کبھی کسی کو نقصان سے بچانے کے لئے ۔ لوگ بہت سے وکیلوں کی فیاضی اور کشادہ دلی کا ذکر کرتے ہیں ۔ مگر یہ خوبیش عقرب سے کسی طرح کم نہ تھے ۔ اُن لوگوں کا بھی حال ہم سنتے ہیں جو نہایت ہی تعجب خیز طور پر "راستبازی" سے منسلک تھے یعنی کسی خاص مسئلہ کے بارے میں اور تاہم نہ تو وہ خرید و فروخت کے معاملات میں صداقت کو دخل دیتے تھے ۔ اور نہ اپنے ہمسایوں کی شہرت یا اپنے خانگی واقعات میں راستی کو ملحوظ رکھتے تھے" ۔

دنیا کی تمام بدیوں اور عیبوں میں سے دروغگوئی بھی ایک نہایت ہی عام اور مروج ہے ۔ یہ اُس طبقے میں پھیلی ہوئی جسکو "سوسائٹی" کہتے ہیں ۔ کیونکہ جب کبھی کوئی ملاقاتی صاحب خانہ کی ملاقات کو آتا ہے تو "وہ گھر میں نہیں ہیں" نہایت موزوں اور باسلیقہ جواب دیا جاتا ہے ۔ انسانی کاروبار کو جاری رکھنے کے واسطے کذب اسقدر ضروری سمجھا گیا ہے کہ اسکو نہایت ہی مقبولیت کا تمغہ ملگیا ہے ۔ ایکبار جھوٹ بولنا ممکن ہے کہ بے ضرر سمجھا جائے ۔ دوبارہ خفیف اور پھر بے اختیاری میں زبان سے نکلجائے ۔ ذرا ذرا سے جھوٹ بہت عام ہیں ۔ مگر خواہ جھوٹ کیسا ہی ہو ۔ یہ ہر ایک صاف باطن اور پاک طینت زن و مرد کے نزدیک کم و بیش قابل نفرت ہے ۔ رسکن کا قول ہے کہ :۔ "جھوٹ خواہ کیسا ہی خفیف اور اتفاقی ہو ۔ مگر یہ دھوئیں کی طرح انسان کے چمکدار اور شفاف دل کو داغدار کردیتا ہے ۔ اور اس واسطے یہ بہت بہتر ہے کہ ہمارے دل اس سے صاف ہیں اور ہم مطلق اسکو نہ سوچیں کہ ابھی یہ داغ کچھ بھی نہیں اور یہ بہت جلد دُور ہوجائیگا" ۔

سفرائے سلطنت کا یہ اکثر مقولہ رہا ہے کہ :۔ "اپنے ملک کے فائدے کی خاطر غیر ملک میں جھوٹ بولنا چنداں بُرا نہیں ۔ تاہم انسان کو اپنی جان سے بڑھکر اپنی زبان کی خبرداری چاہیئے ۔ جب ریگولس کو کارتھیجنا والوں نے جن کا یہ قیدی تھا روم کو سفیروں کے ساتھ صلح کی درخواست کیواسطے بھیجا ۔ تو شرط یہ قرار پائی کہ اگر صلح نہ ہوئی تو یہ اپنے قیدخانے میں واپس آجائیگا ۔ اس نے حلف اُٹھایا اور قسم کھائی کہ یہ واپس آجائیگا ۔

جب یہ روم میں آیا تو اس نے مجلس واضع قوانین کو اسی بات پر آمادہ کیا کہ جنگ جاری رہے اور قیدیوں کا تبادلہ نہ کیا جائے ۔ اور اس صورت میں ریگولس کو اسی قیدخانہ میں جانا پڑتا تھا مجلس واضع قوانین اور نیز اعلےٰ پادری نے بیان کیا کہ چونکہ اس سے زبردستی حلف لیا گیا تھا ۔ اسواسطے واپس جانا اس کا فرض نہ تھا ۔ اسپر ریگولس نے پوچھا :۔ "کیا تم نے مجھکو بے عزت کرنے کی ٹھانی ہے ؟ میں

نادان تو نہیں کہ موت اور تکلیف کا میں شکار بنے کو ہوں - مگر اس موت اور تکلیف کی کسی بدکاری کی شرم یا مجرم دل کی زخموں کے سامنے کیا حقیقت ہے؟ گو میں کارتھیج کا غلام ہوں تاہم رومن نسل کا مادہ میرے دل میں ہے میں نے واپس جانے کی قسم لگائی ہے - اور جانا میرا فرض ہے اور اب میں تم سب کو دیوتاؤں کے حوالے کرتا ہوں" ریگولس کارتھیج کو واپس گیا - اور مصیبت اور تکلیف میں جان بحق ہوا ٭

افلاطون کا مقولہ ہے کہ "اگر انسان دنیا میں خوشحال رہنا چاہتا ہے تو اُسے راستبازی حاصل کرنی چاہیئے - اور صرف اُسوقت سے نہ کہ اس سے پیشتر ہی اسکا سب رنج و غم ختم ہو جائیگا" ٭

ہم یہاں شاہنشاہ مارکس آریلیس کی بھی کچھ عبارت درج کرتے ہیں: "جو نا منصفی کرتا ہے وہ بیدینی کرتا ہے - کیونکہ چونکہ قدرت نے اس حیوان ناطق کو ایک دوسرے کی خاطر پیدا کیا ہے - تاکہ یہ باہم ایک دوسرے کے حسب حاجت معاون ہوں - نہ کہ ایک دوسرے کو کسی طرح ضرر پہونچائیں - لہذا وہ شخص جو قدرت کے منشاء کو خراب کرتا ہے خداتعالیٰ کے نزدیک بیدینی کا مجرم ہے - اور نیز وہ شخص جو جھوٹ بولتا ہے اُسی باریتعالیٰ کے نزدیک تمام اشیاء کی فطرت عامہ کے لحاظ سے بیدینی کا مجرم ہے - اور جسقدر اشیاء ہیں اُن کا کچھ نہ کچھ تعلق اُن اشیاء سے ہے جو دنیا میں موجود ہوتی ہیں - آگے چلکر یہ فطرت عامہ صداقت کہلاتی ہے - اور جس قدر چیزیں دنیا میں برحق ہیں اُن کی ابتدائی وجہ ہے - پس جو شخص ارادتاً جھوٹ بولتا ہے وہ بیدینی کا گنہگار ہے - کیونکہ وہ دھوکا دیکر نا منصفی کرتا ہے - اور نیز وہ جو بلا ارادہ جھوٹ بولتا ہے وہ اس فطرت عامہ کا مخالف ہے - اور ساتھ ہی وہ دنیا کی فطرت کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اسکی مخالفت پر آمادہ ہو کر گویا جنگ شروع کرتا ہے - کیونکہ وہ اسکا مخالف ہے یہ خود اس راستے پر قدم زن ہے جو خلاف حق ہے - اور اسکو طاقت قدرت ہی سے حاصل ہوئی ہے - اور جسکی غفلت کے باعث وہ صدق اور کذب میں تمیز کرنے کے قابل نہیں اور درحقیقت وہ شخص جو عیاشی کو عمدہ سمجھکر اُسکی پیروی کرتا ہے اور رنج کو بُرا سمجھکر اُس سے احتراز کرتا ہے بیدینی کا مجرم ہے" ٭

راستبازی اور دیانتداری مختلف طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں - یہ منصف - متدین اور اُس شخص کی علامات ہیں جو اپنے نفع رسانی کی خاطر تمکو دھوکا نہ دیگا - دیانتداری اصول صداقت کا نہایت ہی سادہ اور منکشف ظہور ہے - پورے اوزان - ٹھیک پیمانے - سچے نوشتے - پورا کام - اپنی فرض کی بخوبی بجا آوری - نیک چلن اشخاص کی لاریب نشانیاں ہیں ٭

ہم ایک عام تمثیل لیتے ہیں۔ سپرفٹ[1] نے کسی ہوٹل میں ایک بار کھانا کھاتے وقت شکایت کی کہ جو شراب اس کے سامنے میز پر چنی گئی تھی وہ کم تھی۔ اس نے مالک مکان کو بلا کر پوچھا: "براہ عنایت یہ تحریر فرمایئے کہ کتنے پیپے شراب کے ماہواری آپ کے خرچ میں آتے ہیں؟" جواب ملا کہ: "دس جناب من"۔ "اور آپ کو اگر گیارہ مل سکیں تو بھی آپ پسند کرینگے؟" "بے شک جناب"۔ اسپر فٹ نے کہا کہ: "تو میں آپکو بتلاتا ہوں کہ کس طرح آپ اپنا پیمانہ بھریں!"

مگر یہ معاملہ یہاں ہی تک ختم نہیں ہوتا۔ ہم پیمانوں کی کمی اور خراب اسباب کی شکایت کرتے ہیں۔ ہم ایک چیز فروخت کرتے ہیں اور دوسری خریدتے ہیں۔ مگر ہمارے واسطے اپنا اسباب بیچنا ضروری ہے۔ اور اگر منافع سے فروخت ہو تو کیا کہنا۔ اگر اس میں نقص معلوم ہوجاتا ہے تو خریدار کسی اَور جگہ چلا جاتا ہے۔ والٹیر کی پہلے برسیں گزریں کہ انگلستان آئے۔ اور نہایت مسرت سے انہوں نے انگریزی تجاروں کی تجارتی خوشحالی دیکھی۔ اسپر انھوں نے کہا کہ: "یہ لوگ دوسرے ممالک کو اشیاء روانہ کرتے وقت ان کی عمدگی و مقدار کا بیحد خیال رکھتے ہیں"۔

کیا اب بھی وہ یہی کہہ سکتے تھے؟ کیا ہمنے عدالتوں میں اپنے تجاروں کی دھوکا دہی نہیں سنی۔ کہ کپڑے کو چینی مٹی۔ چربی۔ اور جست سے بھر دیا؟ ہم نے یہ دیکھا ہے اور جانتے ہیں کہ کیا ہے۔ کپڑے کو پھپھوندی لگ جاتی ہے۔ بدرنگ ہوجاتا ہے۔ اور پھر ناقابل فروخت۔ پھپھوندی ایسی چیز ہے کہ نم پہونچنے سے چربی پر پیدا ہوجاتی ہے۔ چین انگریزی کپڑے کی ایک بڑی بھاری منڈی تھی مگر پھپھوندی کا ظاہر ہونا تھا کہ تجارت نابود ہوگئی۔

ایک چینی مثل ہے جس کا مطلب ہے کہ: "جس برتن میں کھانے کو ملے اس میں سوراخ نہ کرنا چاہیئے" مگر چینی بھی ہماری ہی طرح بڑے بھاری دھوکے باز ہیں۔ یہ چائے میں لوہے کے ریزے اور ریشم میں پانی ڈال دیتے ہیں۔ اور اسیواسطے یہ دوسروں کی دھوکہ بازی سے خبردار رہتے ہیں۔ انگریزی سفیر متعینہ چی فو لکھتا ہے کہ: "نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کا بنا ہوا کپڑا بدنام ہو رہا ہے۔ اور امریکہ کے تجار ہلی بجائے دخل پا رہے ہیں۔ امریکہ کے برمے کو چالیس فی صدی مہنگے ہیں۔ انگریزی برموں کی جگہ منڈی میں نظر پڑتے ہیں"۔ اب ہمارا کچھ اعتبار نہیں رہا۔ کبھی انگریزی نشان دیانت داری کی ذمہ داری ہوتی تھی مگر اب نہیں۔

یہی حال ہندوستان کا ہے۔ انگریزی کپڑا جو نہی دھویا جاتا ہے جب مٹی اور چربی نکل جاتی ہے یہ چیتھڑا رہجاتا ہے۔ ہندوستانی روئی کی کاشت کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ بڑے ہوشیار۔ محنتی۔ ہنرمند اور چالاک

[1] یہ شخص کرایہ کے مکان میں رہتا تھا۔ اور مالک مکان ہی اجرت اسکو کھانا وغیرہ مہیا کرتا تھا۔ ۱۲

ہیں ۔ یہ اسقدر باریک دھاگا کات سکتے ہیں جس قدر مانچسٹر کی ہوتی ہیں ۔ چنانچہ ہندوستان میں روپیہ جمع ہوتا ہے ۔ کلیں بنائی جاتی ہیں ۔ اور اب ہندوستانی اپنے واسطے آپ کپڑا[۱] بنتے ہیں ۔

جسقدر اضلاع صنعت و حرفت کے ہیں ان میں یہ عام طور پر معلوم ہے ۔ عام مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوتا ہے ۔ حجم بڑھانا ۔ چربی لگانا ۔ اور کپڑے کو چینی مٹی سے بھاری کرنا ہر جگہ مشہور ہے ۔ مسٹر مسلیر ممبر پارلیمنٹ نے تجاروں کی اس دھوکا دہی کی خوب مٹی اڑائی ۔ ان لوگوں کے دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے کہ طبقہ ارض کے باشندے ایک سرے سے دوسرے سرے تک باستثنائے ان کے احمق ہیں ۔ مذکور ممبر پارلیمنٹ نے ایک انجینیر کا حال بیان کیا جو بحر ہند کو عبور کر رہا تھا ۔ اور سر پر ململ کی پگڑی تھی ۔ جس وقت اس سے پوچھا گیا کہ :- کیا یہ انگریزی ململ ہے ؟ " تو جواب ملا :- " نہیں یہ سوئٹزرلنڈ کی ہے ۔ انگریزی ململ لیسدار ہوتی ہے ۔ اس میں گوند لگا ہوتا ہے ۔ غرض یہ حال ہے جس طرح ہم تجارتی تنزل کے گرداب میں پڑے ہوئے ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے جس سے گردش ایام ہمکو آنکھیں دکھلا رہی ہے ۔

آمریکہ کا کتانی اسباب مانچسٹر ۔ لنڈن ۔ اور اور مقامات میں اچھے خاصے منافع پر فروخت ہوتا ہے ۔ ہندوستانی روئی کا مال چین اور آسٹریلیا میں فروخت ہوتا ہے ۔ حالانکہ بمبئی کے بنے ہوئے دھاگے بنسبت انگریزی دھاگوں کے گراں فروخت ہوتے ہیں ۔ فی زمانہ ہندوستانی روئی کا مال تمام مانچسٹر حصے کہ انگلستان کی تجارت کے برابر ہے ۔ کیا یہ امر حیرت انگیز نہیں ہے ؟ ہملوگوں کو صنعت و حرفت کی تعلیم دیتے ہیں ۔ مگر صنعت و حرفت کی تعلیم فریب دہی اور دغابازی ۔ جھوٹ اور دھوکے کے مقابلہ میں کیا مفید ہوگی ؟ کوئی عورت بیچاری ایک ریل دھاگے کی مول لیتی ہے جسپر لکھا ہوتا ہے اور موٹے حرفوں میں **۲۵۰ گز** ۔ مگر جب یہ اپنی عرقریزی اور جانفشانی سے اسے کھول کر کام میں لاتی ہے تو کل کائنات ۱۸۵ گز نکلتی ہے ۔ بھلا اب یہ ہملوگوں کی صداقت کا کیا اندازہ کریگی ؟

عام لوگوں کی حالت کا تنزل ۔ اخلاق کی پستی ۔ ملکی اصول کی تخریب لاکلام ہے ۔ کوئی ساٹھ سال گذرے جب **بیرن ڈیوپن** انگلستان میں تشریف لائے تو انہوں نے یہاں کے سوداگروں کی

---

۱ ۔ خدا لائق مصنف کے کلام کو پورا کرے ۔ کہ ہم اپنے ملک کے بنے ہوئے کپڑے پہنیں ۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ افلاس نے مار دیا اور نااتفاقی نے دین و دنیا کہیں کا بھی نہ رکھا ۔ اور پھر اسپر طرہ یہ کہ جو صاحب ثروت ہیں ان کا حال یہ ہے ۔

دن رات ہے امیروں کو آرام سے غرض ۔ شادی سے مدعا ہے و یا جام سے غرض

ہمت۔ ذہانت۔ اور ہوشیاری کی خوب تعریف کی " یہ صرف دلیری ہمت۔ ذہانت اور ہوشیاری ہی تجاروں اور دستکاروں کی نہیں ہے۔ جو اُن کو اپنے مُلک میں فوقیت اور ترجیح دیتی ہے بلکہ بہت کچھ یہ اُنکی دانائی۔ اُنکی کفایت شعاری اور سب سے بڑھکر اُن کی نیک نیتی اور صدق دلی ہے۔ اگر کبھی جزائر برطانیہ میں یہاں کے باشندے ان نیکیوں کو خیرباد کہدیں۔ تو ہمکو کامل یقین رکھنا چاہیے کہ انگلستان اور خواہ کوئی اَور مُلک ہو۔ باوجود اپنی خوفناک اور بکثرت محکمہ بحری۔ باوجود اپنی سفارت کی لیاقت اور پیش بندی۔ اور باوجود اپنی مُلکی حکمت عملی اور ہوشیاری کے یہ دیکھیگا کہ اس کے نکمّے مال کی کشتیاں ہر ایک ساحل بحر سے دھکّے کھاکر اُن سمندروں کی سطح سے مفقود ہوجائینگی۔ جن کو یہ اپنے خزانوں۔ اپنے مال اور محنت اور مشقت کے ثمروں سے ڈھانپ رہی ہیں" ؀

اب عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ گورنمنٹ نے دستکاری اور پیداوار کی آزادی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی ہوئی ہیں۔ تاجر بیچارے کے ہاتھ اور پیر قانونی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اسمیں تو شک نہیں کہ کسیقدر یہ سچ ہے۔ مثلاً مثلاً کوئلے کی کانوں میں مستورات کی کام کرنیکی ممانعت اور قانوناً مزدوری کیواسطے گھنٹوں کی تعداد کا تقرر۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تجارت اور صناعی کے بارے میں جو قوانین ہیں وہ حد سے بڑھ گئے ہیں۔ مسٹر کٹسن نے کچھ عرصہ گذرا لیڈز میں بیان کیا کہ قوانین دربارہ صناعی نے مُلک کی بہت سی صنعت و حرفت کا چراغ گل کردیا ہے۔ بلجیم سے چھوٹی چھوٹی آہنی اور فولادی سلاخیں مُلک میں آتی تھیں کیونکہ لڑکے اس مشقت پر کام میں لائے جاسکتے تھے۔ تمام چھوٹے چھوٹے انجن جو کسی زمانے میں انگریزی تجارت کے قوت بازو تھے اب فرانس اور بلجیم میں بنتے ہیں۔ مسٹر کٹسن نے بیان کیا کہ ان وسائل سے پارلیمنٹ مُلک کی چھوٹی چھوٹی مختلف دستکاریوں اور تجارتوں کا ستیاناس کررہی تھی۔ اور پھر اسپر طرّہ یہ تھا کہ اُن کی بربادی کا نقصان بھی مُلک کو ہی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اسی مجلس میں ایک اَور مقرر نے بیان کیا کہ اس کے کارخانے میں لوہے کی ڈھلی ہوئی چیزیں بلجیم سے منگوائی جاتی تھیں کیونکہ بہ نسبت انگلستان کے یہ وہاں ارزاں قیمت پر دستیاب ہوسکتی تھیں ؀

سوداگر بیچارہ قانون سے ہی نہیں ڈرتا بلکہ بہت کچھ مُلک میں جو ہڑتال ہوجاتی ہے اس سے جب تجارت کسیقدر ترقی کے زینے پر چڑھتی معلوم ہوتی ہے تو لوگ کام بند کردیتے ہیں اور مزدوری زیادہ مانگتے ہیں۔ کارخانے بند ہوجاتے ہیں آہنی بھٹیاں سرد پڑجاتی ہیں۔ کاروبار ختم ہوجاتے ہیں۔ اور غرض ہر ایک چیز گویا ساکن ہوجاتی ہے۔ ہم اپنے وسائل اور مفید مطلب موقع ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر پردیسی ہماری غفلت اور لاپرواہی پر چڑھائی کرتے ہیں۔ یہ بدقسمتی سے کچھ بڑھکر ہے۔ یہ تباہی ہے۔ کہ ہم خود تاجروں کو اپنا

جانی دشمن تصور کریں ؟

مگر مزدور کام کیسا کرتے ہیں؟ ایک زمانہ تھا کہ انسان دل و جان سے کام کرتے تھے جب یہ اپنے کام کی عمدگی پر نازاں ہوتے تھے۔ مگر اب کیا حال ہے؟ کام ہوتا ہے جیسے بیگار۔ بلا ہنر۔ بلا خیال اور بلا مشقت اور اب اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ سڑکیں بیٹھ جاتی ہیں۔ پُل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور مکان خاک بسر ہو جاتے ہیں۔ عمارتیں ادھوری چھوڑ دی جاتی ہیں۔ نالیاں خراب رہجاتی ہیں۔ اور بیماری اپنا عمل کر لیتی ہے اے لاپرواہ۔ بے غرض مزدور! تو نے کتنی جانیں لیں؟ کتنے خاندان برباد اور تباہ کر دیئے؟ بس تیرا کام ختم ہو گیا۔ اور تجھ کو کچھ سروکار نہیں کہ کس طرح ہوا۔ تو نے نہ تو اسکو دل لگا کر کیا نہ محنت اسپر صرف کی غرض کام تو نے اپنا پورا کر لیا اور مزدوری تیرے ہاتھ میں آگئی۔ یہ تمام بددیانتی اور کمینہ پن ہے۔ مزدور۔ یہ تیرا ہی سراسر قصور نہیں ہے! تجھ کو جاہل رکھا گیا ہے۔ تجھ کو تعلیم دی گئی ہے مگر بغیر ہمدردی کے ؟

جس قدر دنیا میں بدکاری ہے۔ وہ دروغگوئی ہے۔ یہ سراسر بددیانتی ہے۔ ہم ایک کام کے ہو جانے پر مزدوری دیتے ہیں۔ مگر یہ کام بُری طرح کیا گیا ہے اور بددیانتی سے۔ اسکی ظاہری نمائش تو آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی ہے۔ مگر جب اسکی قلعی کھل جاتی ہے تو وقت ہاتھ سے گذر جاتا ہے۔ جبتک ملک میں یہ حال ہے۔ یہ بالکل فضول ہے کہ ہم محنت کی تعریف کریں۔ یا اس طرح کے محنتی آدمیوں کی سوشل قدردانی کے معرف بنیں۔ ہرگز محنت کی توقیر نہیں ہو سکتی جبتک کام میں صداقت کا دخل نہو گا "توقیر بے ثباتی اور ناپائداری میں نہیں رہتی بلکہ پائداری اور طاقت میں۔ اگر فی زمانا ہمارے کاموں میں ہمارے آباو اجداد کے کاموں کی نسبت ناپائداری اور بے ثباتی ہے حالانکہ ظاہری نمائش اور خوبصورتی اعلی درجہ کی تو کہاں سے اسکا وجود ہوا؟ جلد بازی۔ ناداشتگی اور متمول بننے کی زیادتی حرص سے" ؟

اور غضب تو یہ ہے کہ پالی نیشیا کے وحشیوں نے بھی ہماری بددیانتی پکڑ لی۔ جب پادری پیٹسن جزائر بحر جنوبی کے مشن پر سفر کر رہا تھا تو باشندوں نے ہمارا اسباب خریدنے سے انکار کیا۔ اس نے کہا کہ :- "ایک نکما اور خراب کپڑا جو بدن پر دو روز بھی نہ ٹھہرے اُنکی نظر میں نہیں جچتا۔ ان کو جو کچھ دیا جائے۔ خواہ ارزاں ہو یا گراں۔ اور خواہ اسکی قیمت ایک شلنگ کیوں نہو۔ مگر یہ عمدہ ہو۔ مثلاً ایک پھل کا چاقو جس کا دستہ خواہ کیسا خراب ہو۔ اور چاہے ایک شلنگ کو ملے۔ یہ اسکی بہت قدر کرتے ہیں۔ مگر خواہ ایک درجن پھل ہوں یہ اسے پھینک دیتے ہیں" اور یہی ڈاکٹر لونگسٹن کو معلوم ہوا۔ کہ افریقی انگریزی چھرا خریدنے سے انکار کرتے تھے۔ کیونکہ یہ "کچا" تھا ؟

سقراط نے اسکی توضیح کر دی کہ یہ امر کیسا مفید اور عمدہ تھا کہ اگر ایک شخص یہ ارادہ کر لے کہ وہ

اپنے پیشہ یا کام کو تکمیل کو پہونچا دیگا۔ اگر وہ نجار ہے تو کامل نجار ہوگا۔ اور اگر مدبر ہے تو ایک دقیقہ بھی فروگذاشت نہ کریگا۔ اور یہی وسائل ہیں جن سے سچی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے سقراط کا قول تھا کہ ایسا نجار دنیا میں وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے جس کا ہمکو خیال بھی نہو ۔

اچھا اب وج ووڈ کا حال لو۔ جنہیں سچے محنتی ہونے کا مادہ تھا۔ حالانکہ یہ اعلےٰ درجہ پر پہونچ گیا۔ مگر اسکو صبر نہ ہوا جب تک اس نے حتے الوسع بدل و جان اپنی کوشش صرف نہ کرلی۔ یہ خصوصاً اپنے کام کی عمدگی کا خیال رکھتا تھا۔ کہ کہاں تک یہ کام رہیگا۔ اور دوسرے کس قدر اسکی قدر افزائی کرینگے۔ اور یہی اسکی قدرت اور کامیابی کا منبع تھا۔ اس نے کبھی کوئی نکما کام نہ کیا۔ اگر کوئی کام اسکی نیت اور خیال کے مطابق نہ بنتا۔ تو یہ اپنی چھڑی ہاتھ میں لیتا۔ برتن توڑ کر پھینک دیتا اور یہ کہتا "یہ کام وج ووڈ کے کار آمد نہیں !" ۔

اسمیں شک نہیں کہ یہ اپنے کام کی تکمیل کا سب سے بڑھکر خیال رکھتا۔ اسکا رنگ اچھا ہو۔ اسکی شکل سڈول ہو اور خوشنما ہو۔ اپنے پیشے پر بجائے توڑ ڈالنے کے صرف یہ خیال ہے کہ کوئی ضروری ترقی کیجائے۔ اور اصل یہ ہے کہ متواتر ناکامیوں ہی سے اس نے تکمیل سیکھی۔ جسقدر اوزار اسکے کار آمد تھے ان میں سے قریباً ہر ایک اس نے ایجاد کیا اور اس میں زیادتی کی۔ یہ اپنا وقت اس طرح بسر کرتا کہ اپنے نوکروں کے پاس بیٹھ جاتا اور انکو ہدایتیں کیا کرتا۔ اور جس طرح یہ کامیاب ہوا وہ اسکے کام سے ظاہر ہے ۔

ایک اور مثال سچی دیانت داری اور ہمت کی ایک بڑے بھاری ٹھیکہ دار ٹامسن بریسے کے حال سے مل سکتی ہے۔ یہ شخص اسوقت بھی جب دغابازی اور فریب عالمگیر تھا اپنے اقوال اور افعال میں سچا رہا۔ بیرنٹن کا ۷۰ محراب کا پل قریباً مکمل ہو چکا تھا کہ موسلا دھار بارش سے نمی پاکر تمام کیا کیا گر پڑا۔ اس حادثے سے تیس ہزار پونڈ کا نقصان ہوا۔ اب ٹھیکہ دار اسکا نہ تو قانوناً جوابدہ تھا نہ عقلاً۔ اس نے علے التواتر اسکی تردید کی کہ مصالح جو مستعمل ہوا کسی طرح خراب نہ تھا۔ اور فریقین کے وکلاء نے تسلیم کر لیا کہ اسکی تردید اسکو ذمہ داری سے بری کرتی تھی۔ مگر مسٹر بریسے کی رائے کچھ اور تھی۔ بقول اس کے اس نے ٹھیکہ لیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ پل یہ بنا دیگا اور وہ بھی پائدار اور اس لحاظ سے کوئی قانون اس امر کا مانع نہ تھا کہ اس کے قول اور فعل میں تطبیق ہو۔ چنانچہ پل دوبارہ مسٹر بریسے کے روپیہ سے تعمیر ہوا۔ اور درحقیقت اسکی زندگی اعلےٰ درجہ کی مثال ہے جو ہم آجکل کی نسل کے سامنے پیش کر سکتے ہیں ۔

اسمیں تو کچھ شک نہیں کہ زمانہ ہمکو اچھا بھی ملتا ہے اور برا بھی۔ مگر نتیجہ ہمیشہ ایک ہی ہے ہم آیندہ کا

تو کچھ خیال ہی نہیں کرتے ہم کفایت شعاری اسوقت کرتے ہیں جب ہماری اپنی حرصوں کے پورا ہونے کے واسطے ہماری گرہ میں روپیہ نہیں ہوتا - اور ہم تہیدست ہوتے ہیں - ایک شخص نے ابھی حال ہی میں بریڈفورڈ میں کہا کہ "کوئی پانچ چھ سال گذرے ہماری تجارت خوب رونق پر تھی اور یہ حال تھا کہ تجار زر سے لدے ہوئے تھے - لوگ اسقدر جلد دولتمند ہوتے جاتے تھے اور اسقدر روپیہ کاموں پر لگا رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اسکے واسطے کچھ انتہا ہی نہیں - اجیر مزدور تھے وہ بھی خوشحالی اور آسودگی پر متفق ہوگئے - اور انہوں نے کام بند کر دیا کہ مزدوری زیادہ ملے - چنانچہ کچھ عرصے تک جو انہوں نے کہا وہی کیا گیا - انھوں نے کام کو محدود کر دیا - اور یہ دلیل پیش کی کہ جس قدر تھوڑی دیر یہ کام کرینگے اور مزدوری زیادہ لینگے اسیقدر متمول ہونگے - مگر اتنے میں تنزل نے آگھیرا اور نہ اب اُن کے کام بند کرنے سے کچھ ہو سکتا تھا نہ متفق ہونے سے - اس شخص نے ان کو تحریک کی کہ اگر یہ چاہتے تھے کہ ان کو خوشحالی نصیب ہو تو اُن کو چاہیئے تھا کہ دیانت داری اور ایمانداری سے کام کریں - اپنا فرض بجا لائیں - اور روپیہ کی خاطر موجودہ طریق ادھورا اور تھوڑا کام کرنے کا چھوڑ دیں ۔

اڈنبرا میں مزدوروں کی ایک مجلس میں ایک مقرر نے کام بند کرنے کے فوائد بیان کیے تھے کہا کہ "میرا مسئلہ تو یہ ہے کہ حتی الوسع تھوڑا کام کرو - اور حتی الوسع زیادہ مزدوری لو" - اب اگر اس مسئلہ پر کبھی عملدرآمد ہو تو کیا ہوگا؟ صنعت عالمگیر تنزل کے گرداب میں پڑ جائیگی - لوگ کاہل ہو جائینگے - لاپرواہ اور خودسر - ایک اور مقرر نے اس کے برعکس پہلو لیا - اس نے بیان کیا کہ :- "کام بند کرنیکے واسطے متفق ہونا حد درجہ کی بداخلاقی ہے - ابھی کل کا ذکر ہے کہ میں اڈنبرا میں ایک سڑک پر جا رہا تھا - کہ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ اور بڑے آرام سے جا رہا ہے - ایک لڑکا پاس سے گزرا اور اس نے کہا "آپ تو بڑے مزے سے ٹہلتے ٹہلتے جا رہے ہیں" یہ شخص ملازم تھا اسنے جواب دیا "میں تو اپنے آقا کا کام کر رہا ہوں" اب اس شخص کے دماغ میں یہ خبط سمایا ہوا تھا کہ آقا کا نقصان اسکا فائدہ ہے - اور اس خیال کے اثر کا لب لباب یہ تھا اگر کوئی کام اچھی طرح دل و جان سے کیا جائے تو وہ حاصل ہونا محال ہے" یہ بہت اچھا ہو اگر محنتی آدمیوں کو ان کی وہ حالت دکھلائی جائے جس میں یہ اسوقت ہیں - جس قدر غیر ممالک کے لوگ ہیں وہ ہم پر ہر طرح فوقیت رکھتے ہیں - یہ اب خود اپنے واسطے کلیں بناتے ہیں - انہوں نے سیکھ لیا ہے کہ کس طرح انگریزوں سے بڑھکر جلد ہی کام کریں - یہ ہفتہ اور اتوار کو ایک سا کام کرتے ہیں فرانس میں مزدور ٧٢ گھنٹے فی ہفتہ کام کرتے ہیں - حالانکہ انگلستان میں کل ٥٦ گھنٹے - اور غیر ممالک میں

دستکاروں کی اُجرت انگریزوں سے ۲۵ فی صدی کم ہے - اور پھر خوبی یہ کہ انگریزی کام ایسا عُمدہ نہیں ثابت ہوتا جیسا فرانسیسی - اب ہم ان امور کو مدنظر رکھکر کس طرح ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں؟ فرانسیسی اور جرمنی روئی کا اسباب تو بلا روک ٹوک ہمارے مُلک میں آجاتا ہے اور ہمارا اسباب فرانس یا جرمنی میں بغیر گراں محصول اور دقت کے نہیں جاسکتا - ہم نے اس تجارتی مقناطیس کو ہاتھ سے کھودیا جو کبھی ہمارے قبضے میں تھا - اور یہ بھی آسان نہیں کہ ہم پھر اسپر قابو پاسکیں - اب نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا روئی کا اسباب صرف ہمارے ہی مُلک میں خرچ ہوا کریگا - اور اگر کپڑا سستا اور عُمدہ بنے گا تو فرانسیسی اور امریکن ان محصولات مارکر مُلک بدر کردینگے - اور یہی حال اور چیزوں کا بھی ہوگا ؛

مسٹر ہولی یوک کا بیان ہے کہ: "چودہ سال کے تجربہ کے بعد اب مجھکو قدر آئی ہے کہ کس طرح دیانت داری اور ایمانداری سے کام کرنے میں فائدہ ہوتا ہے - میری زندگی کا دارمدار - چال چلن کی عُمدگی - نیکی کی بنیاد اور تمام انسانی صفات کی جڑ یہی ہے - اب مجھکو معلوم ہوگیا کہ جہاں تک دل لگاکر میں کام کروں گا - جہاں تک محنت اور مشقت سے میں کسی دستکاری میں عرقریزی کروں گا - اور جہاں تک جانفشانی میں کسی کی خدمت میں صرف کروں گا - اس سے میرے دل کو تسلی رہیگی کہ مینے اپنا فرض ادا کیا - دیانت داری پر عمل کیا اور اپنی حالت کو درست کیا - اور اس مادے کو میں جس قدر مادے مجھمیں ہیں سب پر ترجیح دیتا ہوں - میں اب اپنے آقا کا دوست بنوں گا - اسکی شہرت میری شہرت ہوگی اور اسکا ناز میرا ناز ہوگا - اسکو اپنے مال کی فکر ہوگی اور منافع ہوگا جہاں تک اسکا حق ہے اور مجھکو فرصت ہوگی اور ایک گونہ اطمینان ہوگا کہ اپنا وقت مطالعہ اور کتب بینی میں صرف کروں" ؛

اسمیں کچھ شک نہیں کہ اس قوم میں سب سے بڑھکر وسائل موجود ہیں - ہم میں وہ آدمی موجود ہیں جو کام کرنے پر راضی ہیں اور جو کام کرنے کے قابل ہیں - مگر ہمکو تو ضرورت ہے عُمدہ کام کی - نہ کہ اس کام کی جسکا ستیاناس مارا ہوا ہو - ہمکو ضرورت ہے کہ اچھا کام ہو خواہ مزدوروں کو کتنا ہی وقت اُن کی مرضی سے دیا جائے - یہ بددیانتی اور ریاکاری کی محنت ہے جو انگلستان کو تمام دنیا کے پردے پر بدنام اور بے اعتبار کر رہی ہے - مسٹر ہولی یوک کا بیان ہے کہ: "کام میں خوشی بہت کم ہے کیونکہ اسمیں ناز کو بہت کم بار ہے - ایسی تدبیر ہونا چاہیئے کہ لوگوں کیواسطے یہ ممکن ہوجائے کہ ان کو ایسے آدمی ملیں جو بھدا کام کریں - خراب کام کرنا محنت کی توقیر کے مقابلہ میں جرم ہے - اور چونکہ اسکی نظیریں جعلسازی سکے کی اس سے زیادہ صفائی سے دستکاری میں وقعت کی حالت ظاہر نہیں ہوسکتی جیسے کہ اسمیں کہ ہم تمام کاموں کی تخریب اور بھدے پن کو گوارا کرلیں مزدوروں کے زیادہ اجرت کے مقابلے میں

اور اس شخص کی کچھ پرواہ نہ کریں جو خواہ زیادہ دام لے مگر کام دیانتداری اور جانفشانی سے عمدہ کرے "۔ کاش یہ وبا انگلستان میں پھیلی رہتی تو تمام دنیا میں ایک بچہ بھی ایسا نہ ملیگا جو انگلستان کا تجارتی ملک کے لحاظ سے نام زبان پر لائے۔

یہی صدا امریکہ سے ہمارے کان میں آرہی ہے۔ اس مثل کا مصداق کہ "دریائے شوری کے مغرب میں کوئی خدا نہیں "۔ ہر جگہ بن رہی ہے "زر علیہ السلام ہی خدا ہیں اور انھیں کی پرستش عالمگیر ہے۔ ایک اخبار لکھتا ہے کہ "امریکن روپیہ کے عاشق اور اُسکے کمانیوالے ہیں۔ ان پر نہ تو کوئی ملکہ حاکم ہے نہ کوئی بادشاہ۔ بس یہ زر کے زیر حکم ہیں۔ دولت کی چمک تمام خیالات کی طرف سے ان کو نابینا کر رہی ہے۔ اور تجارت میں دھوکا دہی تو عام قاعدہ ہے۔ اور یہاں تک کہ ہم سستی چیزوں سے اپنی دواؤں کو زہر بنا دیتے ہیں۔ ہم اُن کی بجائے پُرانے اونی کپڑے بیچتے ہیں اور چیزیں ایسی کہ ظاہری نمائش بہت کچھ اور اندر سے کھوکھلی۔ ہم باہم ایکدوسرے کو دھوکا دیتے ہیں اور فریب بازی کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تجارت اور کاروبار میں ہم روپیہ جمع کرنے میں ایسے محو ہیں کہ اگر ہمکو کوئی شخص دھوکا دے تو بجائے اسکو پکڑنے اور اس سے نشاکی ہونیکے ہم کہیں اور جاکر کسی دوسرے بندہ خدا کو اپنے فریب اور دغا کا شکار کرتے ہیں۔ ہم اپنی قومی راستبازی اور شرافت کا مادّہ نہایت سرعت سے برباد اور تباہ کر رہے ہیں۔ ان مُلکوں میں جو ایک طرح کی غلامی اور وحشی پن میں مبتلا ہیں اور خود مختار حاکم ان پر فرمانروا ہیں۔ وہاں کے باشندے نہایت آرام و آسایش اور ہم سے بڑھکر عمدہ حالت میں حیات بسری کر رہے ہیں۔ اُن ممالک میں دھوکا دہی جرم سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر دھوکا باز پکڑا جائے تو اُسے نہایت سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ مگر یہ مُلک پُرانے خرّانٹ کم عقل ہیں اور آزادی کی اُن کو خبر تک نہیں۔ نہ ان میں کوئی نمایشی تموّل ہے۔ نہ زمانہ سازی ہے اور نہ بناوٹی عالی دماغی۔ ان کے دماغ میں یہ خیال کبھی بھی نہیں پیدا ہوتا کہ حیات بسری کا حق۔ آزادی اور خوشی کی پیروی (جس سے مراد ہے زر) انسان کو یہ حق دیتی ہیں کہ یہ اپنے ہمسایہ کو فریب دے۔ اس سے دغابازی کرے اور قانون کو بالائے طاق رکھدے "۔

اور کیفیت تو یہ ہے کہ امریکن کے دماغوں میں یہ سودا سمانے لگا ہے کہ کام میں خرابی۔ اچھا کام کرنے پر طبیعت کا مائل نہ ہونا۔ ایک حد تک عام سکولوں کے طریق سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو اس قدر تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ محنت نہیں کرنا چاہتا۔ اس مُلک میں نہ تو کوئی امریکن

نوکر ہیں نہ مزدور۔ اور ہم یہ حال اپنے دل سے نہیں بیان کرتے۔ ایک مؤرخ ایک اخبار "سکریبنرز منتھلی" میں لکھتا ہے کہ:- اہل امریکہ اپنے عام سکولوں کے طریق کو دیوتا مان رہے ہیں۔ اسکے برخلاف کچھ کہنا بغاوت ہے۔ کوئی شخص ہو اور وہ تعلیم کی بیش قیمتی کے بارے میں کچھ شک ظاہر کرے بس وہ علم کا جانی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ مگر ہمکو تو اتنی توفیق ہے کہ چشم بصیرت کھول کر دیکھیں کہ انسان کو زندگی کے کاروبار کیواسطے تیار کرنے میں خصوصاً اُس کام کیواسطے جس کا دارمدار ہر روز صنعت پر ہے۔ یہ رکاوٹ اور ناکامی ہے۔ اور اگر ہے تو جعل سازی۔ دھوکہ دہی اور فریب ہے" اس آرٹیکل کا لکھنے والا کہتا ہے کہ پرانا طریقہ تعلیم قریباً بالکل مفقود ہو رہا ہے۔ لڑکے سکول میں پڑھتے ہیں اور تجارت کیواسطے تیار نہیں ہوسکتے۔ اسیواسطے بہت کچھ صنعت و حرفت کا کام پردیسی کرتے ہیں۔ جس لڑکے نے ذہن اور دماغ کی عمدہ تربیت پائی ہے اُسکو کبھی یہ گوارا نہیں ہوتا کہ زندگی کے عام کاروبار میں اپنے قوت بازو اور ہاتھ پیر کی محنت سے روزی کمائے۔ اسکو جسمانی محنت کا شوق ہی نہیں۔ یا تو یہ کوئی چھوٹی موٹی نوکری لکھنے پڑھنے کی کر لیتا ہے۔ یا یہ کوشش کرتا ہے کہ چالاکی اور مستعدی سے حیات بسری کرے۔ **لانگ فیلو** (شاعر) نے ایک بار ایک موضع میں لوہار کا حال بیان کرتے وقت لکھا ہے:-

دیکھو لوہار خانے میں وہ گاؤں کے قریب
بیٹھا ہوا لوہار۔ یہ کیسا ہے خوش نصیب
محنت سے اپنی روزی کماتا ہے نیک مرد
محنت سے جو کمائے بس انسان وہ ہے فرد

اب امریکہ میں کہیں لوہار خانے کا پتہ بھی نہیں۔ جب **ہمپٹن** کالج کے جنرل **آرمسٹرانگ** شمال کیطرف لوہار کی تلاش میں گئے تو اُن کو کوئی امریکہ کا باشندہ لوہار نملا۔ تمام لوہار آئرش تھے۔ اور دوسری نسل میں ہر ایک آئرش لڑکا ایسی اچھی تعلیم پائیگا۔ کہ وہ جسمانی محنت کے نام سے کوسوں بھاگیگا ایک نیویارک کے پادری نے جس کا ایک بڑا کنبہ تھا حال میں ممبر پر کھڑے ہو کر یہ بیان کیا کہ "میں چاہتا ہوں کہ میرے خاندان میں ہر ایک لڑکا کچھ محنت کا کام سیکھے تا کہ کسی مصیبت کے وقت وہ اپنا پیٹ پال سکے" امیروں اور غریبوں کو یکساں محنت کرنا سیکھنا چاہیئے۔ اور اگر ممکن ہو تو کوئی دستکاری۔ کیونکہ یہ ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ کوئی امیر کبھی غریب بن جائے اور غریب امیر۔ اور یہ تعلیم کا ہی نقص ہے جو ناکام ہوتا ہے انسان کو اس امر کیواسطے تیار کرنے میں کہ وہ اپنی عمر میں اپنے

اہل وعیال کی اور خود اپنی خبر گیری کر سکے ؛

ہم میں بہت سے تجارت کی خرابی کے شاکی ہیں۔ مگر کیا بہت کچھ خرابی اسمیں ہماری ہی بدولت پیدا نہیں ہوتی ؟ دفتر کے حساب کتاب میں ہمیشہ دو اور دو چار ہی نہیں ہوتے۔ کسقدر جال لکیاں اور عیاریاں کی جاتی ہیں۔ جنمیں دوسروں سے جلدی روپیہ کمانے کی نسبت پر دیانتداری بیچاری کو بار بھی نہیں ملتا۔ بجائے صبر اور تحمل سے کام کرنے کے اور دیانت داری سے روزی کمانے کے بہت سے نفوس قدرسی بیچارگی اور دفعتاً امیر بننا چاہتے ہیں۔ زمانے کا حال تجارت کی طرح نہیں ہے بلکہ قمار بازی کی طرح۔ اسکی رفتار ایسی تیز ہے کہ کسی شخص کو اسقدر ٹھہر کر پوچھنے کی فرصت بھی نہیں ملتی کہ کس قدر راہ سے بہک کر خندق میں جا پڑے ہیں۔ لوگ آگے بڑھے جاتے ہیں اور دولت کی دوڑ حد درجہ تیز ہے۔ لوگوں کا ایمان بس زر میں ہے۔ کسی پیغمبر کی اس میں ضرورت نہیں کہ وہ یہ بتلائے کہ ہماری مصیبتوں اور تجارتی قماربازی اور فریب دہی میں نمائش اور فضول خرچی۔ عالمگیر تباہی اور بدبختی میں کیا تعلق ہے ؛

ایک لڑکے کا والد کہتا ہے : " برخوردار تم اب دنیا میں قدم رکھنے لگے ہو۔ تمکو لوگ دھوکا دینگے لیکن اگر کبھی ایسا موقع آئے تو دھوکا کھانے سے پہلے دوسرے کو دھوکا دیدینا " ایک دوسرا شخص کہتا ہے : " برخوردار روپیہ اگر کما سکتے ہو تو دیانت داری سے کماؤ اور اگر نہیں کما سکتے تو بغیر دیانتداری کے نہسہی " ایک تیسرا کہتا ہے : " دیانت بددیانتی سے اچھی ہے۔ کیونکہ میں نے دونوں کا تجربہ کر لیا ہے " اسمیں شک نہیں کہ ہم نے یہ تینوں اقوال صداقت اور دیانت کے اختلاف الرائے دکھلانے کیواسطے نقل کیئے ہیں۔ مگر ابھی اسمیں شک ہے کہ آیا چال چلن کے اصول انکے تجارتی زندگی میں بھی عمل رکھتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً ایک نوجوان اپنی زندگی شروع کرتا ہے۔ یہ جانتا ہے دنیا میں آہستہ آہستہ مگر سلامتی سے۔ اور گو اسکے منافع تھوڑے ہوں مگر یہ دیانت داری سے حاصل ہوتے ہیں "۔ ایک ایماندار آدمی بابرکت ہوتا ہے۔ مگر وہ شخص جو متموّل پر جلدی سے پہونچنا چاہتا ہے۔ کسی طرح بے گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کی نظر میں بدی نے گھر کیا ہوا ہے اور یہ مطلق نہیں سمجھتا کہ کبھی مفلسی بھی اُسپر قابو پا سکیگی ؛

بڑے بڑے تجارتی شہروں میں نوجوان آدمی تجاروں کی با اقبال حیات بسری کو دیکھکر دنگ رہجاتے ہیں۔ یہ لوگ بکثرت امیر سمجھے جاتے ہیں۔ ہر ایک دروازہ اُن کیواسطے کھلا ہوا ہے۔ اور سوسائٹی میں اُن کی بڑی توقیر ہوتی ہے۔ یہ اُمرا کی ضیافت کرتے ہیں عیش و عشرت کی مجلس مہیّا

کرتے ہیں۔ اور رقص و سرود کا لطف اُٹھاتے ہیں۔ ان کے مکان بڑے بڑے ثانی بہزاد اور ہمسر مانی مصوروں کی دستکاریوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ان کے کوٹھے تجارتی اشیاء اور شراب اور تمام زمانے کی اس قسم کی اشیاء سے بھرے ہوئے ہیں۔ غرض ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایک لا انتہا خوشحالی کی ناپیدا کنار بحر زر پر ایک جہاز میں بیٹھے ہوئے سفر کر رہے ہیں ؛

نوجوان آدمی اکثر ایسی مثالوں سے مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ اگر ان میں ہمت اور ثابت قدمی نہیں ہے تو بھی ان کے قدم بقدم ہو جاتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اوّل اوّل یہ اگر کسی کاروبار میں روپیہ لگائیں تو ممکن ہے کہ اس میں منافع بہت کچھ ہو۔ اور مکرر ہو۔ اور پھر یہ دولت کی روشنی میں محو ہو کر تموّل کی حرص کا شکار بن جائیں۔ اب نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بددیانت اور بے وسواس ہو جاتے ہیں۔ تمام زمانے سے یہ قرض لیکر روپیہ لگاتے ہیں۔ اور اپنا اعتبار جمانے کیواسطے یہ دل کھول کر اپنے مکان وغیرہ کی ظاہری نمائش کرتے ہیں۔ اور خیرات میں بھی کسی طرح دست کشی نہیں کرتے۔ اگلے زمانے میں حریص اور نا انصاف لوگ دوسروں کا مال و متاع زبردستی غصب کر لیا کرتے تھے۔ اور آجکل یہ لوگ جعلسازی اور دھوکے بازی سے دیوالے نکالکر اس قاعدے پر عمل کرتے ہیں۔ زمانہ سابق میں یہ کام علانیہ کیئے جاتے تھے۔ فی زمانا خفیہ طور پر ایک کام اس قسم کا کیا جاتا ہے۔ اور یہانتک کہ انجام کار ایسا حادثہ درپیش آتا ہے کہ سب قلعی کھل جاتی ہے۔ انسان نا کام ہوتا ہے۔ تمسک اور دستاویزیں بیکار پڑی رہتی ہیں۔ تصویریں اور تمام سامان زیبائیش نیلام ہوتا ہے۔ اور بالآخر "یکے نقصانِ مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ" کا مصداق بننا پڑتا ہے ؛

ایک بار ایک دیوالیہ نے ... ۳۲۹ پونڈ کا دیوالہ نکالا اور پھر مدیتاں اور خیراتوں کے اخراجات کا بہانہ کرکے قرضخواہوں کی ایک مجلس میں ایک مقرر نے بیان کیا کہ "میں اس کارخانہ کی قیمت کی تصدیق پر کہتا ہوں کہ چار پانچ سال سے یہ سوداگر بکثرت مال و اسباب خریدتا رہا ہے۔ اور اسقدر لاپرواہی سے اندھا دھند روپیہ لگایا کہ پناہ بخدا۔ مشرقی ممالک میں صرف اپنے منافع کے لحاظ سے یہ کوشش کی کہ چیزوں کا بھاؤ بڑھ جائے اور ان امور کو دیکھکر مجھکو ایک بشپ کا قول یاد آتا ہے کہ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو معبد صرف بہشت میں محل پانے کا بہانہ کرکے تعمیر کراتے ہیں مگر دراصل اس ٹٹی کی آڑ میں وہ بندگان خدا کا شکار کرنا چاہتے ہیں" ؛

شلر کا قول ہے کہ "یہ بہت قابل تعریف ہے کہ کروڑوں شخصوں کو ہکا بکا کر دیا جائے۔ مگر یہ صدمہ ہر ہے کہ ایک کوڑی بھی چرالی جائے۔ اور اس طور پر جس قدر جرم زیادہ ہوتا ہے گناہ کم ہوتا جاتا ہے" مگر باہم کروڑوں شخصوں کو ہکا بکا کر دینا زمانہ حال کے لحاظ سے کچھ عیب نہیں سمجھا گیا ہے۔ جو روپیہ بنک میں

جمع ہے اسمیں سے ایک رقم ریل کے حصے خریدنے کیواسطے لگی یا کسی دُور دراز نوآبادی میں زمین خریدنے کیواسطے اور بجائے منافع کے ناکامی نصیب ہوئی۔ اب بنک ٹوٹ گیا۔ تنزل نے اپنا عمل کیا اور ہزاروں خاندانوں اور لاکھوں اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور تباہی اور بربادی کا سکہ بیٹھ گیا۔ انسان دیوانے ہوگئے۔ ان کے حواس جاتے رہے اور اب عورتیں بیچاری ان کی صحت اور تندرستی اور زندگی کیواسطے جناب باری میں دُعا مانگنے کو رہ گئیں:۔

تو بیکسوں پہ کر اب اپنا رحم یا رحمان — کہ ہم غریب ہیں بس کوئی دم کے اب مہمان
جو پاس اپنے تھا مال و متاع کھو بیٹھے — اور اب تو جان سے بھی اپنی ہاتھ دھو بیٹھے
یہ ننھے ننھے سے معصوم اور یہ بیوہ غریب — کہ جس کا سن کوئی نوّے اکانوے کے قریب
اُٹھے گا کس طرح ان سے یہ مفلسی کا بار — الٰہی کیسے ہوئے آکے سخت ہم لاچار
رہا تو کچھ بھی نہیں پاس اپنے اب باقی — اگر رہا ہے تو بس تیرا نام اے باقی
پُرانا گھر تو بزرگوں کی وہ امانت ہے — اسے جو بیچیں امانت میں پھر خیانت ہے
جواب صاف ہے اب ہمکو آب و دانے سے — الٰہی ہمکو بچا نا غریب خانے سے
کہ اس سے چین بدل گور کا ہے ہمکو پسند — قبول ہمکو ہے وہ خواہ کیسا پہنچے گزند

جو شخص کہ متوسط درجہ کے امیر ہیں مگر اور بھی امیر ہونا چاہتے ہیں وہ اس نیت پر یہ آرزو رکھکر بہ نسبت پیشتر کے زیادہ جلد روپیہ کما لیں خوب دل کھول کر بڑی بڑی رقمیں کاروبار میں لگاتے ہیں مگر نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ صرف ان لوگوں کا یاس اور نا اُمیدی کی حالت میں دیوالیہ بن جانا۔ بہت سی ایسی اسوقت اسکے ثبوت کیواسطے موجود ہیں۔ ٹپراری کا ایک متمول چالاک اور عیار صراف دوبارہ پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ اور کچھ عرصے میں اپنی حرص کی شکم سیری کیواسطے یہ **لارڈ آف ٹرژری** (وزیر صیغہ مال) بنا دیا گیا۔ اب اسکی آنکھوں کے سامنے ایک زر کا تاج چمک رہا تھا۔ مگر اسمیں اسکو مایوسی نصیب ہوئی۔ اس نے اٹلی۔ امریکہ اور اسپین کی ریلوں میں روپیہ لگایا اور بکثرت اور بیحد نقصان اُٹھایا۔ اب اس نے جعلی دستاویزیں اور تمسک بنانے شروع کیے اور کروڑوں پونڈوں کے اسٹام جعلی بنا ڈالے۔ مگر افسوس کہ اسکی بے اصول مگر عیارانہ تدابیر ناکام رہیں۔ اس کے تمسک بیکار گئے۔ اور اب یہ تباہی میں چاروں طرف سے جکڑ گیا۔ آخرکار بہت رات گئے یہ اپنے مطالعہ کے کمرے میں آیا۔ زہر کی ایک شیشی نکالی اور ایک مقام پر جا کر اُسے پیا اور اپنا کام اپنے ہاتھوں تمام کر لیا۔

ہائے جو نظارہ اسکی موت پر تھا رکر اور ٹپراری میں تھا اُسے یاد کرکے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں! ضعیف آدمی زرد رہے تھے اور اپنے نقصانوں پر پیٹ رہے تھے۔ بیوہ عورتیں خدا کی درگاہ میں سر بسجود تھیں کہ "یارب العالمین یہ جھوٹ ہو کہ ہم ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہو گئے" مگر یہ سچ تھا۔ صرف اور لارڈ آف ٹریژری کے جیب میں ایک کوڑی بھی باقی نہ بچی تھی۔ اس نے اپنی جعل سازی اور دھوکا دہی سے بڑھکر ایک آخری پیچ ایسا کھیلا کہ بجائے اس کے نقصان اور بدحالی کے دور ہونیکے ہزاروں بندگان خدا تباہی اور بربادی مفلسی اور گداگری کے ورطہ میں پھنس گئے! ایک آخری خط جو اس نے لکھا وہ اسکے عمزاد بھائی کے نام تھا۔ اس نے لکھا کہ: "میں کیسی بدنامی اور انگشت نمائی پر درجہ بدرجہ پہونچا ہوں ۔ اور جرم پر جرم کے انبار لگا دیئے ہیں۔ ہزاروں کی بربادی اور تباہی اور مصیبت کا میں بانی مبانی بنا ہوا ہوں۔ مجھکو اُن مصیبت زدوں کا کیسا خیال آتا ہے جن پر اس تباہی کا بار پڑ جائیگا! میں تمام زمانے کی سخت سے سخت سزا بھگت سکتا ہوں مگر اتنا دل کہاں سے لاؤں کہ انکی مصیبت اور تکلیف دیکھنا گوارا کروں؟ یہ اچھا ہے کہ میں دنیا ہی میں نہ رہوں۔ ہائے کیسا اچھا ہوتا کہ میں آئرلینڈ سے نہ چلتا! افسوس کیا اچھا ہوتا کہ میں روپیہ لگانے کی اپنی پہلی خواہش کی تردید کرتا! اُس حالت میں جسمیں تھا اُسی میں رہتا یعنی متدین اور راستباز اور صادق الاقرار۔ میں روتا ہوں اور زار زار روتا ہوں مگر اب گریہ وزاری سے کیا حاصل؟" قومیں اور سلطنتیں بھی ایسی ہی بددیانت ہیں جیسے افرادی انسان۔ ان کی حالت کا اندازہ انکے ۳ فی صدی قرض کے سود سے ہو سکتا ہے۔ اسپین۔ یونان اور روم تجارتی دنیا میں بے توقیر ہیں۔ اور اسپین کا ستیاناس اسکی دولت نے کیا۔ جنوبی امریکہ میں اسپین کی بستیاں تھیں۔ وہاں سے جو لا انتہا سونا آیا اُس نے یہاں کے باشندوں کو نکما کر دیا۔ یہ کاہل اور سُست ہو گئے۔ اب آجکل یہ حال ہے ایک اسپین کا باشندہ کام کرنے سے شرماتا ہے مگر ٹکڑے مانگنے سے نہیں شرماتا۔ یونان نے بہت سال گذرے کہ اپنے قرض کے ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ روم کیطرح اب کسی کی ایک کوڑی بھی اسکے ذمے نہیں۔ مگر ان ممالک میں جسقدر محنت اور مشقت کے کام ہیں سب غیر ممالک کے باشندے پردیسی کرتے ہیں۔

ہمکو فلیڈیلفیا اور امریکہ کی جنوبی ریاستوں سے بہت کچھ توقع تھی جنہوں نے بہت عرصہ گذرا کہ اپنا قرض ایک ایک کوڑی ادا کرنے سے انحراف کر لیا۔ یہ بڑی زرخیز ریاستیں ہیں۔ اور جو روپیہ انہوں نے باہر سے عوام الناس کے فائدے کیواسطے سڑکیں کھولنے اور نہریں کھودنے کیواسطے قرض لیا ہے یہ اور بھی متمول ہو گئیں۔ پادری سڈنی سمتھ نے اپنا روپیہ قرض دیا اور وہ روپیہ جو بیچارے نے

"تمام عمر کی کفایت شعاری سے مصیبت اور مشکل میں پھنسکر اور گوشہ نشینی اختیار کر کے کمایا تھا"۔ اب اس کے نقصان کا حال سنیئے۔ اُس نے ہاؤس آف کانگرس (مجلس شوری امریکا) کو ایک شکایت لکھکر بھیجی جسکو بعد میں اس نے شائع کردیا۔ اس نے لکھا کہ:۔" اہل امریکہ نے جو یہ فخر کرتے ہیں کہ ہمنے پرانی دنیا کی علمی عمارتوں میں ترقی کی ہے کم از کم اسکے جرائم میں درجہ موازنت حاصل کرلیا ہے۔ ایک عظیم الشان قوم جب تمام دنیاوی ظلم کے پیروں کے نیچے کچل چکی۔ تو ایک ایسی جعل سازی کے جرم کی مرتکب ہوئی جس نے شاید ہی کبھی یوروپ کی بدترین قوم کے کسی بدترین بادشاہ کو بدنام اور بے عزت کیا ہو"۔

مگر ریاست انیوئس نے گو یہ غریب تھی مگر شریفانہ کام کیا۔ اس نے مفید خلائق کاروبار کی ترقی کیواسطے فلیڈلفیا کی طرح روپیہ قرض لیا تھا۔ جسوقت امیر ریاست فلیڈلفیا نے اپنے قرض سے انکار کرنے کی اسطور کی مثال پیش کی تو بہت سی غریب ریاستوں نے اسکی تقلید کرنے کی خواہش کی۔ چونکہ ہر ایک شخص کو ووٹ (پرچہ رائے) کے دینے کا حق حاصل تھا۔ لہذا اگر یہ بددیانت ہوتے تو اسطرح اپنے قرض سے منکر ہوجاتے سپرنگفیلڈ دار الریاست میں ایک مجلس جمع ہوئی اور انکار قرض کا مسئلہ پیش ہوا۔ یہ منظور ہونے ہی لگا تھا کہ ایک متدین شخص نے کھڑے ہوکر اسکی تردید کی سٹیفن اے ڈوگلس (خدا کرے اس کا نام صفحہ ہستی پر چمکتا رہے!) ایک ہوٹل میں بستر مرض پر پڑا تھا کہ اس نے مجلس میں پہونچنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ سواری ہی میں مجلس میں پہونچایا گیا۔ کیونکہ یہ اسقدر نحیف ہورہا تھا اور بیمار تھا کہ اپنے پیروں چل بھی نہ سکتا تھا۔ اپنی سواری پر لیٹے لیٹے اُس نے ذیل کی تجویز لکھکر پیش کی جو قرض سے منکر ہونیکا نعم البدل تھی:۔

"یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ الینائوس متدین رہیگی خواہ ایک کوڑی بھی ادا نکرے"۔

اس دیانت بھری تجویز نے حاضرین میں سے ہر ایک کے خیال دیانت داری کو جنبش دی۔ اور نہایت سرگرمی اور جوش دل سے یہ منظور ہوگئی۔ نہر کا محصول فی الفور بڑھا دیا گیا۔ لوگ چاروں طرف سے آکر آباد ہوئے اور روپیہ برسنے لگا۔ اور انجام یہ ہوا کہ الینائوس فی زماننا امریکہ کی نہایت باقبال اور خوشحال ریاست ہے۔ اسمیں ریل کی سڑک تمام ریاستوں سے بڑھکر ہے۔ اسکے بڑے بڑے وسیع جنگل سبز لہرتے ہوئے غلّہ کے کھیت ہیں۔ اور اردگرد ان کے ہزاروں اور لاکھوں لوگ آرام سے خوشی اور مسرت میں زندگی بسر کررہے ہیں۔ اور یہ کام ہے جو دیانت داری سے سرانجام ہوتا ہے۔

اصل اور سچ یہ ہے کہ ہم خودغرض پرلے درجہ کے ہوگئے ہیں۔ ہم دوسروں سے بڑھکر بہت کچھ اپنا خیال کرتے ہیں۔ جسقدر زیادہ ہم عیش و عشرت کے بندے بنتے ہیں اُسیقدر ہم اپنے ہمجنس بنی آدم بھائیوں سے غافل ہوجاتے ہیں۔ خودغرض اشخاص دوسروں کی ضروریات کی طرف سے بالکل بیخبر اور لاپرواہ ہیں۔

یہ ایک طور کی فولادی زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ اور کوئی ہتھیار خواہ مصیبت کا ہو یا احتیاج کا ہو انپر حملہ نہیں کر سکتا۔ ان کے حواس انھیں کیواسطے درست ہیں جو انکی حرص کی شکم سیری کر سکتے ہیں سینٹ کریسیاسٹم کا قول ہے کہ "دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو بظاہر معلوم ہوتے ہیں کہ یہاں صرف عیش و عشرت کی خاطر آئے ہیں۔ اور اسواسطے کہ اس بدن کو موٹا تازہ بنا سکیں۔ ان کے پُر تکلف اور پُر عیش دسترخوان سے فرشتے کنارہ کرتے ہیں۔ خدا ناراض ہوتا ہے شیطان خوش ہوتا ہے۔ نیک بخت دھل جاتے ہیں۔ اور یہانتک کہ بعض عوام الناس بھی ہنسی اُڑاتے ہیں اور نگاہ تمسخر اور حقارت سے اُسے دیکھتے ہیں۔ وہ منصف مزاج شخص جو اگلے زمانے میں گذر گئے۔ ظالموں کیواسطے بڑی بڑی لطیف اور پُر تکلف غذائیں چھوڑ گئے۔ اور ظالموں کے ہی واسطے نہیں بلکہ اُن لوگوں کیواسطے بھی جو دولت جرم سے مالا مال ہیں اور تمام دنیاوی بدیوں اور عیبوں کا خزانہ ہیں"۔

اب ہمکو بالکل نہیں معلوم کہ تھوڑے پر کس طرح گذارہ کرتے ہیں۔ بس انسان کو عیش و عشرت ضرور چاہیئے اور پھر بھی کسی انسان کی زندگی میں جو چیزیں اسکے تصرف میں ہوں اُن کی کثرت کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے خواہ مفلس اور غریب ہی کیوں نہ ہو دیانت سے رہنا چاہیئے۔ ناکاری کی تخفیف۔ اور نیز نسبتاً ضرورت کی احتیاج۔ ایثار کیواسطے شارع عام ہے۔ اور چال چلن کو ابدی طاقت بخشتی ہے۔ اب ہمارے زمانے میں جس چیز کی بہت کچھ ضرورت ہے۔ اس سے ایک شخص اس قابل ہے کہ وہ اپنی تمام منصفانہ خواہش کی شکم سیری کر لے۔ اور پھر بھی قلت پر قانع رہے۔ لکورڈائر کہتے ہیں کہ "ایک چھوٹے سے تنگ مکان میں بڑے وسیع دل کا ہونا جسقدر چیزیں یہاں ہیں اور جن سے مجھکو کبھی مس ہوئی ہے۔ ان سب سے بیچا ہے۔ خوش تو وہ شخص ہے جو نیکی اور صداقت کی تخم ریزی کرتا ہے۔ اور فصل کاٹنے سے کبھی اسکو ناکامی کا سامنا نہیں ہو سکتا!"

ذیل میں ایک غریب جرمن دہقان کی دیانت داری اور صداقت کی ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

برنرڈون ڈی سنٹ پیری ایک حال بیان کرتا ہے۔ یہ سنہ ۱۸۰۶ء کے معرکہ جینیس میں **کاونٹ ڈی سنٹ جرمن** کے ماتحت انجنیئر تھا۔ اور یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ اسکو جنگ کی دہشت اور خوف کی خبر ہوئی۔ یہ اپنی زندگی کے دن مجبوراً محصور موضعوں اور تباہ اور برباد کھیتوں اور زمینوں پر بسر کرتا۔ مرد، عورتیں اور بچے گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنی جھونپڑیوں سے بھاگتے تھے۔ اور مسلح سپاہی ان بیچارے غریبوں کی محنت کے ثمر برباد کرتے تھے اور اسے اپنی خوشی کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔ مگر ان بیحد ظالمانہ اور بیرحم کاموں میں سنٹ پیری کے دل کو ایک گونہ آرام حاصل ہوا۔ ایک غریب اور مفلس شخص کے

چال چلن کے ایک اعلےٰ درجہ کی خوبی سے جسکی جھونپڑی اور کھیت اُس راستہ میں آنے کو تھے جسپر فوج دھاوا کیئے جا رہی تھی ؛

فوج کے ایک دستے کے کپتان کو حکم ملا کہ گھوڑوں کیواسطے جاکر چارے کا بندوبست کرے۔ یہ اپنا دستہ لیکر ایک بیچارے غریب کی جھونپڑی پر پہونچا اور دروازے پر دستک دی - ایک ضعیف شخص سفید ریش باہر نکلکر آیا - کپتان نے اس سے کہا: " مجھکو کسی کھیت پر لیچلو جہاں فوج کے گھوڑوں کیواسطے چارہ مل سکے " ضعیف شخص نے جواب دیا: " ابھی لیجیئے جناب من " یہ اُن کے آگے ہولیا اور گھاٹی کے نیچے اُترا - کوئی آدھ گھنٹہ چلکر یہ ایک نہایت سرسبز اور شاداب کھیت پر پہنچے - اسکو دیکھکر کپتان نے کہا: " یہ خوب کام دیگا " اسپر اس ضعیف سفید ریش نے کہا: " نہیں جناب - آپ ایک لحظہ تامل کیجئے اور آپکے حکم کی تعمیل ہوجائیگی " اسپر یہ آگے بڑھے اور ایک اور کھیت پر پہونچے - یہاں اس ضعیف کے کہنے پر تمام سپاہی اپنے اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے اور گھوڑوں کے چارے کیواسطے کھیت کاٹ کر گٹھے باندھ لیئے اور گھوڑوں پر رکھ لیئے - جب یہ چلنے لگے تو اس کپتان نے پوچھا " مشفق من - آپ ہمکو اسقدر دور کیوں لائے ؟ پہلا کھیت جو ہم نے دیکھا وہ بھی ایسا ہی عُمدہ تھا " اسپر دہقان نے کہا: " مہربان من - آپ سچ فرماتے ہیں - مگر وہ کھیت میرا نہ تھا ! " ؛

باب چہارم

راشی

اوّل تو دنیا میں راشی ہیں - یہاں بکثرت بدمعاش ہیں جو اپنے بدن اور روح کو زر یا جے کے واسطے بیچنے کو تیار ہیں - پارلیمنٹ کے ممبروں کا انتخاب رشوت ستانی اور نذروں کے ذریعہ سے ہونا تو اظہر من الشمس ہے - مگر یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم اس سے آزادی حاصل کریں یا اسے برقرار رکھیں - جو شخص رشوت لیتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں خود کو فروخت کر دیتے ہیں غلام ہیں - اور جو ان کے خریدار ہیں وہ بددیانت اور بے اصول ہیں - آزادی کبھی مکر اور دھوکے ہیں - ایک مقرر نے ایک مجلس میں کہا: " میں آزادی کی سرزمین پر کھڑا ہوں " اسپر سامعین میں سے ایک حضرت بُوٹ ساز نے فرماتے ہیں: " نہیں حضرت - آپ ایک جوتہ بوٹ میں کھڑے ہیں جسکی قیمت ابتک آپ نے مجھ کو

نہیں ہی"

عام میلان طبائع کثرت رائے اور زبانِ خلق پر ہے کہ ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو! مگر شلّر کا مقولہ ہے "کثرت - اسکے کیا معنی؟ فہم بہت تھوڑے ہی اشخاص میں اکثر جمع ہوسکتا ہے - رائے کی قدر کرنی چاہیئے نہ کہ اُسے شمار کرنا چاہیئے - اسطور کی حالت وہاں کبھی نہ کبھی تباہی پھیلا دیگی جہاں کثرت تعداد کی حکومت ہے اور نادانی کا فیصلہ ہے"۔

جب چرچ آف سکاٹ لنڈ میں نااتفاقی اور انحراف کا مرض پھیلا تو بقول نارمن مکلیوڈ کے یہ انسان کے بدن کیواسطے ایک عظیم آزمائش تھی کہ اسے ناراض پہلو سے بچایا جائے - اور جو فرض کے راہ پر ضمیر ممیزہ حکم دے اسکی تعمیل کیجائے - مکلیوڈ کا یہ حال تھا کہ قدم بقدم اسپر طعنہ تشنیع اور تمسخر اور حقارت کی بوچھار تھی - یہ اپنے ایک خط میں لکھتا ہے: "میں نے آج ایک قبر دیکھی جسپر ذیل کی عبارت کندہ تھی: "یہاں ایک متدین شخص مدفون ہے! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اسطور پر زندگی بسر کروں کہ یہی کتبہ میری قبر کی ملکیت ٹھہرے"۔

نادان اور لاپرواہ بیچارے بے اصول شخصوں کے رحم پر منحصر ہیں - اور نادانوں ہی کی کثرت ہے - جس وقت ایک فرانسیسی نیم حکیم پیرس کی عدالت میں ایک جج کے سامنے پونٹ نیوف کے مسدود کرنے لایا گیا تو جج نے اس سے پوچھا "کیوں صاحب من! کس طرح آپ اسقدر بزدل اور لاچار شخص اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں اور اپنی نکمّی ادویات فروخت کر کے ان کے جیب سے روپیہ جھاڑ لیتے ہیں؟"۔ نیم حکیم نے کہا: "مائی لارڈ - آپکے خیال میں پونٹ نیوف سے کسقدر آدمی ایک گھنٹے میں گذرتے ہیں؟" جج نے کہا "مجھکو نہیں معلوم" "میں آپکو بتلاتا ہوں کہ کوئی دس ہزار - اور ان میں سے کسقدر آپکے خیال میں دانا ہوتے ہیں؟" جج "کوئی ایک سَو" - نیم حکیم "یہ تو تعداد بہت ہے - مگر خیر سَو شخص جو دانا ہیں وہ آپ لیجئے - اور باقی ۹ ہزار ۹ سَو میرے خریدار ہیں!" - لوگوں کو ہر طرف سے رشوت دی جاتی ہے - نہ تو ان میں کچھ خود اعتمادی کا مادہ ہے نہ پاس عزت ہے - اور نہ جوانمردی ہے - کاش اگر ان میں یہ چیزیں ہوں تو یہ رشوت کو خواہ کیسی صورت میں ہو لات مار دیں - سرکاری ملازموں کو رشوت دیجاتی ہے کہ یہ اس اسباب کو پروانہ راہداری دیدیں جو خواہ قابل استعمال ہو یا نہو - اور اسیوجہ سے فوج کے سپاہیوں کے بوٹ کوچ کے وقت پھٹ جاتے ہیں - ان کے نکمّے کوٹ ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں - اور ان کی خوراک برتنوں میں سڑ گل جاتی ہے - کپتان نارسی ایک نہایت غمناک ماجرا اپنے جہازرانوں کی خوراک کا بیان کیا تھا جب یہ بحر منجمد کے پار سفر پر گئے تھے - مگر یہ سب اسی رشوت ستانی کا نتیجہ ہے جو کسی ملازم نہیں

ویائے عالمگیر کی طرح پھیلی ہوئی ہے ؂

بہت کچھ رشوت دستوری کے بہانہ سے لی جاتی ہے۔ کسی دفتر میں ایک چاک جاتا ہے اور پھر وہ مجسٹریٹ تک پہنچتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشخاص قلیل تنخواہ سے بھی امیر بن جاتے ہیں۔ ایک کمپنی کے ملازموں نے جب بہت رشوتیں لیں تو لاچار دفتر کے دروازے پر ایک نوٹس اس مضمون کا لکھکر لگا دیا: "کمپنی کے ملازموں کو رشوت لینے کی ممانعت ہے" نوکر تاجر سے دستوری لیتا ہے۔ اور خانساماں کا دوکاندار سے الگ حق سمجھا جاتا ہے ؂

اخبار ٹائمس لکھتا ہے: "اس دستوری سے تعلقات کاروبار میں بہت کچھ زہریلا اثر پیدا ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ برائی نوکروں کے طبقے یا بازار سے اٹھے اور کسی عام دفتر پر حملہ آور ہو تو پھر اسکو عوام الناس کے اعتماد کو اختتام کا درجہ ملجائیگا۔ یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ سرکاری خدمت عامہ میں صفائی اور نیک نیتی کا خیال رکھا جائے۔ اور کسی شخص پر بھی جو کسی معتمد عہدے پر ممتاز ہو کسی قسم کا شک عاید ہو سکے وہ دن نہایت ہی بدنصیب ہوگا جس روز عام لوگوں پر جو سرکاری ملازم ہوں بخشیش یا نذر کا شبہ پیدا ہوگا" ؂

ایک جج نے ایک بار یہ رائے پیش کی کہ جس قدر لوگ ایک گاڑی یا کسی کام پر معین ہوں ان کی تعداد درج رجسٹر کیجائے اور پھر اس طرح کسی تدبیر سے رشوت ستانی کا انسداد ہو سکتا ہے۔ مگر سکرٹری اس کام کے ناقابل تھا۔ اس نے کہا: "ہمارے واسطے یہ حال ہے۔ جس کل کی ہمکو ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے آدمی اس سے متدین نہیں۔ اور مجھکو خوف ہے کہ یہ تمنا نہ پوری ہوگی" "ہمکو متدین آدمی چاہیئے!" بس یہی صدا ہر طرف سے آرہی ہے۔ پولس کی عدالتیں بارہا ان لوگوں کی دغابازی اور رذالت کی قلعی کھولتی ہیں جن پر لا انتہا درجہ کا اعتماد تھا۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اعتبار اور اعتماد سے کھینچکر تباہی کے غار میں سرنگوں پھینک دیئے جاتے ہیں۔ یہ معتمد چلن آدمی ہیں جن کی از حد ضرورت ہے۔ چال چلن ہی ایک ایسی چیز ہے جو اعتماد کے قابل ہے۔ اور اسی سے ہم دوسروں کو متیقن کر سکتے ہیں کہ انپر اعتبار ہو سکتا ہے ؂

اور انگلستان کے علاوہ دوسرے ممالک کا بھی یہی حال ہے۔ اور روس مصر اور اسپین میں تو یہ حال ہے کہ خدا کی پناہ۔ روس میں عام ملازموں اور نیز بڑے بڑے معزز عہدے داروں کی رشوت ستانی علانیہ طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس ملک میں تم جو چیز چاہو زر سے خرید سکتے ہو۔ بس ع

زر بر سر فولاد نہی نرم شود!

اور اسکا عذر یہ ہے کہ عام سرکاری ملازموں کو تنخواہ بڑی خرابی سے

دیجاتی ہے۔ ماسکو اور پٹیرسبرگ کی ریل پر بہت روپیہ خرچ ہوا۔ بڑی بڑی رقمیں انجنیئروں (میرعمارت) اور کارکنندوں کو دی گئیں۔ اور ڈائرکٹروں اور اوورسیروں (منتظم و مہتمم) نے خوب ان پر ہاتھ صاف کیئے۔ دارالسلطنت میں ایرانی سفیر کو ایک بار سیر کراتے وقت پرنس **منشیکاف** بھی شاہنشاہ روس کے ہمراہ گئے۔ ایرانی نے سنہری گنبد۔ سنگ مرمر کے مینار اور جگمگاتی ہوئی دکانیں اپنی حسب عادت جیسا کہ مشرقی لوگوں کا نہایت عمدہ دستور ہے معمولی نگاہ سے دیکھیں۔ آخرکار شاہنشاہ آگے جھکے اور کسیقدر آزردہ ہوکر اپنے مصاحب کے کان میں چپکے سے کہا۔ "کیا کوئی چیز بھی ہمکو ایسی نہیں مل سکتی جو اس شخص کو حیرت میں ڈالدے؟" پرنس نے جواب دیا۔ "جہاں پناہ کیوں نہیں۔ اسکو ماسکو اور پٹیرسبرگ کی ریل کے اخراجات کا حساب دکھلائیے!" مصر کے شہر سکندریہ میں نقصان ایک عام بات ہے جبتک زر کی بھینٹ چڑھا کر اُس سے نہ بچا جائے۔ اسپین میں چال ہے کہ ہر ایک جہاز محکمہ چونگی کے افسروں کو رشوت دیکر لنگر اٹھانے پاتا ہے۔ اور یہاں بھی وہی عذر ہے جو روس میں یعنی سرکاری ملازم بغیر رشوت ستانی کے گذارہ نہیں کرسکتے۔

اور طرفہ تو یہ ہے کہ جمہوری سلطنتوں میں بھی لوگ رشوت ستانی کیواسطے تیار اور رضامند ہیں۔ زر سے ہزاروں مشکلوں کے مرحلے طے ہوتے ہیں۔ اس سے ہزاروں عقدے حل ہوتے ہیں۔ امریکہ میں جو جمہوری سلطنت کا جوہر ہے۔ رشوت ستانی عام طور پر حکمران ہے۔ کسی افسر کی سکتر کی تنخواہ کافی نہیں۔ بڑے سے بڑے عہدے داروں کو بھی گھوڑے گاڑیاں بطور نذر کے دیجاتی ہیں اور یہاں تک کہ نقدی بھی۔ امریکہ کے نہایت دوراندیش اور متدین مدبران سلطنت اس عیب اور بدی کو دیکھتے ہیں کہ یہ نہایت سرعت سے حکومت کی نیک نیتی کی بیخ کنی کر رہی ہے۔ اور عوام الناس کی نیکی کو متنزل کرتی جاتی ہے۔

اور تمام دنیا میں یہی حال ہے۔ کچھ ضرورت نہیں کہ سلطنت کسی طرح کی ہو۔ خواہ شخصی ہو۔ محدود شخصی ہو یا جمہوری۔ یہ طریق سلطنت نہیں ہے جسکی بدولت یہ مرض پھیلا ہوا ہے بلکہ یہ لوگ ہیں۔ اگر ملکی طاقت کو خودغرضی سے مستعمل کیا جائے تو یہ ایک لعنت ہے۔ اور اگر بے لاگی اور عقلمندی سے یہ کام میں لائی جائے تو یہ لوگوں کیواسطے ایک برکت عظمیٰ ہے۔ اگر حکمران طبقہ میں خودغرضی کا مرض پھیلا ہوا ہے تو وہ ملک جو اسکے زیر حکم ہے نہایت قابل رحم اور تاسف ہے۔ کیونکہ یہ بدی اوپر سے نیچے کو عود کرتی ہے اور یہاں تک کہ غریب طبقہ پر بھی اسکا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور زندگی کا دور بری خودی اور نفسانیت بن جاتا ہے۔ اصول بالائے طاق رکھدیا جاتا ہے۔ دیانتداری فراموش ہوجاتی ہے۔ ایمان مردہ ہوجاتا ہے

اور سوسائٹی بھی مرتبہ اور زر کا اُتار چڑھاؤ بن جاتی ہے ؂

مگر تاہم دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو خواہ کوئی زمانہ اور خواہ کوئی وقت رشوت نہیں لیتے۔ غریب سے غریب لوگوں نے بھی جن کے دل میں فرض شعلہ زن ہے اپنے آپ کو زر کے عوض فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ جزائر غرب الہند کے لوگوں میں بہادر کیواسطے دولت کی خواہش نالائقی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر ایک قوم کا سردار اپنی تمام قوم میں سب سے بڑھکر مفلس اور غریب ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل یونانی اور رومیوں میں محسن قوم جسقدر ہوئے ہیں وہ غریب آدمی تھے۔ سقراط اور اپامینونڈاس یونان کے سب سے بڑھکر غریب آدمی تھے۔ اور اسی طرح وہ جلیل کے مچھوے[1] تھے جو عیسائی مذہب کے بانی مبانی سمجھے جاتے ہیں ؂

ارسطو کو اسکی امٹ دیانت کے باعث "عادل" کہا کرتے تھے۔ اسکا عدل کا مادہ بے داغ تھا اور اسکا ایثار لاکلام۔ اس نے سلامس میں مراتھن کی بنیاد رکھی۔ اور جنگ پلٹیہ میں فوج پر حکمرانی کی۔ گو سلطنت میں اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے ملے مگر یہ ایک غریب شخص کی طرح مرا۔ کوئی چیز اسکو نہ خرید سکی۔ اور نہ کوئی چیز اس قابل ہو سکی جو فرض سے اسکو پھیر سکتی۔ کہتے ہیں کہ باشندگان ایتھنس اسکی درخشاں مثال پر غور و خوض کرنے سے بہت متقی اور نیکبخت بن گئے۔ ایک تماشہ گاہ میں اسچلیس کا تماشہ ہو رہا تھا۔ اور اسمیں اخلاقی نیکی کی تردید پر ایک سزا کا حکم دیا گیا۔ اسپر جسقدر سامعین تھے سب کی نظر بے اختیار بجائے ایکٹر (تماشہ کرنیوالا) کے ارسطو کی طرف پھر گئی ؂

فیثاغورث ساکن ایتھنس جو کہ نہایت دور اندیش اور بہادر اور جوانمرد شخص تھا "نیک" کہلاتا تھا۔ سکندر اعظم نے جب یونان کو تاخت و تاراج کیا تو اسکو اسکی نمک حلالی کے باعث مطیع کرنا چاہا۔ اسنے دولت اسکے سامنے پیش کی اور ایشیا کے شہروں کی عمدہ عمدہ منتخب اشیاء دکھلائیں۔ اب جو جواب فیثاغورث نے اسپر دیا۔ اس سے صاف صاف انسان کا بے داغ چال چلن ظاہر ہو رہا ہے۔ اس نے کہا: "اگر سکندر اعظم درحقیقت میری قدر کرتا ہے تو وہ میری شرافت اور دیانت میرے پاس رہنے دے" ؂

تاہم ڈیماستھنس فصیح خریدا جا سکتا تھا۔ جسوقت ہارپالس سکندر کا ایک سردار ایتھنس میں آیا تمام مقرروں کی نظر اسکی دولت پر لگی ہوئی تھی۔ اور ڈیماستھنس بھی ان میں سے ایک تھا۔ بغیر دیانت کے فصاحت کیا چیز ہے؟ جسوقت ہارپالس سے اسکی ملاقات ہوئی۔ تو اس سردار کو معلوم ہوا کہ فصیح بادشاہ کے ایک نہایت عمدہ جڑاؤ جام کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ سردار نے اس سے کہا: "آپ اسکو ہاتھ میں لیجئے تاکہ اس کا وزن آپکو معلوم ہو۔" اسپر ڈیماستھنس نے پوچھا "اسکی کیا قیمت ہوگی اگر فروخت ہو؟"

[1] حواریان مسیح علیہ السلام [illegible]

ہارپالس نے جواب دیا:" بیس ٹیلنٹس (ایک سکہ)" اسی شب کو یہ جام مع اسکی قیمت کے ڈیماتھنس کے پاس بھیجدیا گیا۔ اور فصیح نے یہ تحفہ بسر وچشم قبول کرلیا۔ اس امر سے مقرر کی بڑی سخت بےعزتی ہوئی۔ اور بہت جلد اس نے زہر کھاکر اپنا کام تمام کرلیا ؃

سائرو نے اسکے برعکس اپنے مُلک کے تمام بہی خواہوں اور نیز دشمنوں کے تحفے تحائف سے انکار کیا۔ اسکے قتل کے کچھ عرصہ بعد **قیصر آگسٹس** نے اسکے نواسہ کو سائرو کے ایک کتاب ہاتھ میں لیئے ہوئے دیکھا۔ اس لڑکے نے اس کتاب کے چھپانے کی کوشش کی مگر قیصر نے اسے لے لیا۔ اور جب یہ اُسے پڑھ چکا اس نے کتاب لڑکے کو دیکر کہا:" برخوردار یہ شخص نہایت فصیح تھا اور اپنے مُلک کا عاشق تھا" ؃

بیالس سے جب پوچھا گیا کہ یہ کیوں نہیں اپنے اور اہل مُلک کی طرح اپنا مال اسباب لیکر بھاگ گیا۔ تو اُس نے جواب دیا:" تمہارا تعجب بیجا ہے۔ میرے تمام خزانے میرے ساتھ ہیں" ؃

جب **ڈائوکلیشن** نے کچھ عرصے کے لیئے شاہی خدمت سے کنارہ کشی اختیار کی تو **مکسملین** نے اُسے دوبارہ اپنے عہدے پر آنے کو کہا۔ اسپر ڈائوکلیشن نے جواب دیا:" اگر میں آپکو وہ پودے دکھلا سکوں جو میں نے اپنے ہاتھوں سے سلونا میں لگائے ہیں۔ وہ عمدہ لیموں جن پر میں نے اپنی محنت صرف کی ہے۔ اور وہ باغیچہ جو میں نے تیار کیا ہے۔ تو پھر مجھکو کبھی نہ تحریک کیجیئے کہ شادمانی کے عوض میں طاقت حکومت حاصل کروں" جو اس نے کام کیا تھا وہ اسکی اپنی سرمغزی اور عرقریزی کا ثمر تھا۔ اس نے اپنے میں محنت کا مادہ جذب کرلیا تھا جو جفاکش کو استقلال جنگجو کو معرکہ آرائی کی ہمت اور مدبر کو ثابت قدمی دیتا ہے۔ محنت بددیانتی کا پہلا دروازہ بند کردیتی ہے۔ اور یہ ہر ایک ہنر کی نمائش اور اظہار کیواسطے ایک وسیع میدان کھول دیتی ہے۔ اور دلوں میں ہر ایک سوشل اور مذہبی فرض کی بجاآوری کی قدرت پھونک دیتی ہے۔ اور اسیوجہ سے اہل روما نے ڈائوکلیشن کو دوبارہ اُسکی مُلکی خدمات پر مقرر کرنا چاہا ؃

قناعت عیش و عشرت یا طاقت سے بھی بڑھکر عمدہ ہے۔ اور فی الحقیقت یہ ایک قدرتی دولت ہے **الزبتھ** کی ہمشیرہ **مریم** کی اکثر یہ خواہش تھی کہ یہ بجائے ملکہ کے ایک دُودھ بیچنے والی پیدا ہوتی۔ اور اسطور پر یہ لاحاصل اُلفت کی تکلیف اور اپنے وزرا کے ہاتھوں طاقت کے تنزل سے بچ جاتی۔ اور ہزاروں شہید آگ کا شکار بننے سے بچ جاتے ؃

بہادر اور متدین شخص زر کی خاطر کام نہیں کرتے۔ یہ کام کرتے ہیں اُلفت کیواسطے۔ عزت کیواسطے۔

چال چلن کیواسطے۔ جب سقراط نے بجائے اپنی نیک اخلاقی کے خیالات سے دست کش ہونیکی موت قبول کی۔ جب لاس کاساس نے بیچارے جزائر غرب الہند کے باشندوں کی تکالیف کے دور کرنے کی کوشش کی تو اُس کو نہ روپیہ کا خیال تھا نہ ملک کا۔ اُنھوں نے بندگانِ خدا کی فضیلت اور ترقی کی خاطر اور مصیبت زدوں کی رہائی کیواسطے کام کیا ٭

جب **میکائیل انجیلو** کو پوپ نے سنٹ پیٹر کی تصانیف کی نگرانی کا حکم دیا تو اُس نے اُسے صرف اس شرط پر قبول کیا کہ اسکو کچھ تنخواہ نہ ملے۔ بلکہ یہ صرف "خدائے ذوالجلال کی محبت کی خاطر کام کرے"

ایک شخص نے جب **واٹرٹفر** ساکن برسل کی ایک تصویر خریدنا چاہی تو اس نے کہا "آپ اپنا روپیہ جیب میں رکھیے۔ صنعت کیواسطے زر ستم قاتل ہے" مگر ساتھ ہی ہمکو یہ بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ واٹرٹفر ایک ظاہری چلن کا آدمی تھا ٭

مُلکی زندگی میں عہدہ اور روپیہ کی بہت کچھ حرص ہوتی ہے۔ اور عہدہ جب خدمت کے نیک صلہ سے نہ حاصل کیا جائے تو اکثر اخلاق کا ستیاناس کرنیوالا ثابت ہوتا ہے۔ یہ دراصل حب الوطنی کے خیال کا ایک کمتر معاوضہ ہے۔ اور جہاں کہیں یہ ذاتی نفع کے لحاظ سے پھیلتا ہے۔ ممبری کو متنزل کر دیتا ہے اور چال چلن کو کمینہ بنا دیتا ہے ٭

اندریو مارول پُرانی سلطنت روما کا ایک محب وطن تھا۔ یہ مقام ہل میں چارلس اوّل کی ابتدائے سلطنت میں پیدا ہوا تھا۔ جب یہ جوان ہوا تو چار برس اس نے کیمبرج کے ٹرنٹی کالج میں صرف کیے بعد ازاں اس نے یورپ میں سیاحت کی۔ اٹلی میں اسکی **ملٹن** سے ملاقات ہوئی اور تا بزندگی یہ اسکا دوست رہا۔ جب یہ انگلستان میں واپس آیا تو خانہ جنگی پھیلی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی میں مطلق نہ شریک ہوا۔ گو اس نے ہمیشہ آزادی کی بہت حمایت کی اور اسپر زور لگایا۔ ۱۶۶۰ء میں یہ اپنے شہر کیطرف سے پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔ اور اپنی ممبری کے دوران میں اپنے شہر کے حاکم کو پارلیمنٹ کا تمام حال بلا ناغہ لکھتا رہا ٭

مارول نے ملٹن کی سلطنت شخصی کے مخالفانہ خیال سے کبھی موافقت نہ کی جس شخص نے اس کی سوانح عمری لکھی ہے وہ اسے "انگلستان۔ آزادی اور عہدنامہ مگنا کارٹا کا دوست" کے خطاب سے ممتاز کرتا ہے۔ شاہی سلطنت کے ہونے میں اسکو کچھ عذر نہ تھا۔ اور اسیواسطے یہ دوبارہ بادشاہ کے تخت سلطنت پر بیٹھنے کا خواہاں تھا۔ لوگ اپنے دل میں یہ امیدیں لیے بیٹھے تھے کہ جب چارلس ثانی تخت پر بیٹھے گا تو ساتھ ہی ملک میں امن چین اور خوشحالی کا عمل بھی ہوگا۔ مگر اسمیں اُنھوں نے بہت کچھ دھوکا کھایا۔ مارول

لارڈ کارلائل کے ہمراہ روس میں سفارت پر بھیجا گیا اور اسکی ہمراہی سے یہ منشا تھا کہ یہ دربار کے مخالفوں میں سے نہ تھا۔ اسکی عدم موجودگی سے بہت کچھ ابتری ملک میں پھیل گئی۔ نئے بادشاہ کو دمبدم روپیہ کی ضرورت رہتی تھی۔ اس نے اپنی دائمی ضرورت کی سیری کیواسطے سب طرح سے کوششیں کیں۔ اپنے ایک ہموطن کو ایک خط میں مارول نے لکھا: "بادشاہ حد درجہ کی عیاشی اور اوباشی میں مستغرق ہے۔ اور لوگوں میں بے صبری اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے" ۔

بادشاہ بے وسواس روپیہ وصول کیئے گیا۔ اور اپنے درباریوں اور نالائق بہی خواہان ملک کے وسیلہ سے اس نے خوب ہاتھ صاف کیئے۔ اس نے درباریوں کو ہزاروں پونڈوں کی رشوتیں دیکر اپنے قابو میں کیا۔ مگر مارول پر نہ قابو پا سکا۔ مارول نے جو دربار اور بادشاہ کے خاکے اڑائے وہ شائع ہو گئے اور اُن کو بلا تمیز بادشاہ سے سوداگروں تک نے پڑھا۔ بادشاہ نے اسے قابو میں لانے کا ارادہ کیا۔ اسکو خوف دلایا گیا اسکی خوشامد کی گئی۔ اسکی مزاحمت کی گئی۔ اسکو آزردہ کیا گیا۔ اسکے پیچھے مخبر لگائے گئے۔ اسکی گھات میں بدمعاش اور لٹیرے لگائے گئے۔ اور حسین اور دلفریب عورتیں اُسکے دام میں پھنسانے کو تعینات کی گئیں۔ مگر کوئی متنفس کوئی تدبیر اور کوئی وسیلہ اسکی قوت کا بھید نہ پا سکا۔ اسکی دیانت داری خوف اور خرابی دونوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہی۔ خوف اور رشوت کے مقابلہ میں تکبر اصول کا معاون ہے۔ ایک ایسے دربار میں جس میں کوئی بشر متدین نہ تھا۔ کوئی عورت باعصمت نہ تھی۔ یہ کارگر جادو نکما کیا گیا۔ مگر مارول اپنی نیکبختی اور توقیر کی خاطر ان تمام سحر کے مقابلہ پر اڑا رہا۔

کہتے ہیں کہ لارڈ ٹریژرر ڈینبی اس خیال پر کہ یہ اپنے پرانے ہم جماعت کو قابو میں لے آئے گا مارول کے مکان پر اسکی ملاقات کو گیا۔ ملاقات کر کے رخصت ہوتے وقت لارڈ ٹریژرر نے ۱۰۰۰ پونڈ کا ایک چک چپکے سے اُسکے ہاتھ میں دیدیا اور گاڑی پر سوار ہونے چلا۔ مارول نے چک کو دیکھکر پکارا: "مائی لارڈ۔ براہ نوازش ایک لحظہ اور تامل کیجیئے"۔ لارڈ ٹریژرر اُسکے پاس واپس گیا اور مارول نے ایک لڑکے جیک کو جو اُسکا نوکر تھا بلایا۔ "جیک کل تم نے کیا کھایا تھا؟" "جناب آپ کو یاد نہیں! کل آپنے مجھ کو بکری کی دست بازار سے لانے کو کہا تھا اور وہی میں نے پکائی تھی"۔ "ٹھیک کہتے ہو۔ اور آج میرے کھانے کے لیئے کیا ہے؟" "آپ کو معلوم نہیں کہ آپنے آج بھی گوشت پکوایا ہے؟" "تم سچ کہتے ہو۔ جاؤ"۔ اب مارول نے لارڈ ٹریژرر کی طرف پھر کر کہا: "مائی لارڈ۔ آپ نے سُنا؟ انڈریو مارول کے گھر کھانا موجود ہے۔ اور یہ آپکا چک ہے

مجھکو اسکی ضرورت نہیں - جو آپ مجھپر عنایت مبذول فرمانے لگے تھے مجھکو معلوم ہے میں تو یہاں اپنے اہل مُلک کی خدمت کرنے کو ہوں - دربار اپنے مفید مطلب اور شخص تلاش کر سکتا ہے میں ان میں سے نہیں ہوں" ؛

ماروِل نے انجام تک شرافت کو ہاتھ سے نہ دیا - اسکا چال چلن بے داغ رہا - گو یہ غریب نہ تھا - مگر اسکی طرز زندگی سے سادگی اور کفایت شعاری برستی تھی - جولائی ۱۶۷۸ء میں یہ اپنے شہر کو گیا اور جب لنڈن واپس آیا تو بلا کسی ظاہری مرض یا صدمے کے فوت ہو گیا - بعض کا خیال ہے کہ اُسے زہر دیا گیا - ممکن ہے کہ یہ سچ نہو - مگر اسمیں مطلق شک نہیں کہ یہ مرتے دم تک شریف اور متدین رہا - اور ہمیشہ اُس نے اپنی نیکبختی برقرار رکھی - اور ہمیشہ حق کی حمایت کی " نیکوکار اسکے شیدا تھے - بدکار اس سے ڈرتے تھے - معدودے چند نے شاذ و نادر اسکی تقلید کی - اور شاید ہی کوئی اُس کا ثانی اسکے وقت میں ہو" یہ الفاظ ہیں جو ہل میں اسکی قبر پر کندہ ہیں ؛

بن جانسن بھی ماروِل کی طرح راست باز اور صاف گو آدمی تھا - اسکے مفلسی اور بیماری کے ایام میں جب **چارلس اوّل** نے اس بہادر شاعر کو کچھ روپیہ بھیجا تو بن نے فی الفور اُسے واپس کر دیا - اور کہلا بھیجا : "میرے خیال میں مجھ کو بادشاہ نے اسواسطے روپیہ بھیجا ہے کہ میں تنگ گلی میں رہتا ہوں - تو بادشاہ کو واضح رہے کہ اسکی روح ایک تنگ گلی میں رہتی ہے" ؛

گولڈسمتھ بھی ایسا شخص تھا جسپر قابو پانا محال تھا - اس بیچارے نے اچھی طرح مفلسی کی چاشنی چکھی - اس نے اپنی بانسری بجا کر کرایہ ادا کیا اور تمام یوروپ میں دورہ کیا - اور کھیتوں اور کھلے آسمانوں کے نیچے سونا نصیب ہوا - اس نے تماشہ گاہ میں ملازمت کی - ڈاکٹری کا پیشہ کیا اور عام نوکری بھی کی مگر سب میں فاقہ کشی نے اسکا ساتھ دیا - لاچار اس نے کتابوں کی تصنیف اختیار کی - اور اس سے یہ آپ جنٹلمین بن گیا - مگر مفلسی نے اچھی طرح کبھی اسکا ساتھ نہ چھوڑا - یہ اپنا حال لکھتا ہے کہ "میں روٹی کی خاطر کتاب لکھ رہا ہوں - اور دودھ والے کے تقاضے کا خوف ہے" - ایک روز **جانسن** کو **گولڈسمتھ** کا ایک رقعہ پہونچا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ میں بہت سخت مصیبت میں پھنسا ہوں - جانسن اُسکے پاس پہونچا اور دیکھا کہ مکان کی مالک اُسکو کرایہ کیواسطے پکڑے بیٹھی اور گولڈسمتھ کے پاس جو کچھ مال و متاع قابل فروخت تھا وہ ایک قلمی کتاب اسکی تصنیف تھی جانسن نے اُسے اُٹھا کر دیکھا تو یہ "**وکار آف ویکفیلڈ**" تھی - اسکی خوبی کو جانچکر جانسن اُسے ایک کُتب فروش کے پاس لیگیا اور ساٹھ پونڈ کو فروخت کر دیا ؛

گو یہ مرتے دم تک غریب رہا کیونکہ یہ قرضدار مرا۔ مگر کبھی کسی نے اسپر قابو نہ پایا۔ اس نے غلیظ پولٹیکل کام کرنے سے انکار کیا۔ اسوقت کوئی ۵۰۰۰۰ پونڈ کے قریب خفیہ طور پر **سر رابرٹ والپول** خرچ کیا کرتے تھے۔ روزمرہ لوگ اجرت پر رکھے جاتے تھے کہ اُن کے مخالفوں کو دندان شکن جواب تحریری لکھیں۔ اور انکی حکومت کی کارگزاریوں پر قلعی چڑھا کر اور رنگ آمیزیاں کر کے عوام الناس میں شائع کریں۔ اور ارادہ ہوا کہ گولڈ سمتھ بھی اس نالائق کام میں شریک کیا جائے۔ ڈاکٹر **سکاٹ** لارڈ **سنڈوچ** کا پادری **گولڈ سمتھ** سے اس بارے میں بات چیت کرنیکو بھیجا گیا۔ چنانچہ یہ ڈاکٹر کہتا ہے :۔ "میں نے گولڈ سمتھ کو نہایت ہی شکستہ اور خراب کمرے میں بیٹھا ہوا پایا میں نے پہلے اپنا عہدہ اُسکو بتلایا پھر اس سے حال بیان کیا کس طرح میں اُسے اسکی مصیبت اور مفلسی سے رہائی دینے آیا تھا۔ مگر آپ یقین کرینگے ؟ اس نے ایسی گستاخی کی کر کہا :۔ میں بغیر کسی شخص کی چاپلوسی یا کسی فریق کی طرفداری کے بارے میں کچھ لکھنے کے اسقدر کما سکتا ہوں جس سے بخوبی میر اگذارہ ہو سکے۔ لہذا جو مدد آپ مجھکو دینا چاہتے ہیں اسکی کچھ ضرورت نہیں۔ لہذا میں اُسے اُسکے اُسی خراب اور شکستہ مکان میں چھوڑ کر چلا آیا !" ؎

غرض اس طرح اس مفلس اور شریف گولڈ سمتھ نے بددیانتی اور نالائقی کو لات ماری! اس نے بچوں کے دل بہلانے کی خاطر "**گوڈی ٹو شوز**" کی کہانی لکھنے کو اپنا قلم اُٹھایا مگر کسی پولٹیکل فرقہ کی طرفداری کا ارادہ نہ کیا ؎

پلٹینی نے جو ملکی معاملات میں ہاؤس آف کامنس (مجلس وکلائے رعایا) میں والپول کے فریق کے مخالفوں میں سے تھا۔ ایک بار۔ ایک تقریر کی جس کے دوران میں اُس نے لاطینی کا ایک فقرہ بولا۔ والپول نے اسکی غلطی نکالی اور اسکی صحت پر ایک گنی کی شرط لگائی۔ شرط منظور ہو گئی۔ اور تصدیق پر پلٹینی جیت گیا۔ والپول نے گنی نکال کر میز پر پھینک دی۔ اور پلٹینی نے اُسے اُٹھا کر ہاؤس آف کامنس کو شاہد بنایا کہ یہ پہلا ہی موقع تھا کہ بلا واسطہ کسی شخص کی ایک گنی اسکی جیب میں پڑی تھی! یہی گنی جو ایک نے ہاری اور ایک نے جیتی۔ ابتک برٹش عجائب گاہ میں رکھی ہوئی ہے۔ اور "پلٹینی گنی" کہلاتی ہے ؎

جب **پٹ ارل آف چیتھم** فوج کا پے ماسٹر مقرر ہوا تو اُس نے اپنی تنخواہ کے علاوہ ایک کوڑی تک لینے سے انکار کیا۔ اس کے زمانے میں پے ماسٹر کے پاس ایک رقم کثیر جمع رہتی تھی اور یہ رقم قریباً کروڑ دو کروڑ کے برابر ہوتی تھی۔ اور یہ اسکے سود سے ذاتی طور پر فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ مگر ارل آف چیتھم نے اس سے صاف انکار کیا۔ اور یہی نہیں بلکہ ممالک غیر کے شاہزادوں نے جو اسے

رشوت بطور نذر کے دینا چاہی اسکو بھی اس نے قبول نہ کیا حالانکہ یہ رقم بھی سالانہ ایک معقول آمدنی تھی۔ غرض جس طرح اس کے کاروبار اسیطرح اسکا چال چلن شریفانہ اور بے لاگ تھا ؎

اور یہی حال **ولیم پٹ** کا تھا۔ اس نے روپیہ کو پیر کا میل سمجھا۔ اسکے ہاتھ صاف تھے جس زمانہ میں اسکے اور اسکے مخالفوں میں مباحثہ ہو رہا تھا۔ تو کلارک شپ آف رول کی جگہ خالی تھی لوگونکا خیال تھا کہ ولیم اس آسامی کی درخواست کریگا۔ اور یہ اسپر مقرر بھی ہو جاتا۔ مگر اس نے آپ پر کرنل بار کو ترجیح دی جو اسکا نابینا دوست تھا۔ اور اسطرح اپنے فائدے پر خاک ڈال کر دوسرے کا بھلا کیا ؎

ہر ایک فرد بشر کو پٹ کی بے لاگی معلوم تھی۔ اسکی تضحیک کی گئی۔ اسپر آوازے کسے گئے اور گالیاں دی گئیں گو ہزاروں و لاکھوں کی رقمیں اسکے ہاتھ سے نکلتی تھیں۔ مگر اسکا سخت سے سخت خون کا پیاسا بھی اتنی جرأت نہ کر سکا کہ اسپر ایک کوڑی کے غبن کا بھی الزام لگا سکتا۔ جس وقت بڑے بڑے امیر کبیر اسکو معزز خطابوں کی تحریک کر رہے تھے اس نے مطلق اُن پر خیال نہ کیا۔ اسمیں کچھ عجیب طور کی زر کی طرف سے حقارت بھری ہوئی تھی۔ پٹ ایک نہایت کشادہ دل اور عالی حوصلہ شخص تھا۔ اور کوئی چیز بجز اسکی شریفانہ مفلسی کے اُسکے چال چلن کو اعلیٰ نہ بنا سکی ؎

شمیلرڈ ایک بڑے فرانسیسی وکیل کا ذکر ہے کہ اس نے ایک مقدمہ کی پیروی کی جسمیں وہ ناکام رہا اور ناکامی صرف اسوجہ سے ہوئی کہ یہ اپنے مؤکل کے عذر میں ایک کاغذ جو نہایت ضروری تھا پیش نہ کر سکا۔ جج کا فیصلہ پارلیمنٹ میں بھیجا گیا۔ اور چونکہ منظور ہو گیا لہذا اب اپیل نہ ہو سکتی تھی۔ اسکا مؤکل اسکے پاس آیا اور اس نے شمیلرڈ کو کاغذ نہ پیش کرنے کا خطاوار بتلایا کیونکہ مؤکل نے وہ کاغذ اُسکو اَور کاغذوں میں دیدیا تھا مگر شمیلرڈ نے انکار کیا کہ اُسنے کاغذ آنکھ سے بھی نہ دیکھا تھا۔ لیکن بہت کچھ رد و کد کے بعد جب شمیلرڈ نے تلاش کی تو وہ کاغذ اُسکے اَور کاغذوں میں نکل آیا۔ اور اسکو معلوم ہوا کہ اگر یہ کاغذ پیش کیا جاتا تو مقدمہ اسکا مؤکل جیت جاتا۔ مگر اب اپیل نہ ہو سکتی تھی۔ وکیل نے اپنے مؤکل کو صبح کو مکان پر آنے کو کہا۔ رات کو اُسنے اپنا تمام روپیہ پیسہ حتیٰ کہ ایک ایک کوڑی تک جمع کی اور صبح کو اپنے مؤکل کے حوالے کی۔ اور گو اس سے اسکا نقصان بیحد ہوا۔ مگر اس نے اپنی عزت اور حرمت پر داغ نہ آنے دیا۔ اور اپنا فرض بجا لایا ؎

سر آرتھر ولزلی کو جبکہ **ڈیوک آف ولنگٹن** کے خطاب سے ممتاز ہوا۔ وزیر اعظم حیدر آباد نے ایک رقم کثیر اسواسطے دینا چاہی کہ یہ اسکو بتلا دے کہ معرکہ اسّی کی فتح سے نواب حیدر آباد کو کیا ملیگا۔ سر آرتھر نے اُسکی طرف دیکھا اور پوچھا "تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اگر کچھ بتلایا جائے تو آپ اُسے

کسی سے بیان نہ کرینگے"۔ "بیشک" اسپر انگریزی جنرل نے جواب دیا: "تو بس یہی چال میرا ہے"۔ راجہ چیتور نے اسکے بعد اپنے وزیر کی معرفت اُسے ۱۰۰۰۰ روپیہ کی رشوت کسی وجہ سے دینی چاہی۔ جنرل نے نہایت ناراضگی سے اُسکے لینے سے انکار کیا اور کہا: "راجہ سے کہدو کہ تمام انگریزی افسر اس قسم کی نذروں کو خواہ وہ کوئی دے گستاخی اور بے ادبی سمجھتے ہیں"۔

اسکے ایک عزیز مارکوئس آف ولزلی نے بھی اسی طرح ۱۰۰۰۰ پونڈ کی رقم لینے سے انکار کیا جو ممبران ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُسے دینا چاہی۔ کوئی چیز بھی ایسی ثابت ہوئی جس سے یہ رقم قبول کر لیتا۔ اس نے کہا: "یہ ضروری نہیں کہ مَیں اپنے چال چلن کی آزادی اور اپنے عہدے کے اعتماد کی گردن پر چھُری پھیردوں۔ مجھ کو بجز اپنی فوج کے کسی چیز کا خیال نہیں۔ مجھ کو بہت رنج ہوگا اگر مَیں بیچارے سپاہیوں کی حق تلفی کروں"۔ سر چارلس نپیر نے بھی اسی طرح کی خود انکاری کا اظہار کیا۔ جسوقت یہ ہندوستان میں تھا یہ کہتا ہے: "فی الحقیقت مَیں جب سے سندھ میں آیا ہوں مَیں ۰۰۰۰۳ پونڈ جمع کر لیتا۔ مگر میرے ہاتھ اسکو چھونا نہیں چاہتے۔ ہمارے باپ دادا کی تلوار بے داغ ہے"۔

سر چارلس اوٹرم بھی ایک حد تک فیاض اور بے غرض تھا۔ جسوقت یہ ہندوستان میں اونچے درجہ کا کپتان تھا اسکو ماہی کانٹا کے معرکہ میں فوج کی کمان دی گئی۔ مگر اس نے یہ عہدہ خود نہ قبول کیا بلکہ ایک دوست کو جو اس سے اعلےٰ عہدہ پر تھا دیدیا۔ اسنے کہا: "اُس افسر کی صفات مجھ سے بہت کچھ بڑھکر ہیں۔ مَیں اسکے چال چلن پر اپنی عزت و حرمت نثار کرتا ہوں۔ جسقدر مجھکو اس سے ربط ضبط ہے مَیں اس سے سمجھتا ہوں کہ وہ کامیاب ہوگا حالانکہ اس کام میں مجھ کو ناکامی کا خیال ہے"۔ لیکن کی نڈر ایجنیف نے یہ نہ منظور کیا۔ اور آخرکار اُسکو یہ عہدہ قبول کرنا پڑا۔

جب سندھ کے انعام کا روپیہ سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم ہوا۔ اوٹرم کو بھی چونکہ یہ میجر تھا ۳۰۰۰ پونڈ دیئے گئے۔ مگر اس نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ بقول اسکے اس نے اس پالیسی کے نفع میں سے ایک کوڑی بھی نہ لینی چاہی جس کا یہ مخالف تھا۔ اس نے تمام رقم خیراتی کاموں میں صرف کردی چنانچہ اس نے ڈاکٹر ڈف مشنری کو بھی کچھ دیا اور ۸۰۰ پونڈ ہل سکول اسائلم کسولی کو دیئے۔

یہ ذاتی نفع تھا جس کا سر جیمس اوٹرم نے کبھی خیال نہ کیا۔ اور روپیہ اسکے سامنے کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا اگر یہ دوسروں کی مدد دینے میں صرف نہو۔ کوئی شخص بھی ایسا سادہ اور خودغرضی سے مبرا نہ تھا۔ جسقدر زیادہ تفصیل سے اسکی سوانح عمری پڑھی جائے اُسیقدر زیادہ یہ ذہن نشین ہوتا ہے کہ اسنے دوسروں کی اپنے سے

بڑھکر پرواہ کی۔ اپنی چیز کا کم خیال کیا مگر دوسروں کی چیز کا زیادہ۔ اور درحقیقت اسکے رحم کی بھی کچھ انتہا تھی اسمیں یہ رحم تھا۔ یہ دوسروں کا خیال تھا۔ دوسروں کی خاطر تھی۔ اور یہ ہمدردی تھی جس نے اوٹرم کو ہر قسم کی ناانصافی کا پکا دشمن بنادیا تھا ؂

لارڈ لارنس کا ذکر ہے کہ ایک بار کسی جوان ہندوستانی راجہ نے اپنے مقدمے کے واسطے اسکی میز کے نیچے روپیوں کی ایک تھیلی رکھدی۔ لارنس نے کہا "سنو۔ یہ ایک انگریز کی نظر میں نہایت سخت گستاخی ہے۔ اس مرتبہ میں تمہاری نادانی کے باعث درگذر کرتا ہوں۔ مگر خیال رکھنا کہ آیندہ پھر کبھی کسی انگریز بھلے مانس سے ایسی بے ایمانی نہ کرنا"؂

یہ اس قسم کے آدمیوں کی دیانتداری اور شرافت ہے کہ ہندوستان میں ہماری سلطنت برقرار ہے۔ انہوں نے اپنی جان کا بھی خیال نہ کیا مگر فرض کی بجاآوری میں قاصر نہ رہے۔ غدر میں بہت سے آدمیوں کی شرافت اور دیانت کا اظہار ہوا۔ لارنس دونوں بھائی فرض کے حد درجہ کے پابند تھے۔ پہلا شخص **جان** جسکو فولادی جان کہتے تھے۔ اور دوسرا **ہنری** دونوں میں شرافت کا اسقدر مادہ تھا کہ جو انکے اردگرد تھے وہ بھی ایک حد تک متدین بن گئے۔ اوّل الذکر کے بارے میں کہتے ہیں کہ صرف اسی شخص کا چال چلن ایسا تھا کہ تمام فوج کی اس سے عزت تھی۔

کرنل ایڈورڈز ان دونوں بھائیوں کا اس طرح ذکر کرتا ہے کہ: "انہوں نے ایک مذہب رائج کیا اور ایک مدرسہ قائم کیا۔ جو اس دن تک موجود ہیں" جس زمانے میں ہندوستان میں غدر پھیلا سر جان پنجاب کا چیف کمشنر تھا۔ جس ملک کا یہ حاکم تھا یہ انگریزوں کا تازہ فتح کیا ہوا تھا۔ اس نے اس نئے صوبے پر نہایت عمدگی اور دانائی سے حکومت کی۔ اس نے جو لوگ اسکے اردگرد تھے اُن پر اعتماد کیا اور اُن کو اپنا دوست بنالیا۔ اور پھر اس نے وہ کام کیا جسکی شاید تمام تواریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس نے تمام پنجاب کی فوج دہلی میں کمک پر بھیجدی اور اپنی حفاظت کو ایک سپاہی تک نہ رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسکی دانائی اور دور اندیشی ثابت ہوگئی۔ سکھ اور پنجابی وفادار ثابت ہوئے۔ دہلی فتح ہوگئی اور ہندوستان بچ گیا۔ اس تمام کا جان لارنس کے ذاتی چال چلن پر دار مدار تھا۔ جو الفاظ اسکے بھائی سر ہنری نے اپنی قبر پر کندہ کرانے کیواسطے تجویز کیئے ان سے نہایت سادگی اور صفائی سے اسکی تمام عمر کا چال چلن عیاں ہے اور وہ الفاظ یہ تھے "یہاں ہنری لارنس مدفون ہے جس نے اپنے فرض کی بجاآوری کی کوشش کی!" ؂

عالم آدمیوں نے بھی اسی طرح کا ایثار ظاہر کیا ہے۔ جسوقت **سر ہمفری ڈیوی** نے اُن کانوں کی

جان بچانے کیواسطے جو خوفناک گیس میں کام کرتے تھے نہایت محنت اور مشقت کے بعد لیمپ ایجاد کیا تو اس نے اسکی رجسٹری نہ کرائی - بلکہ عوام الناس کے فائدے کا خیال مدنظر رکھا - ایک دوست نے اس سے کہا "آپ بہتر تھا کہ اسکا حق محفوظ رکھتے اور اس طرح اپنی ایجاد سے چار پانچ ہزار سالانہ منافع آپکو ہوتا" ڈیوی نے جواب دیا "نہیں مہربان - میرا کبھی یہ خیال نہ تھا - جو کچھ میرے دل میں مدعا تھا تو نفع خلائق کا تھا - میرے پاس اپنی ضرورت اور احتیاج کیواسطے کافی ہے - زیادہ دولت ممکن ہے کہ مجھکو میرے دلخواہ شغل سے باز رکھے - دولت کی کثرت نہ تو میری شہرت بڑھا سکتی ہے نہ میری خوشی کو زیادہ کرسکتی ہے اسمیں تو شک نہیں کہ میں دولت سے چار اسپہ بگھی میں سوار ہو سکتا ہوں - مگر یہ میرے کس کام آئیگا کہ لوگ کہیں سر ہمفری اپنی چار اسپہ گاڑی میں سوار ہوتا ہے ؟"

یہی حال اسکے مقلد فاراڈے کا تھا - اس نے صرف سائنس کیواسطے مشقت اٹھائی - یہ شخص نہایت پر خیال اور عالم تھا - یہ ہرگز معتقد مادہ اور منکر روح نہ تھا - اسکے فلسفہ نے علمی خود بینی اور مذہبی تفریق کی نہایت سخت مخالفت کی - اس نے اپنے علم میں انکسار کو ہاتھ سے نہ دیا - جو جو قدرت کے کرشمے اس نے اپنی چشم بصیرت سے دیکھے انپر اسنے بچوں کی طرح حیرانگی ظاہر کی - اسنے کہا "یہ آکسیجن - یہ اوزون جو دنیا کے تمام وزن کے نصف کے برابر ہیں کیسی حیرت خیز ہیں - اور تاہم میرے خیال میں ہم سب قدرت کے طبقہ حیرت کے ابھی پہلے زینہ پر ہیں !"

فاراڈے اپنی معمولی مفلسی پر ہی قانع رہا - اسنے زر کی خاطر مطلق کام نہ کیا - اگر وہ ایسا کرتا تو بہت روپیہ جمع کرلیتا - اس نے اپنی ایجاد یا اختراع کی رجسٹری نہ کرائی نہ اسکا حق محفوظ کیا بلکہ عام طور پر عوام الناس کو اسکے بنانے کی اجازت دیدی - اس نے نہایت شرافت سے زر کی طمع کی سخت مخالفت کی - حالانکہ ایسے شخص کا حال مدنظر رکھکر یہ طمع نہیں کہلا سکتی تھی - اور علم کی پیروی کو ترجیح دی - اسنے بہت کچھ امر دنیا میں معلوم کیئے اور ان کے معلوم ہونے پر یہ بہت متحیر ہوا - اسکا قول تھا "یہ چیزیں اس وقت لا انتہا ہیں - یہ ہمکو دکھلاتی ہیں کہ باوجود اپنے تمام علم کے ہم کسقدر انکی واقفیت میں قاصر ہیں" اور ان الفاظ سے ہمکو سر آئزاک نیوٹن کے آخری الفاظ یاد آتے ہیں ؎

اب ہم ایک اور مضمون کو لیتے ہیں یعنی روپیہ کمانے کو - خاندان روتھشیلڈ کی دولت کی بنیاد اس خاندان کے بانی میئر انسلم کی دیانت پر تھی - اسکے والدین یہودی تھے - انسلم کے والدین جس وقت اسکی عمر گیارہ سال کی تھی فوت ہوگئے - اور یہ دنیا میں اکیلا رہ گیا - کچھ تعلیم پاکر خوش قسمتی سے اسکو ایک صراف خانے میں نوکری مل گئی - یہ فرینکفورٹ کو ۱۷[illegible]ء میں واپس آیا - اور دلالی اور سود پر روپیہ دینے کا بیوپار اسنے

شروع کیا - اس نے پرانے زمانے کے کچھ سکے جمع کیے - اسکی دوکان پر لینڈ گریو ولیم کی بہت آمدورفت تھی اور یہ شخص الکٹر آف ہیس تھا ؞

جب نپولین نے یوروپ پر چڑھائی کی - ولیم آف ہیس کو بھی اپنی حکومت چھوڑ بھاگنا پڑا - اور اس نے اپنا تمام نقد روپیہ جو اسکے پاس تھا اپنے گماشتہ انسلم کو سپرد کیا - یہ رقم ۲۵۰۰۰۰ پونڈ تھی - انسلم کا سب سے بڑھکر یہ مدعا تھا کہ اس روپیہ کو حفاظت اور احتیاط سے رکھے - روپیہ ان دنوں میں بہت مشکل سے دستیاب ہوتا تھا - جنگ شروع ہوئی - نپولین نے روس پر حملہ کیا - اور اسکی تمام فوج برف کا لقمہ بنی - اسکے بعد معرکہ لیپزگ شروع ہوا اور نپولین اور اسکی فوج دریائے رائن کے پار تک بھگا دی گئی - اب لینڈ گریو اپنی حکومت پر واپس آیا - چند روز بعد پیر انسلم کا بڑا بیٹا دربار میں آیا - اور لینڈ گریو کو ۳ ملین فلورنس جو اسکے باپ کی زیر نگرانی رکھے گئے تھے دئیے - لینڈ گریو تو خوشی سے پھولا نہ سمایا - اس نے اس رقم کو ایک نعمت عظمی سمجھا - اپنے جوش مسرت میں اس نے راتھشیلڈ کو ایک بیرنائٹ بنا دیا - اور کہا "ایسی دیانت داری دنیا میں بے مثال ہے" کچھ عرصہ بعد یہ دانا کی کانگریس میں گیا - اور یہاں بار بار اس نے بے اختیار بجز راتھشیلڈ کی دیانت کے اور کسی چیز کا ذکر نہ کیا - انسلم کا خاندان بہت بڑا تھا سب نے اسکی تقلید کی - اور اس طرح خاندان راتھشیلڈ دنیا میں سب سے بڑھکر صراقی کیواسطے مشہور ہوا ؞

مرحوم لارڈ مکالے بھی نہایت متدین اور شریف شخص تھا - جن شخصوں میں اس نے تربیت پائی تھی یعنی - ولبرفورس - ہنری تھارنٹن اور زکاری مکالے - وہ ایسے شخص تھے کہ جن کی صحبت میں رہکر ممکن نہ تھا کہ یہ محب وطن اور بے غرض شخص نہ بنے - جب یہ صرف اپنی قلم کے زور سے ہر سو پہیلا نہ کما تا تھا پادری سڈنی سمتھ نے جو کہ ایک منصف مزاج آدمی تھا اسکے بارے میں کہا "میں یقین کرتا ہوں کہ مکالے بالکل بے لاگ اور بے غرض ہے - تم دولت نعمت - خطاب - عزت روپیہ پیسہ خواہ کچھ اسکے سامنے رکھو مگر لاحاصل - اسکے دل میں اپنے ملک کی صادق محبت ہے اور تمام دنیا اسکو رشوت دیکر اسکے فائدے کو اس سے نظر انداز نہیں کر سکتی" ؞

مکالے نے اپنے کاروبار کا ایسا بندوبست کیا کہ اس کا انتظام اسکے لیے بجائے آزردگی اور رنج کے ایک شغل تھا - اسکی کفایت شعاری کے مسائل نہایت ہی سادے تھے - یعنی منافع کو اصل سرمایہ سمجھو اور تمام قرض ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر ادا کردو - اسکا مقولہ تھا "میرے خیال میں قرض کا فی الفور ادا کرنا ایک اخلاقی فرض ہے - اگر میری طرح یہ خیال مد نظر رکھا جائے کہ اسمیں تساہل کرنا کیسا رنج اور تکلیف دہ ہے" اس نے ابتدا ہی سے اپنے اخراجات میں نہایت سخت مناسبت رکھی

اور یہی ایک ایسی سرزمین تھی جس پر اس نے اپنی تمام شہرت اور دیانت کی بنیاد رکھی اور با توقیر آزادی برقرار رکھی ؎

اور تاہم یہ کم مایہ شخص تھا۔ لارڈ **لنسڈون** کو جس نے اُسے ہندوستانی کونسل میں جگہ دینی چاہی ذیل کا جواب لکھا:۔ "اپنی عمر میں دن بدن مجھکو دولت کی کثرت کی خواہش کم ہوتی جاتی ہے مگر دن بدن مجھکو کفایت شعاری کا خیال زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اور بغیر کفایت شعاری کے انسان کیواسطے متدین ہونا قریباً ناممکن ہے۔ بلکہ ایسا خیال بھی اُسکے دل میں آنا قریباً محال ہے۔ میری حالت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ میں صرف دو طرح سے دنیا میں گزارہ کر سکتا ہوں۔ اوّل تو نوکری سے دوم قلم سے ایک کتب فروش کا کارکن بننے کا خیال۔ کتابیں تصنیف کرنا۔ دل کو نیکی اور شرافت سے بھرنے کے واسطے نہیں بلکہ زر سے جیب بھرنے کے واسطے۔ حرص پُری کی کوشش کرنا نکمّی باتوں سے کاغذ سیاہ کرنے۔ یہ باتیں مجھکو ہولناک اور خطرناک معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اگر میں نوکری چھوڑ دوں تو یہی حال ہوگا۔ لیکن دنیا میں روپیہ کی خاطر نوکری کرنا میرے واسطے اور بھی خوفناک ہوگا" ؎

نتیجہ یہ ہوا کہ مکالے کو ہندوستان میں ایک معزز عہدہ مل گیا۔ اور پھر یہ باعتدال آسودہ حال واپس گیا کہ اس نے اپنی مشہور تواریخ انگلستان لکھی ؎

باب پنجم

دلیری۔ تحمل

کمینہ کام کرنے سے جو ڈر جائے بہادر ہے ۔۔۔ بنی آدم کی خاطر جان دے وہ بے بہادر ہے

(بن جانسن)

یہی ضرور نہیں ہے کہ بعد مرنے کے ۔۔۔ صداقت اور ہو قدرت کا اس جگہ اظہار

مگر جب آتی ہے سر پر مخالفت کی گھڑی ۔۔۔ اُمید کے ہیں قلعے جتنے ہوتے ہیں مسمار

اور اس بدن سے توانائی ہوتی ہے رُخصت ۔۔۔ عزیز کرتے ہیں بیٹھے ہوئے دموں کا شکار

صداقت آتی ہے لے شمع ہاتھ میں ایسی ۔۔۔ کہ جس کی رات کو ہوتی نہیں سحر زنہار

(ہنری وارڈ لانگفیلو)

دلیری ایک ایسی صفت ہے۔ جس سے ممتاز ہونے میں ہر ایک شخص خوش ہوتا ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو انسان کو زندگی کے تمام مصائب پر حاکم بنا دیتی ہے۔ یہ وہ مکمل ارادہ ہے جسکو کوئی خوف جنبش نہیں دے سکتا۔ یہ وہ چیز ہے جو انسان کو اگر ضرورت پڑے تو فرض کے پورا کرنے کی خاطر مرنے پر آمادہ کر دیتی ہے ؛

وہ کون شخص ہے جو بزدل کی تعریف میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے ؟ کیا تمام دنیا اس کو نظر حقارت سے نہیں دیکھتی ؟ بزدل کمینہ اور نامرد ہے۔ اسمیں دلیری کا نام بھی نہیں۔ یہ غلام تک بننے کو تیار ہے۔ ہومر کا مقولہ ہے: "ہماری آدھی نیکی غصب ہو جاتی ہے جب کوئی شخص غلام بن جاتا ہے" اور بقول ڈاکٹر آرنالڈ: "اور باقی آدھی اسوقت جاتی رہتی ہے جب غلام بھاگ جاتا ہے" ؛

تاہم بزدل سے سابقہ کرنے میں دلیری کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک احمق نوجوان شخص سر فلپ سڈنی کے ساتھ جھگڑ رہا تھا اور اسکو لڑائی پر برانگیختہ کر رہا تھا۔ اسنے یہاں تک کیا کہ سر فلپ کے موںھ پر تھوک دیا۔ اسپر سر فلپ سڈنی نے کہا: "مہربان۔ اگر میں اپنی ضمیر ممیزہ سے تمھاری خون کو بھی اسی طرح صاف کرسکوں جیسے میں نے تمھارا تھوک اپنے چہرے سے صاف کیا تو ابھی میں تمھاری جان لے لوں" یہ نہایت شریفانہ دلیری تھی۔ یہ ہر ایک شخص کیواسطے ایک سبق ہے کہ کس طرح تحمل اور برداشت کرنا چاہیئے ؛

دلیر شخص مردانگی کی ایک مثال ہے۔ اسکا اثر مقناطیسی ہوتا ہے۔ یہ شرافت کا مادہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور انسان مرتے دم تک اسکی پیروی کرتے ہیں۔ وہ شخص جو کبھی کامیاب ہو ہمیشہ قدر افزائی کے لائق نہیں۔ بلکہ وہ شخص جو ایک بار ناکام رہے اور پھر اپنے پر اپنی جانبہار کوشش کا اثر ڈالتا رہے۔ مایوسانہ امید کا رہبر ممکن ہے کہ خندق میں گر پڑے مگر اس کا بدن پُل کا کام دیتا ہے جسپر سے منصور قلعہ میں داخل ہوتا ہے ؛

شہید گو دنیا سے رخصت ہو جائے۔ مگر جس صداقت کی خاطر یہ جان دیتا ہے وہ اسکی قربانی سے چمک کر ایک نئی روشنی پھیلا دیتی ہے اور جھلک دکھلاتی ہے۔ ممکن ہے کہ محب وطن کا سر جلاد کے خنجر کی بھینٹ چڑھے۔ اور اس سے اس امر میں جلدی کامیابی کی صورت پیدا ہو جسکی خاطر یہ جان عزیز کو خیرباد کہتا ہے۔ ایک اعلےٰ زندگی کی یادگار عمر کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ لوگوں کے صفحۂ دل پر منقش رہتی ہے۔ پُرجوش و سرگرم اپنی زندگی سے ممکن ہے کہ ہاتھ دھو بیٹھیں مگر متحمل آدمی اٹھتے رہتے ہیں۔ اور اس سرزمین پر جاکر قابض و متصرف ہوتے ہیں جسپر ان کے پیشرو اپنی ابدی نیند میں

مست پڑے ہیں۔ غرض اسطور پر کسی امر میں گو بہت دیر بعد کامیابی کا مُنہ دیکھنا نصیب ہو مگر جب یہ نصیب ہوتی ہے تو یہ جسقدر اُن لوگوں کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے جو کامیاب ہوئے ہیں اُسقدر اُن لوگوں کے سبب سے جو ناکام رہے ۞

دنیا کے تمام بڑے بڑے کام دلیری سے تکمیل کو پہونچے ہیں۔ ہر ایک نعمت جس کا ہم حظ اُٹھا رہے ہیں ذاتی حفاظت۔ شخصی آزادی۔ قانونی موازنت۔ سب کچھ اسی کا ظہور ہے۔ بطور ایک قوم کے دنیا میں رہنے کا حق زمانہ دراز کی جنگوں اور معرکوں کی بدولت تکمیل کو پہونچا ہے۔ مذہب عیسائی کے قایم ہونیکے واسطے چار صدی تک لوگوں نے شہادت کا جام پیا۔ اور ریفارمیشن کے پھیلنے کے واسطے ایک سال کی خانہ جنگی درکار ہوئی ۞

صرف صداقت پر ثابت قدم رہنا ہے جس سے شہادت کو ابدی قدر حاصل ہوئی ہے۔ خیالات کی آزادی کی ترقی ہیں۔ کچھ ضرورت نہیں کہ خواہ کسی صداقت پر یہ قایم تھے۔ شہادت برابر ہے۔ ان لوگوں نے موت کا مونھ دیکھا ہمارے آزاد ہونے کے واسطے۔ رومن کیتھالک اور پروٹسٹنٹ عیسائی اور بُت پرست۔ سچے اور ریاکار۔ سب اس مسرت بخش زمانہ گذشتہ کی میراث میں حصہ لے سکتے ہیں۔ مزینی کا قول ہے۔ "شہادت اور نصرت کے فرشتے آپس میں بھائی ہیں۔ اور دونوں کے پر یہانتک پھیلے ہوئے ہیں کہ آیندہ زندگی کی حد تک پہونچتے ہیں" ۞

ہمکو عیسائی مذہب کے اوائل کی ایک فوج الشہدا کی کہانی یاد آتی ہے۔ یہ پنکراس کی ہے یہ شخص فرجیا میں پیدا ہوا تھا جہاں حضرت پولوس اسوقت گئے تھے۔ جب اُنھوں نے گلیشیا میں عیسائی کلیسیا قایم کیا تھا۔ پنکریٹیس (یا پنکراس) کو مشتری کی پرستش سکھلائی گئی تھی۔ مگر چونکہ اسکا والد فوت ہو چکا تھا۔ لہذا یہ اپنے چچا ڈایونیسیس کی نگرانی میں تھا۔ اسکا چچا ۳۰۳ع میں روما کو گیا تاکہ یہ یتیم جو کہ ایک بہت بڑی جائداد کا وارث تھا دربار کے نزدیک رہے۔ ضعیف اور بزرگ مارسیلنس روم کے بشپ کی اتالیقی اور نگرانی میں یہ عیسائی بنایا گیا۔ اسکے بعد بہت جلد اسکا چچا بھی دنیا سے کوچ کر گیا اور یہ لڑکا جو کُل ۱۴ سال کا تھا اس دنیا میں اپنی تمام دولت اور مذہب کے ساتھ بے یار و مددگار رہگیا ۞

ڈایوکلیشین اسوقت عیسائیوں پر آفت نازل کر رہا تھا۔ اسکو خبر پہونچی کہ پنکریٹیس عیسائی ہو گیا ہے۔ چنانچہ اسکو فوراً حکم آیا کہ ڈایوکلیشین کے محل میں حاضر ہو۔ اسکو خوف دلایا گیا کہ اگر مشتری کی پوجا نہ کریگا تو فی الفور جان سے مار دیا جائیگا۔ لڑکے نے جواب دیا [illegible] عیسائی ہوں۔ اور اپنے مذہب

ثابت قدم قائم ہوں۔ اور گو میں کم سن ہوں مگر مذہب کی خاطر مرنے کو تیار ہوں"۔ شاہنشاہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر حکم دیا کہ شہر کے باہر لیجا کر تلوار سے اسکا سر جُدا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے قول کی تصدیق اپنے خون سے کر دی۔ یہاں اسکی لاش پو پھوٹنے تک پڑی رہی۔ ایک عیسائی عورت آئی۔ اُسنے اسکی لاش اُٹھا کر عمدہ کپڑے میں لپیٹی۔ اور اسکو خوشبویات سے معطر کرکے آنسو بہائے اور دفن کر دیا۔ اسکا نام ابتک دنیا میں اُن گرجوں سے مشہور ہے جو اسکی یادگار میں تعمیر ہوئے ہیں ✤

ابتدا میں جو عیسائی ہوتے تھے وہ اہل روما کے اکھاڑوں میں جنگلی درندوں کا شکار بنتے تھے اور یہ شغل تیسری صدی تک رائج رہا۔ یہ لوگ اہل روما کے تیوہاروں کی خاطر حلال کیئے جاتے تھے کسی چیز سے اہل روما کو زیادہ شادمانی اور خوشی حاصل نہ ہوتی تھی بجز درندوں کی لڑائیوں کے۔ عیسائیوں کے پھاڑے جانے اور بہادروں کے خونخوار معرکوں کے۔ اور یہ عیاشی کا شغل تمام سلطنت میں پھیلا ہوا تھا۔ ٹروز میں جو آلپس کی شمالی سلطنت کا دارالخلافہ تھا بہت سی رومی تماشہ گاہوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ یہاں ایک پہاڑ کے دامن میں ایک اکھاڑہ ہے جو پتھر تراش کرکے بنایا گیا ہے اور جسمیں کوئی ہزار تماشا دیکھنے والے آسکتے تھے۔ سنہ ۳۰۶ء میں کانسٹنٹائن نے اپنی رعایا کو ایک تماشہ دکھلایا۔ اس تماشہ میں ہزاروں عیسائی قیدی بے ہتھیار درندوں کے سامنے چھوڑ دیئے گئے جنھوں نے اُن کو چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسکے بعد جانور مار ڈالے گئے اور جو آدمی باقی بچے وہ ایک دوسرے سے لڑنے کو معین کیئے گئے۔ مگر بجائے اسکے انھوں نے حاضرین کو مایوس کر دیا کیونکہ انھوں نے ارادتاً ایک دوسرے کی تلوار کے نیچے گردنیں رکھدیں مگر لڑے نہیں۔ اسی سال ہزاروں بیرکٹر بھی نہایت بیرحمی اور سنگدلی سے لوگوں کے دل بہلانے کی خاطر قتل کیئے گئے۔ اس اکھاڑے کے کھنڈر اور جانوروں کے رہنے کے غار ابتک موجود ہیں ✤

فرانس میں بھی ابتک بہت سے اکھاڑے ٹوٹے پھوٹے موجود ہیں۔ نیمس اور آرلس کے سب سے بڑے ہیں۔ اور آخرالذکر کا ایک تماشہ گاہ تو اتنا وسیع تھا کہ اہل عرب نے جب فرانسیسیوں سے مقابلہ کر رہے تھے تو اُسے قلعہ بنا لیا تھا۔ مگر سب سے بڑا اور عظیم الشان تماشہ گاہ روم میں کلیسیم نامی ہے جسمیں ۸۷۰۰۰ آدمی سما سکتے تھے۔ تواریخ کلیسیا سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ایک معمار اور شہید گاڈینٹس نامی نے تعمیر کیا تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہزارہا یہودی قیدی جو یروشلم سے لائے گئے تھے اسکی تعمیر پر لگے تھے۔ جب عمارت ختم ہوئی تو ۵۰۰۰ درندے اکھاڑے میں قتل کیئے گئے۔ اور ابھی

حال ہی میں درندوں، شیروں اور چیتوں کی ہڈیاں یہاں سے نکالی گئی ہیں ؂

جس دن اس عظیم الشان تماشہ گاہ میں تماشہ ہوتا۔ تمام روم اُس روز تیوہار مناتا۔ مرد عورتیں اور بچے خونخوار شغل دیکھنے کو جمع ہوتے۔ بہادر شاہنشاہ کے آگے جاتے۔ پہلے درندوں کی لڑائی ہوتی اور پھر انسانی خونریزی کی نوبت آتی۔ یہ تماشے رات تک ہوتے رہتے یہاں تک کہ حاضرین شراب میں متوالے ہو جاتے ؂

یہ شغل اور تماشے جب تک جاری رہے جب تک روم برائے نام عیسائی کہلاتا تھا مگر آخر کار سنہ ۴۰۰ء کے قریب ایک ضعیف راہب نے ان خونخوار شغلوں پر متاسف اور رنجیدہ ہو کر اُن میں دخل انداز ہونے کا ارادہ کیا گو اُسکو دنیا سے رخصت ہونا پڑا۔ بھلا ان ہولناک جرموں کی سزا کے مقابلہ میں اس بیچارے کی جان کیا تھی؟ اس شہید کا نام تک بھی نہیں معلوم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ المالکس تھا اور بعض کا خیال ہے کہ ٹیلی مالکس تھا۔ مگر خواہ کوئی ہو۔ اسکی دلیری سے اسکی توقیر ثابت ہوتی ہے۔ نہ تو یہ کسی کو جانتا تھا اور نہ کوئی اُسے جانتا تھا۔ روم میں افواہ پھیل گئی کہ اکھاڑہ پھر گرم ہوگا۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک جمع ہو گئے۔ یہ بھی لوگوں کے ہجوم میں اندر چلا گیا۔ مگر جو اس کا مدعا تھا وہ اسکے دل میں تھا اور یہ اسے ٹھانے ہوئے تھا۔ اکھاڑے میں دونوں طرف سے بہادر اپنے نیزے نکالے ہوئے بڑھے۔ جس وقت یہ قریب پہنچے اور قریب تھا کہ وار چلے کہ یہ بوڑھا دیوار سے جست مار کر اُن کے بیچ میں آکھڑا ہوا۔ اس نے اُن سے التجا کی کہ ناحق خونریزی سے باز آئیں۔ چاروں طرف غل اور شور پیدا ہو گیا "پیچھے ہٹ بوڑھے۔ پیچھے ہٹ!" مگر نہیں یہ پیچھے نہ ہٹا۔ ایک بہادر نے اسے دھکا دیکر ایکطرف کر دیا اور پھر یہ سب آگے بڑھے۔ مگر پھر یہ ضعیف آدمی اُن کے بیچ میں آکھڑا ہوا اور خونریزی سے منع کیا۔ اسی دم چاروں طرف سے صدا آئی "مار دو!" مہتمم نے اجازت دیدی۔ اس بیچارے ضعیف راہب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور بہادر اسکی لاش روندتے ہوئے آگے بڑھے ؂

مگر اسکی موت لاحاصل نہ ثابت ہوئی۔ لوگ سوچنے لگے کہ انھوں نے کیا کیا تھا۔ انہوں نے ایک پاک آدمی کی جان لی تھی جس نے خونریزی سے منع کیا۔ یہ خود اپنی سنگدلی اور بیرحمی پر کانپ اٹھے۔ اسی دن سے جس دن یہ دلیر بوڑھا اس طرح اس جہان سے رخصت ہوا پھر کوئی تماشہ ایسا خونخوار اس تماشہ گاہ میں نہ ہوا۔ اس راہب کی موت ایکطرح کی فتح تھی۔ اس نے سنہ ۴۰۲ء میں ایسی خونریزی کی قطعی ممانعت کر دی یہ بہت عرصہ نہیں گذرا کہ اس نامعلوم الاسم بوڑھے کی ہڈیاں نہایت خوشی اور

اظہار مسرت سے نکال کر اور نہایت ادب سے تماشہ گاہ میں پھرائی گئیں اور نہایت مذہبی توقیر اور عزت سے بہ ترتیب کے گرجا سان کلیمنٹ میں دفن کی گئیں ؛

روم اپنی جلدی خوشی سے عیاشی ۔ سنگدلی اور برائی کے سبب سرنگوں تنزل کے غار میں گرا۔ بداخلاقی کبھی ہر قسم کی سوسائٹی میں اپنا بد اثر پھیلانے سے نہیں چوکتی ۔ اطوار کی اوباشی یا نتیجہ اصول کی اوباشی ہوا کرتی ہے ۔ انسانی فطرت کا کمینہ اثر ترقی پذیر ہوتا ہے اور چال چلن کے اخلاق کی بیخکنی کردیتا ہے ۔ یونان اور روم تنزل ہوئے ۔ اپنے حکمرانوں کی اخلاقی کمی کی وجہ سے اور لوگوں کی لہو و لعب اور اوباشی کے سبب ۔ روم جو کہ زمانہ سابق میں تمام دنیا کا حاکم تھا ۔ اُن وحشی قوموں کا شکار بنا جنھوں نے وسط یوروپ کے جنگلوں سے سر نکالا ۔ امیر عیاشی اور اوباشی میں خراب ہو گئے ۔ اور غریب بیچارے دھکے کھانے لگے اور ٹکڑے مانگنے لگے ۔ انکا دل ہی اتنا نہ تھا کہ اپنے ملک کی حمایت کرتے ۔ غرض یہی بہتر تھا کہ دنیا کے پردہ پر اسکا وجود ہی نہ رہا ؛

مسکرات کا استعمال اوباشی ۔ اور بداخلاقی مذہبی قوت سے مفقود ہو گئی جس نے لوگوں کے سوسائٹی پر اثر کیا ۔ غرض اس طرح بدی کرنے کی خواہش یا تو زائل ہو گئی یا کم ہو گئی ۔ مذہب نے انسانوں کو اپنی ضروریات کی طرف سے مطمئن کر دیا ۔ لوگ جوق جوق جاتے ۔ اور غریب اور امیر سب برابر معبد میں بیٹھکر خدا کی عبادت میں شریک ہوتے ۔ اور کیوں سب برابر ؟ کیونکہ خدا کی نظر میں سب یکساں ہیں ۔ کاش یہی خیال اب تک دنیا میں پھیلا رہتا ! کیسا یہ نظارہ نگاہ کو بھاتا ! ؛

افسوس ! آدم کا نام صفحہ ہستی سے نہیں مٹا ! قدرت میں اب عدن کا نشان بھی نہیں ۔ پادری کا عہدہ ظلم کا وسیلہ بن گیا ۔ چند کے فائدوں کے حامی عوام الناس کے فائدے کے حامیوں کے مقابلے پر اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور انھیں کی تقدیر میں اُن کو شریک ہونا پڑا جن کی انھوں نے معاونت کی تھی ۔ مذہبی مسائل میں اختلاف الرائے کا مرض پھیلا ۔ جو بُت پرستوں نے اوائل عیسائیت میں عیسائیوں سے سلوک کیا تھا وہی عیسائیوں نے اپنے مخالفوں سے کیا ۔ مذہبی تعصب کی آگ دوبارہ بھڑکی ۔ اور شہید مثل سابق آگ کا لقمہ بنے ۔ پھر اُن لوگوں کیواسطے دلیری اور تحمل کی ضرورت پیش آئی جنہوں نے حق کے واسطے جنگ کی تھی ۔ اور نہایت شرافت سے انہوں نے بار مصائب اُٹھایا اور نہایت شرافت سے جان عزیز کو خیرباد کہی !

تعصب کا شعلہ اٹلی میں بھڑکا ۔ اور سپین ۔ فرانس اور نیدر لینڈ تک اسکی آنچ پہونچی ۔ جرمنی نے اس کا مقابلہ کیا ۔ لوتھر کا مقولہ ہے جب خدا کی مرضی ہے کہ وہ اولاد اس دنیا میں رہے جو ابدالآباد تک بے خوف

نڈر، بیغم اور فیاض ہو۔ اور وہ جو کسی چیز کا دراصل خوف نہ کھائے بلکہ اپنے حسب اعتقاد اپنی تمام مخالف چیزوں سے نفرت کرے۔ اور اگر کچھ حق کی حیثیت پر سزا ملے تو اسکی مطلق پرواہ نہ کرے۔ وہ رب العالمین تا دوسے نفرت کرتا ہے۔ اور وہ تا مرجو ہر چیز سے ڈرتا ہے اور یہاں تک کہ اگر بچہ بھی کھڑکے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور بدن کانپنے لگتا ہے۔ اسپین کے پادریوں نے سلطنت سے طاقت پاکر زبردستی ریفارمیشن کو بالکل بند کیا۔ ایک شب ۸۰۰ پروٹسٹنٹ سویلی کے قیدخانہ میں بھر دیئے گئے۔ ہر جگہ یہ پکڑے گئے اور جلادیئے گئے۔ تمام بڑے بڑے ہسپانیہ کے شہروں میں آگ کے شعلے بلند تھے۔ کچھ عرصہ گزرا کہ میڈرڈ کے قریب ایک بدرو کھودی گئی۔ یہاں پروٹسٹنٹ جلائے گئے تھے چنانچہ مزدوروں نے یہاں سے ہڈیاں، کوئلے اور راکھ نکالی۔ یہ اُن لوگوں کی ہڈیاں اور راکھ تھی جو کلیسیا کے حکم سے جلتی آگ میں ڈال دیئے گئے تھے۔

اور اب اسپین کو اس ہولناک سنگدلی سے کیا حاصل ہوا؟ دولت نے اس سے کنارہ کیا۔ اور تمام ملک تقریباً دیوالیہ بن گیا۔ لوگ جاہل ہیں اور بالکل ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ ۲۵ لوگوں میں صرف ایک ایسا ملتا ہے جو نوشت و خواند میں درک رکھتا ہو۔ یہ لوگ پادریوں کو اپنا قدرتی دشمن سمجھتے ہیں۔ اور بہت سے ان میں بیدین ہیں۔ اور یہاں تک کہ پادری بھی مفلسی میں غوطے کھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر لیبس کہتے ہیں:
"یہ بہت عجیب بات ہے کہ اہل اسلام کے زیر حکومت اسپین بہ نسبت عیسائی حکومت کے زیادہ خوشحال اور آسودہ تھا۔ اہل اسلام کی حکومت زیادہ آزادانہ زیادہ بے تعصب اور زیادہ شائستہ تھی۔ اور ہر ایک شخص ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں کے باشندے زیادہ تعلیم یافتہ تھے اور زمین زیادہ کاشت کی جاتی تھی۔ مگر جب سے سلطنت اسلام کا آفتاب سپین کے افق پر غروب ہوا یہ ملک قریباً متواتر پس پا ہوتا رہا"۔

فلپ ثانی شاید سب سے بڑھکر بدمعاش تھا جس نے کبھی تخت پر قدم رکھا۔ ۱۵۶۸ء میں اس نے حکم دیا کہ نیدرلینڈ میں ہر ایک پروٹسٹنٹ تہ تیغ کیا جائے۔ اسکے وزیر الوا نے جو چاہا سیاہ و سفید کیا۔ اپنی خونی مجلس کی امداد سے اور جلادوں اور سنگدل مصاحبوں کی معاونت سے اکثر ایک ہفتے میں اس نے ۸۰۰ بیگناہ بندگان خدا کو گردن سے مروا دیا۔ پہلا قصور تو فرقہ پروٹسٹنٹ کا پیرو بننا تھا اور دوسرا مالدار ہونا آخر الذکر قصور پر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں کچھ تمیز نہ تھی۔ یہ دونوں خوب لوٹے گئے اور برباد کیئے گئے کوئی ۱۲ سال بعد الوا نے اس پر بہت فخر ظاہر کیا کہ اس نے پانی میں ڈبو کر، جلا کر اور تلوار سے گردن مار کر اٹھارہ ہزار اپنے ہم جنسوں کا کام تمام کیا تھا۔ اور یہ تعداد ان لاکھوں آدمیوں کے علاوہ تھی جو اس کی دوران حکومت میں محاصروں یا معرکوں میں کام آئے۔ اس وزیر کی جوری بھی اسکے قتالی کی طرح

عفریت صورت تھی ؁

مگر فرانس کا حال بھی اسپین ہی کی طرح تھا جب سے اس نے روم کی پیروی اختیار کی یہاں ہزاروں بندگان خدا جو مخالف تھے قتل ہوگئے - لاکھوں بردتی پر شمشیر کے پار پھینکا دیے گئے - جلائے گئے - اور عام طور پر تہ تیغ کیے گئے - فرانس میں تعصب اور جان ماری کا عمل تھا اور آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے - کوئی چھ لوتھر کے مشیر سپین کی خوشنودی مزاج کیواسطے پیرس میں جلتی آگ میں ڈال دیئے گئے ؁

مگر اس عالمگیر خونریزی اور ظلم کی استثنا بھی تھی - چینسلر ڈی لہوپیٹل نے اسپر بہت زور دیا کہ اسکے اہل ملک کو نیکی اور شرافت سے آراستہ کریں - اور اپنے مخالفوں پر جیرات کے ہتیار رہیں - دعا اور خاطر تواضع سے حملہ آور ہوں - اس نے کہا "ہمکو وہ طعنہ آمیز الفاظ چھوڑ دینے چاہیئے - کہ ہم کسی فریق کو تو لوتھر والے کسی کو ہیوگی - اور کسی کو ہیگوناٹی کے نام سے پکاریں - بلکہ اسکے بجائے ہم ان کو سیدھے فقط عیسائی سے یاد کریں" اور اسپر بیچارہ چینسلر ملحد کہلایا ؁

جب وائکاونٹ ڈورٹ بیون کے گورنر کے نام چارلس دوازدہم کا حکم پراٹسٹنٹ کے قتل عام کے واسطے پہونچا تو اُس نے جواب لکھا کہ "میں نے جہاں پناہ کا حکم اہل قلعہ اور اہل شہر کو سنایا - مگر مجکو معلوم ہوا کہ یہ لوگ تمام بہادر سپاہی اور نمکحلال رعایا تھے - اور جلاد ایک بھی نہ تھا" ؁

اب واٹسے اور بار تھولومیو کا قتل عام آیا جبکی تمام فرانس میں ہوا چل گئی - سنٹ بار تھولومیو کا قتل عام اب تک یوروپ کے پراٹسٹنٹ فرقہ کی نظر میں تازہ ہے - یہ اور فلپ دوم کا اسپینش ارمڈا سے انگلنڈ پر حملہ کرنا سولہویں صدی کی تواریخ میں بڑے بھاری معرکے تھے ؁

اور لوئی چہاردہم والی فرانس نے جو حکم جاری کیا اسمیں بھی مطلق رحم کی بو نہ تھی - یہ حکم تھا کہ ہر ایک پراٹسٹنٹ یا تو فرانس کے ملک سے نکل جائے - یا مذہب تبدیل کرے ورنہ مرنا قبول کرے - پراٹسٹنٹ امرا شریف - تجار - زمیندار - اور کاریگر سب ریاکار بننے سے انکار کیا - انھوں نے ہرگز یہ گوارا نہ کیا کہ جسپر ان کا اعتقاد نہو اُسے مانیں - زمینداروں اور امیروں نے اپنی جائدادیں چھوڑ دیں - اپنے خطابوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ہر ایک چیز اپنے دشمنوں کے حوالے کر دی - تجار کاریگروں کے ہمراہ بھاگ گئے - اور کسی ایسے ملک میں جاکر بود و باش اختیار کی جہاں اُن کو اپنی ضمیر منیر کے حسب الحکم خدائے واحد کی پرستش کی آزادی تھی اور یہاں امن میں اُنھوں نے اپنی محنت اور جانفشانی کا ثمرہ اُٹھایا ؁

یہ موت نہ تھی جس کا ان کو خوف آیا تھا - ہزاروں نے تبر سے - تیغ سے - اور تکلیف سے جان عزیز کو خیرباد کہی - موت سے اُن پر کوئی قابو نہ پا سکا - انہوں نے فرض پر اپنی جانیں قربان کر کے چڑھا دیں جو

شریفانہ چال چلن اور نیکی بھری زندگی جو ہیوگوناٹ میں ملتی ہے کبھی وہ فرانس میں دوبارہ نمایاں ہوئی غرض امیر سے لیکر غریب تک اور وہ جو پراٹسٹنٹ کہلاتے تھے ایسا چال چلن اور شریفانہ حیات بسری کی تمثیل چھوڑ گئے ہیں جو فرانس کی تواریخ کو دکھلانا شایاں ہے۔ مگر تواریخ میں بہت کچھ بادشاہوں اور شہزادوں کی حکومت کا حال لکھا ہے۔ ان میں معرکوں اور فتوحات کا تذکرہ ہے۔ مگر مصیبت زدہ بالکل فراموش کردیئے گئے ہیں ؛

لوئی چہاردہم اور اسکی تمام فوج ضمیر ممیزہ کی فصیل کو نہ توڑ سکی۔ اسکی ظالمانہ پالسی نے فرانس میں ایک دائمی قتل عام برپا رکھا جس کا ساٹھ برس سے زائد مدت تک سکہ بیٹھا رہا۔ اور نتیجہ کیا ہوا؟ اسکو زک ملی اور شکست نصیب ہوئی۔ اس نے فرانس کو تباہ کردیا۔ اور ٹیکس کے بوجھ سے نیم جان چھوڑا۔ اسنے ہیوگوناٹ کی جلاوطنی سے تجارت اور زراعت کا ستیاناس کردیا۔ اور فرانس کو بدعملی کا شکار کردیا۔ جسکی تکمیل انقلاب ۱۷۸۹ء میں ہوگئی ؛

مسکالٹ اپنی تواریخ فرانس میں لکھتا ہے "ہیوگوناٹ کی قربانی نہایت شریفانہ نمکحلالی اور نیک بختی تھی۔ یہ خیالی توقیر تھی۔ کیونکہ انسانی فطرت کیواسطے یہ نہایت مسرت بخش ہے کہ کثیر التعداد زن و مرد صرف حق کی خاطر اپنی ہر ایک چیز سے دست بردار ہوجائیں اور اسے حق پر قربان کردیں۔ دولتمندی کو چھوڑ مفلسی کا دامن پکڑ لیں۔ اور اسقدر اہم اور مشکل وقت میں اپنی جان ہتیلی پر رکھکر اپنے ملک اور گھربار کو الوداع کہیں۔ بعض کو یہ لوگ ضدی اور ہٹ دھرم نظر آتے ہیں مگر مجھ کو یہ شخص نہایت بلند خیال معزز اور عالیحوصلہ معلوم ہوتے ہیں۔ جو فرانس کے آسمان پر تارے ہوکر چمک رہے ہیں۔ اور جن کا یہ مسئلہ ہے کہ جان کو حق پر قربان کردو!"

اس سے قبل تعصب کی آگ انگلستان اور سکاٹ لنڈ میں بھی بھڑک اٹھی تھی۔ لنڈن کے مقام سمتھ فیلڈ میں پراٹسٹنٹس اور جادوگر جلائے جاتے تھے۔ مگر کیتھلک اور پراٹسٹنٹس دونوں کے پاس علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں جن پر اُن کے شہیدوں کے نام درج ہیں۔ **فارسٹ** جو کہ ایک راہب تھا **ہنری ہشتم** کی حکومت سے انکار کرنے پر جلایا گیا۔ کیتھلک اور پراٹسٹنٹس دونوں طرف آگ مشتعل ہوتی تھی۔ ملکہ **میری** کے زمانے میں مذہبی تعصب پیشتر سے بہت کچھ بڑھ گیا۔ جان راجرس اپنے گرجا کے سامنے جلا دیا گیا۔ جان بریڈ فورڈ نے شکنجہ میں جان دی۔ اور اپنے ہم جنسوں کی جو اسی کی طرح شکنجوں میں کھنچے ہوئے تھے تسلی و تشفی کرتا رہا۔ اسی وقت جان فلپاٹ بھی آگ کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ اور لےٹمر کرانمر اور رڈلے تو ان کے علاوہ ہیں۔ اس زمانہ کے لوگوں کے جوش اور ارادے آجکل کی طرح نہ تھے ہم

کانپ اُٹھتے ہیں اور ذنگ ہوجاتے ہیں۔ جب سُنتے ہیں کہ وہ لوگ صرف اپنے مذہب ہی کی خاطر جلے ہی نہ تھے بلکہ اُن کو ایک گونہ اسپیش شادمانی حاصل ہوئی۔ سر جان فلپاٹ نے کہا "کیا میں اس شکنجہ میں کھنچنے سے خوف کھاؤں جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میرے نجات دہندے نے میرے واسطے صلیب پر کھنچنا قبول کیا؟"

ضمیر میرہ کی خاطر ایذا رسانی شاہ چارلس دوم کے عہد تک جاری رہی۔ ولیم پن کہتا ہے: "جب سے بادشاہ نے عنانِ سلطنت سنبھالی ہے۔ ... ۱۵ خاندان تباہ ہو گئے ہیں اور ... ۵ مردوں سے بڑھکر صرف خدائے ذوالجلال کی پرستش پر تیغ ہوئی۔ چارلس دوم اور اُسکے بعد جیمس دوم نے اس ایذا رسانی کو سکاٹ لینڈ تک پہونچایا۔ پرانے کیتھلک عہد میں صرف آگ کے ہی وسیلے پراٹسٹنٹ سے حساب کتاب ہوتا تھا۔ کارڈنل بٹین نے جارج وشارٹ کو اپنے قلم کے سامنے آگ میں جلایا اور دریچہ سے اسکو راکھ ہوتے دیکھا۔ چارلس اور جیمس کے پراٹسٹنٹ عہد میں پراٹسٹنٹ نے پراٹسٹنٹ کو اختلاف الرائے کے باعث جلایا۔ پر بیشتر قتل کیئے گئے۔ گولی سے مارے گئے اور پھانسی پر چڑھائے گیئے مگر اسکا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ان کا مذہب ان کے رگ رگ میں پیوست ہو گیا اور سوویلیے دلپر مضبوط جڑ پکڑ گیا گو تکلیف اور مصیبت جو کچھ ان بیچاروں کو اُٹھانا پڑتی تھی اُسکو سنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مگر انہوں نے بہادری اور تحمل سے اسکا سامنا کیا ؛

رابرٹ کولیر ساکن نیویارک کہتا ہے: "میں یہاں ایک تصویر کا حال درج کرتا ہوں۔ یہ ایک عورت کی تصویر ہے جو ایک مستول کے ساتھ لبِ سمندر مد کے اندر مضبوط بندھی ہوئی ہے۔ سمندر اسکے پیروں میں لہریں مار رہا ہے۔ ایک جہاز قریب سے گذر رہا ہے۔ مگر اس بیچاری کی کوئی پرواہ نہیں کرتا شکاری پرندے اسکے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ مگر اسکو نہ تو جہاز کی پرواہ ہے۔ نہ پرندوں کی اور نہ سمندر کی اسکی آنکھیں اوپر اُٹھی ہوئی ہیں۔ اور پیر اسکے مضبوط ہیں۔ یہ اپنے خالق کی طرف دیکھتی ہے اور روح کو کہہ رہی ہے کہ اس دنیائے فانی کی تکلیفیں اس عالم بالا کی شادمانی اور خوشی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ اسکے نیچے ایک سکاٹ لنڈ کے قبرستان میں یہ شعر لکھے ہوئے ہیں :-

ابنِ خدا مسیح کو تھی دل سے مانتی
اور صدق دل سے مظہرِ حق اسکو جانتی
بس صرف اس قصور پہ جان اپنی دے مری
زنہار پر نہ مجتہدی پر کبھی چلی

"میں اسکو اسواسطے درج کرتا ہوں کہ جب میں اسکی طرف دیکھتا ہوں مجھکو یہ تحمل اور بردباری - بہادری اور جرأت - ہمت اور دلیری کی زندہ تصویر معلوم ہوتی ہے - اور جو کہ اپنی تقدیر پر شاکر ہے اور رضائے الٰہی پر ثابت قدم ہے اور دل اس امید پر شاباش ہے کہ بہت جلد عالم ارواح میں پہونچکر "شاباش" کا نعرہ اُسکے کانوں میں گونج اُٹھیگا" سڈنی سمتھ کہتا ہے: "کسقدر عرصے تک اہل سکاٹ لنڈ مجبور کیئے گئے کہ اپنا مذہب تبدیل کریں - سوار - پیدل - توپخانے اور مسلح پرینڈرینز پریسبٹیرین کے تلاش میں بھیجے جاتے تھے - بہت کچھ خونریزی ہوئی - مگر تعجب تو یہ ہے کہ نیا مذہب اہل سکاٹ لنڈ میں نہ رائج ہوسکا - اور نہ کوئی چیز اُن کو اپنے دلخواہ طریق پر خدا کی عبادت کرنے سے باز رکھ سکی - مگر اسکے بعد سچی اور سریع التاثیر دوا استعمال ہوئی - سکاچ اپنے طریق پر خدا کی عبادت کرنیکے واسطے آزاد ہوگئے - آسمان سے کوئی بجلی نہ گری - ملک بالکل نہ تباہ ہوا - قیامت بھی ابھی نہیں آئی - اور سکاٹ لنڈ دن بدن سلطنت برطانیہ کی زبردست طاقت کا منبع ثابت ہوتا جاتا ہے":

بے تعصبی ہمکو حال ہی میں معلوم ہوئی ہے - اب ہم انسانوں کو نہیں جلاتے مگر اب انکو ترغیب دینے کی ضرورت ہے - شہادت کا عہد معجزے کے عہد کی طرح ختم ہوگیا - اب نہ تو ہمکو گولی ماری جاتی ہے - نہ ہم شکنجہ میں کھینچے جاتے ہیں - مگر تاہم ہم نا اتفاقی - عیب جوئی - تمسخر اور الزام کا شکار بنے ہوئے ہیں - مگر ان کیواسطے دلیری نہایت ضروری ہے جو حق پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں - آجکل اس نا اتفاقی اور نفسا نفسی کے زمانے میں یہ بات اشد ضروری ہے کہ قوانین ربانی اور فرمان نیکی کے مطیع رہیں - اور آجکل زمانہ شہادت سے یہ امر بہت بڑھکر درکار ہے - ایک مشہور مؤرخ کا مقولہ ہے: "علی ایذا رسانی اور تکلیف دہی دل کیواسطے بہت مقوی دوا ہیں - مگر صرف خستہ اور ماندہ اعتقاد جسکی کوئی پرواہ نہیں کرتا کوئی نہیں پوچھتا - اس حمیت انسانی کا نام نہیں جو قابل توقیر ہے - کوئی فرد بشر ایسا نہیں جس کے دل میں رحم یا تاسف کا گھر ہو - یہ باتیں ظلم یا وحشی پن سے بہت بڑھکر تباہ اور برباد کرنیوالی ہیں":

مگر کیا در حقیقت ہمنے ایذا رسانی کے نکتہ چینی کا خیال اپنے دل سے دور کر دیا ہے؟ آجکل چھاپہ عام ہے اور انسان اسکے ذریعہ سے اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں - ہم ذیل کے فقرے کے بارے میں کیا خیال کرسکتے ہیں جو حال میں لنڈن کے ایک اخبار میں نکلا تھا؟ "اسکو مدنظر رکھکر کہ انسان کبھی اس دنیا سے کوچ کریگا اور خوش خلق سوسائٹی کا کیا مدعا ہے - قتل اور سرقہ کچھ نہیں سمجھے جاتے - اور اوباشی اور لہو لعب کے امراض کا پھیلنا کچھ حقیقت نہیں رکھتا اگر ان جرائم سے مقابلہ کیا جائے جو لوتھر اور کیلون کے عہد میں سرزد ہوتے تھے جب اُنھوں نے کلیسیا کی مخالفت پر کمر باندھی" یہ فقرہ قتل سنٹ بارتھولومیو کے

قتل سے ثابت ہوسکتا ہے اور اُن سے جنہوں نے ہزارہا بندگان خدا کو جلایا اور تہ تیغ کیا جو اپنے مذہبی عقائید پر ثابت قدم رہے ۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ہمکو وہ بیبہا میراث آزاد سلطنت کی دی ہے جو ہزاروں بہادر اور شریف جانوں کی قربانی سے حاصل ہوئی ہے ۔ اور یہ ہمارا اپنا قصور ہوگا اگر ہم اُنکی خاطر جو ہمارے مخالف ہیں اسمیں رخنہ ڈالیں ۔ جیسوئسٹ بھی ہیوگوناٹ کی طرح فرانس سے ملک بدر کیئے گئے ۔ اور وہ اب انگریزی قانون کے زیر فرمان امن چین سے زندگی بسر کرتے ہیں ۔ مگر ان کو چاہیئے کہ ان قانونوں کی عزت کریں ۔ اور اس مذہبی بے تعصبی کی توقیر اور قدر کریں جو ان کو محفوظ رکھے ہوئے ہے ؏

ولیم پن کی یہ رائے تھی کہ یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تمام ملک اسوقت زیر دست ہوسکتا ہے جب تمام لوگ یکرائے ہوں ۔ خواہ مذہبی مسائل میں یا اعمال میں ۔ اور یہ کہ پیشیوں اور کاروبار میں لوگوں کے اختلاف رائے سے اگر ملک میں بے تعصبی کا دخل ہو تو سلطنت اور قوم دونوں زبردست ہوسکتی ہیں ۔ ہمکو شخصیت کو قائم رکھنا چاہیئے ۔ کیونکہ بغیر اسکے آزادی ہونا ناممکن ہے شخصیت کی ہر جگہ توقیر اور عزت ہوتی ہے کیونکہ یہ ہر ایک نیکی کی بنیاد سمجھی جاتی ہے ۔ مسٹر جان سٹوارٹ مل کا مقولہ ہے " خود مختاری بھی اپنا اثر بد نہیں دکھلا سکتی جب تک شخصیت اسکے زیر سایہ بود و باش رکھے ۔ اور جو چیز شخصیت کی گردن پر چھری پھیرتی ہے وہ یہی خود مختاری ہے " ؏

جرمی ٹیلر اپنی کتاب ایک مشرقی حکایت کو درج کرکے ختم کرتا ہے ۔ ابراہیم ایک روز اپنے خیمہ کے دروازے پر بیٹھے تھے ۔ کہ ایک بوڑھا اپنا عصا ٹیکتا ہوا اُن کے سامنے آیا ۔ انہوں نے اُسکو خیمے میں بلالیا اور کھانا اسکے آگے چُنا ۔ مگر یہ دیکھکر کہ اسنے بسم اللہ کرکے لقمہ اُٹھایا اُنہوں نے اس سے پوچھا " تو خدائے واحد کی پرستش نہیں کرتا ؟ " " میں صرف آگ کی پرستش کرتا ہوں اور کوئی اَور خدا نہیں مانتا " ابراہیم بہت ناراض ہوئے اور اُسے خیمہ سے نکال دیا ۔ اب خدا نے ابراہیم سے پوچھا کہ مسافر کہاں گیا ؟ انہوں نے جواب دیا " میں نے اسے نکال دیا کیونکہ وہ تیری پرستش نہیں کرتا تھا ! " خدا نے کہا " میں نے سو برس تک اسکو اپنے دروازے سے نہ للکارا حالانکہ وہ میری عزت نہ کرتا تھا ۔ اور تو اسکو ایک رات بھی اپنے گھر میں نہ رکھ سکا ؟ " کہتے ہیں کہ اسپر ابراہیم اُسکو جاکر بلا لائے اور نہایت خاطر تواضع سے اُسے کھانا کھلایا اور دانائی کی کچھ نصیحت کی ؏

نیز اُن شخصوں کو بھی جنہوں نے علم کو ترقی دی شہادت کا جام پینا پڑا ۔ اگلے زمانے میں کوئی بات علم ہیئت ۔ علم الاشیا یا علم طبعی میں ایسی دریافت ہوتی تھی جس سے عالم پر کفر کا فتوے نہ عائد ہو

پر تو اپنا فلسفہ لوگوں کو سکھانے پر زندہ روم میں جلا دیا گیا بطلیموس کے مقلد کافر سمجھے جاتے تھے
جب اپر حبلیہ ساکن مڈل برگ نے دوربین ایجاد کی۔ تو گلیلیو نے بھی اسی بناء پر ایک جدا دوربین
بنائی۔ اور اسکو وینس کے مینار سنٹ مارک پر لیکر چڑھا تاکہ اجسام فلکی کا مشاہدہ کر سکے۔ اس نے
ستارے اور سیارے نہایت ہی ناممکن البیان مسرت سے دیکھے۔ اس نے مشتری کے قمر اور اس کے
دور سے دریافت کیے۔ اور آفتاب پر داغ دیکھے۔ اور پھر نہایت ایمانداری سے اسنے سب باتیں
لوگوں کو بتلا دیں جو اسکو براہ راست اپنی دوربین سے معلوم ہوئیں۔ یہ اپنے مشاہدے میں لگا رہا۔
اور اپنی عمر میں شاید اس نے تمام اگلے علم ہیئت جاننے والوں سے بڑھکر چیزیں دریافت کیں ؛

مگر اس زمانے کے خیالات کے یہ امر بالکل برعکس تھا۔ گلیلیو روم میں طلب کیا گیا اور جو اس نے
اپنے کفر کے مسائل شایع کیے تھے اُن کی جوابدہی کا حکم ہوا۔ اسکو مجبور کیا گیا کہ یہ اپنی رائے سے
دست بردار ہو۔ اس نے اقرار کیا کہ میں نظام شمسی کے مسئلے سے انکار کرتا ہوں۔ لوگوں نے گلیلیو
کی تصانیف کیپلر اور بطلیموس کی تصانیف کے ساتھ ممنوعات میں درج کریں۔ گلیلیو نے پھر دل
مضبوط کیا۔ اور نئی کتاب ایک بطور سوال و جواب کے اپنے مسائل کی حمایت میں شایع کی۔ دوبارہ یہ
طلب ہوا۔ اور دو زانو ہو کر مجبوراً اسے اپنے مسرت بخش مسائل سے منکر ہونا پڑا۔ گلیلیو کو اپنی رائے کی
دلیری درکار تھی۔ مگر یہ اسوقت ستر برس کا ضعیف تھا۔ جب اس نے اپنے عقاید سے انکار کیا گلیلیو کو
ایذا دی جاتی اگر یہ جواب دیتا۔ مگر تاہم حق دنیا میں موجود رہا۔ اور انسان مشاہدے کے سیدھے
اور اصلی راستہ پر لگا دیے گئے ؛

پاسکل کا بیان ہے۔ "یہ لاحاصل ہے کہ تم (جیسوئسٹ) نے روم سے گلیلیو کی نظام شمسی کے
بارے میں رائے کی تردید کے لیے ڈگری حاصل کی۔ یہ امر یقینی ہے کہ اس سے کبھی زمین ساکن نہ ثابت
ہوگی۔ اور اگر ہمکو صحیح مشاہدہ ہو جائے کہ یہ گردش کرتی ہے تو تمام بنی آدم باہم ملکر نہ تو اسکو گردش کرنے سے
روک سکتے اور نہ خود اسکے ساتھ گردش کرنے سے باز رہ سکتے۔ ممکن ہے کہ حق ایک عرصہ دراز تک
دفن رہے۔ مگر آخر یہ انجام کار سطح پر آجائیگا۔ اور جسقدر مصائب اسکو پیش آئیں اور جس قدر عرصہ
دراز تک یہ جد و جہد کرتا رہے اسیقدر اسکی فتح اور غلبہ یقینی ہے" ؛

کیپلر کی زندگی بھی ایسی ہی غمناک تھی جیسی گلیلیو کی۔ در اصل یہ ایک غریب لڑکا تھا۔ اور مالبرون کے
خیراتی سکول میں بھرتی ہوا۔ اتفاقاً یہ بہت عالم و فاضل بن گیا۔ اسنے آسٹریا میں گریٹز کی مسند
ہیئت قبول کی اور اب یہ اجسام فلکی کے مطالعہ میں مشغول ہوا۔ بعد ازاں یہ بادشاہ کا شاہی عالم ریاضی

مقرر ہوا۔ مگر اسکی تنخواہ صرف اسقدر تھی کہ جس سے اسکا اور اسکے اہل و عیال کا بخوبی گزارہ ہوسکے۔ لنٹز میں رومن کیتھلک پادریوں نے اسے مذہب سے خارج کردیا کیونکہ عشائے ربانی کے بارے میں اسکی رائے مختلف تھی۔ یہ بات مین کو لکھتا ہے :" بھلا تم خود انصاف کرو کہ میں ایسے مقام میں تمہاری کیا معاونت کرسکتا ہوں جہاں تمام پادری اور سکولوں کے مہتمم میری مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اور مجھپر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے۔ کیونکہ ہر امر میں مَیں وہ پہلو اختیار کرتا ہوں جو رضائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے "

بعد ازاں کیپلر کو بولگنا کی سند فضیلت ملنے لگی۔ مگر اپنے پہلے گلیلیو کی تکالیف اور مصائب کو دیکھکر اس نے اس سند سے انکار کیا۔ اس نے کہا: " مَیں اپنی دولت بڑھا سکتا ہوں۔ مگر بطور ایک جرمن کے اہل جرمنی ہی رہنے سے مجھکو اپنے اطوار اور گفتگو کی آزادی کی عادت ہے۔ اور اسکو اگر مَیں بولوگنا میں بھی برقرار رکھوں تو اگر خوف نہیں تو انگشت نمائی تو بالضرور مجھکو نصیب ہوگی۔ اور اسسے مَیں شک اور دشمنی کا شکار بن سکتا ہوں "

سنہ ۱۶۱۹ء میں کیپلر نے وہ مشہور قانون قدرت دریافت کیا جو علم کی تواریخ میں تاقیامت یادگار رہیگا " سیاروں کے وقتی تفاوت کے مربعوں کو ایک دوسرے سے وہی نسبت ہے جو اُن کے اصلی تفاوت کے مکعب کو ایک دوسرے سے " اس نے اس مسئلہ کی صداقت کو بسر و چشم قبول کرلیا جیسا اسنے ۱۷ سال کامل عرقریزی کی تھی۔ اسکا قول ہے " مسئلہ حل ہوگیا کتاب لکھی گئی۔ اسکو خواہ حال کی نسل پڑھے خواہ آیندہ کی۔ مجھکو اسکی پرواہ نہیں۔ مَیں اس کتاب کے پڑھنے والے کا ایک صدی تک انتظار کرسکتا ہوں جس طرح خدائے قادر مطلق چھ ہزار برس تک ایک شاہد کا منتظر رہا "

دوسری کتاب جو کیپلر نے شائع کی وہ " خلاصۃ الہیئت بطلیموس " تھی جو روم میں بعد تردید کے داخل ممنوعات کی گئی۔ اور اسی اثناء میں اسکے دل کو ایک نہایت سخت مصیبت سے صدمہ پہونچا۔ اسکی والدہ ایک ۷۹ سال کی ضعیفہ قید کی گئی اور بطور جادوگرنی کے آگ میں جلانے کی سزا کا حکم ہوا۔ کیپلر فی الفور اسکی مدد کو پہونچا اور عین وقت پر پہنچگیا کہ اسکو اس سزا سے بچالیا۔ مگر اور مصیبت کا سامنا ہوا۔ ریاست سٹریا نے حکم دیا سنہ ۱۶۲۴ء کی اسکی جنتری کے تمام نسخے عام طور پر جلا دیے جائیں اسکا کتب خانہ جلکا ضبط ہوگیا۔ اور عام کی ناراضگی سے اسکو مجبوراً شہر چھوڑنا پڑا۔ یہ یہاں سے البرٹ ویلنٹائن ڈیوک آف فیرڈلنڈ کی حمایت میں ساگن پہنچا اور یہاں کچھ عرصہ بعد دماغی بیماری سے جو کثرت مطالعہ سے لاحق ہوئی تھی فوت ہوگیا ؛

کولمبس کو بھی ہم شہید سمجھ سکتے ہیں - اس نے نئی دنیا کے دریافت کرنے میں اپنی جان قربان کر دی
اس بیچارے کو بہت عرصہ تک اپنے خیالات کی تکمیل کیواسطے جد و جہد کرنی پڑی - اسکو چند کافی وجوہات کے
باعث یقین تھا اُس امر کا جس سے تمام دنیا منکر تھی اور اسکی باتوں کو تمسخر اور حقارت میں اُڑا دیتی تھی - اسکو یقین تھا
کہ زمین گول ہے - حالانکہ تمام دنیا میں یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ یہ ہموار ہے - اس کا خیال تھا کہ تمام کرۂ ارضی کا وجود
تری ہی نہ ہوگا بلکہ خشکی بالضرور ہوگی - اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک گمان غالب تھا - مگر روح کی شریفانہ صفات ایسی
ہیں کہ اکثر ان کے وسیلہ سے بڑے بڑے باحوصلہ شخص گمان غالب کو اصلی روشنی میں دکھلا دیتے ہیں
اس کے اہل ملک کی نگاہ میں یہ امر بالکل ناممکن تھا کہ کولمبس اس ناپیدا کنار سمندر سے بچکر کبھی کسی خشکی کے
قطعہ پر پہونچے گا ؛

کولمبس جیسا کہ ایک علمی بہادر تھا ویسا ہی غریب بھی - یہ ایک ریاست سے دوسری ریاست کو گیا - بادشاہوں
اور شاہنشاہوں کو اپنی معاونت کی تحریک کی کہ یہ نئی دنیا میں کسیطرح پہنچ سکے - پہلے تو اس نے خود اپنے
ہموطنوں اہل جنوا کو آزمایا مگر کوئی متنفس بھی ان میں ایسا نہ نکلا جو اسکی مدد کی حامی بھرتا - پھر یہ پرتگال کو گیا اور
جان دوئم کو اپنی تجویز سنائی جس نے اپنی مجلس کے سامنے اسے پیش کیا - سب نے اسے ناممکن اور ایک
طفلانہ خیال بتلایا - مگر تاہم بادشاہ نے کولمبس کے خیال پر عمل کرنے کی کوشش کی - اور جس جانب اُس نے
کہا اُس جانب ایک بیڑا بھیجا گیا مگر جہاز ران ۴ روز تک طوفان میں خراب خستہ ہو کر واپس آ گئے ؛

کولمبس جنوا کو واپس آیا اور پھر اس نے عوام کے سامنے اپنی تجویز پیش کی - مگر لاحاصل - لیکن کسی امر سے یہ
مایوس نہ ہوسکا - نئی دنیا کے دریافت کرنیکا خیال اس کے صفحۂ دل سے اٹ ہوگیا تھا - یہ اسپین میں پہونچا
اور انڈلوسیا کے شہر پالوس میں اُترا - اتفاقاً یہ خانقاہ فرانسسکنس میں پہونچا اور دروازہ پر دستک
دی - یہاں کے مجاوروں نے نہایت رحمدلی سے اسکی خاطر تواضع کی - اور اسکی سرگذشت سنی - اس نے اسے
ہمت دلائی اور دربار اسپین تک کسی صورت سے اسکی رسائی کرادی - بادشاہ فرڈنینڈ نے اسکی اچھی خاطر مدارات کی
مگر اس سے کہا کہ یہ اپنی تجویز ملک کے داناؤں اور عقلمندوں کے سامنے پیش کرے - چنانچہ ایک مجلس قرار
پائی اور کولمبس کو علمی اعتراضوں کا ہی جواب دینا پڑا بلکہ انجیل کے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا - سپین کے
پادریوں نے بیان کیا کہ زمین ایک چپٹی سطح ہے - اور اگر سمندر کے پار کوئی قطعۂ خشکی کا ہو تو پھر تمام انسان
حضرت آدمؑ کی اولاد نہیں - لہذا کولمبس احمق بنا کر نکال دیا گیا ؛

مگر اب بھی یہ اپنے ارادے پر ثابت قدم رہا - اور شاہ انگلستان اور شاہ فرانس کو اس نے لکھا مگر بے سود
آخرکار ۱۴۹۲ء میں لوئی ڈی سنٹ آگسٹس نے کولمبس کو ازابیلا ملکہ اسپین کے حضور میں پیش کیا -

اس نیکبخت نے اسقدر زور اور وثوق سے اسکی سفارش اور تائید کی کہ ملکہ نے اسکی خواہش کو تسلیم کرلیا اور امداد کا وعدہ کیا۔ تین چھوٹے چھوٹے جہازوں کا بیڑہ بنایا گیا۔ اور سمندر میں چھوڑ گیا۔ اور کولمبس نے تیسری اگست ۱۴۹۲ء کو پالوس سے لنگر اٹھایا۔ یہ ایک عرصہ تک اپنے ہمراہیوں کی جہالت کا مقابلہ کرتا رہا اور ایسکو ان کی باطل پرستی کی تردید کرنی پڑی۔ اسکو بڑے بڑے خطروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ان دیکھے سمندر۔ طوفان کا خوف سفاوکشی سے موت کا کھٹکا دھنسنے کا ڈر۔ بحر ناپیداکنار کی سطح پر مایوسی کی بھیانک صورت بعض اوقات انھوں نے بغاوت کی صورت اختیار کی۔ مگر کولمبس کا دل امید سے لبریز ہو رہا تھا اور اسمیں دلیری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آخرکار ستر دن کے سفر کے بعد زمین کی صورت نظر پڑی اور کولمبس نے سان سالویڈور پر اپنا قدم رکھا۔ اسکے بعد کیوبا اور ہسپانولیا دریافت ہوئے۔ اور ان پر بادشاہ اور ملکہ اسپین کے نام سے قبضہ کیا گیا۔ اور آخرالذکر جزیرے پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا گیا۔ اسمیں کچھ آدمی چھوڑکر کولمبس اپنی سرگذشت سنانے اسپین کو واپس آیا ؛

عوام الناس نے نہایت گرمجوشی اور سرگرمی سے اسکا استقبال کیا۔ اور اسکی شہرت اسپین ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا کے پردے پر پھیل گئی۔ مگر یہ اسپین میں بہت عرصہ تک نہ رہا۔ یہ پھر امریکہ کو روانہ ہوا۔ اور اس مرتبہ تین جہاز جن میں ۱۲۰۰ آدمی تھے اسکی کمان میں تھے۔ کئی امیر کبیر بھی اس مہم میں شریک ہوئے اس موقع گواڈالوپ اور جمیکا دریافت ہوئے۔ اور سان ڈومنگو اور کیوبا کا بھی کھوج ملا۔ مگر ان امیروں کو جس سونے کی خواہش تھی اسکا پتہ نہ لگا۔ ان میں تفرقہ پڑ گیا اور اسکا انجام خونریزی ہوا۔ کولمبس نے بیفائدہ ان کے جوش کو سرد کرنے کی کوشش کی۔ مگر یہ اسکو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اسکو اپنی مصیبت کا بانی مبانی سمجھنے لگے ؛

کولمبس دوبارہ اسپین کو واپس آیا مگر اب کے اسکی وہ خاطر تواضع نہ ہوئی۔ اور گو شاہ اسپین نے بہت کچھ مسرت کا اظہار کیا مگر اسکے سلوک سے صاف صاف سرد مہری ٹپکتی تھی۔ اسکو معلوم ہوا کہ دربار میں اسکی طرف سے حسد کا مرض پھیلا ہوا تھا۔ مگر دوبارہ پھر یہ امریکہ کو روانہ ہوا۔ چھ بڑے جہاز کولمبس کو مع اسکے ہمراہیوں کے نئی دنیا میں لیگئے۔ اس موقعہ پر بر اعظم امریکہ اور چند ایک جزیرے کریبین سی میں دریافت ہوئے۔ اسی اثنا میں سان ڈومنگو کے باشندوں نے اہل اسپین کے ظلم اور بیرحمی سے برانگیختہ ہوکر علم بغاوت بلند کیا۔ اور یہی نہیں بلکہ خود اہل اسپین میں جو یہاں موجود تھے نا انصافی پھوٹ پڑی۔ کولمبس نے ان واقعات سے نہایت آزردہ اور رنجیدہ ہوکر شاہ اسپین کو لکھا کہ سنٹ ڈومنگو میں ایک مجسٹریٹ اور ایک جج بھیجا جائے ؛

دربار کے کئی ایک حاسدوں اور دشمنوں کی تحریک پر بادشاہ نے ڈان فرانسسکو ڈی بے بوڈیلو کو

تمام اختیار اور مجاز سے عالم نو کا حاکم بنا کر بھیجا۔ یہ جج نہ تھا بلکہ جلاد تھا۔ امریکہ پہنچکر جو پہلا کام اس نے کیا وہ یہ تھا کہ کولمبس کو مع اسکے دو بھائیوں کے حوالات میں قید کر دیا۔ اور پھر اُن کو پابہ زنجیر کرکے سپین کو روانہ کیا۔ کولمبس زنجیروں میں جکڑا ہوا جہاز پر سوار تھا۔ جہاز کے کپتان نے اسپر رحم کھا کر اس کی زنجیریں کھول دینے کا ارادہ کیا۔ مگر کولمبس نے کہا: "نہیں! میں ان کو بطور اپنی خدمات کے صلہ کے رکھوں گا!" اسکے بیٹے فرننڈ کا قول ہے: "یہ زنجیریں میں نے والد کے کمرے میں اکثر لٹکی ہوئی دیکھیں اور ان کی وصیت تھی کہ ان کو قبر میں میرے ساتھ دفن کرنا!"

جب یہ جہاز اسپین میں پہونچا تو بادشاہ اور ملکہ بے بیڈ لکے اس سلوک پر بہت پشیمان ہوئے اور کولمبس کو رہا کر دیا۔ اس سلوک پر کولمبس بہت غمگین تھا۔ اس نے کہا: "دنیا نے ہزاروں رنگ سے میرا مقابلہ کیا اور آج تک میں نے اسے روکا۔ مگر اب نہ میں ہتیاروں سے نہ زبان سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہوں۔ بھلا دیکھو تو کیسے وحشیانہ پن اور ظلم سے یہ مجھ سے پیش آئے!"

مگر اب بھی اسکی الہامی روح سمندر پر محو رہی۔ اس نے اپنے چوتھے سفر کے وسائل مہیا کیئے۔ اور خیال کیا کہ اس مرتبہ کے سفر سے اسپین کو بہت کچھ دولت ہاتھ لگے گی۔ اب کے اس نے جزیرہ گوناجا دریافت کیا۔ اور ہانڈوراس۔ نکاراگوا۔ پناما کا دورہ کیا۔ ویراگواس میں اترا اور یہاں سونے کی زرخیز کانیں اسکو ملیں۔ اس نے دریائے بے لن پر ایک بستی قائم کرنے کی کوشش کی مگر ایک طوفان آپڑا۔ اور اسکے جہاز تتر بتر ہو گئے۔ اور مجبوراً اسے سان ڈومنگو کو واپس ہونا پڑا۔ اب یہ ضعیف ہو رہا تھا۔ اور مصیبتوں اور رنج و غم نے اسکو خستہ اور ماندہ کر دیا تھا۔ یہ بیمار تھا کہ اسکے جہاز رانوں نے بغاوت کی اور اسکی جان لینے کی دھمکی دی۔ یہ بیچارہ مقابلہ نہ کر سکا کیونکہ کوئی اسکا معاون نہ تھا۔ مگر یکایک زمین نظر آئی۔ اور یہ صحیح و سلامت سان ڈومنگو میں پہنچ گیا۔

بعد ازاں یہ اسپین کو روانہ ہوا۔ اور یہ اسکا آخری سفر تھا۔ اب اسکی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی۔ جس وقت یہ سپین میں پہونچا اسکو کم از کم اسقدر انعام کی اُمید تھی کہ جس سے یہ اپنی زندگی کے دن آرام سے بسر کر سکے۔ مگر اسکی التجا بے سود ہوئی۔ یہ اپنی واپسی کے بعد چند ماہ تک مفلسی۔ تنہائی اور ایک قاتل مرض میں تڑپتا رہا۔ بلکہ یہاں تک کہ مرتے وقت بھی یہ قریباً فقیر تھا۔ یہ شاکی تھا کہ اسکی تقسیم اس سے لیکر بیچ ڈالی گئی تھی ایک بالشت زمین بھی اسکے اپنے رہنے کو نہ تھی۔ اور سرائے کا کرایہ ادا کرنے کی کشمکش و پیچ میں تھا۔ اسوقت اس نے ہانپتے ہوئے یہ الفاظ منھ سے نکالے جو اپنی سادگی کے باعث دل میں چبھتے ہیں: "میں ایک جنوا کے باشندے نے دور دراز مغرب میں ہندوستان کی سرزمین اور جزیرے دریافت کیئے!" ویلو ڈولڈ میں ۲۰ مئی سنہ ۱۵۰۶ء کو یہ جاں بحق تسلیم ہوا۔ اور اس کے آخری الفاظ تھے: "اے ارحم الراحمین۔ میں

اپنی روح تیرے سپرد کرتا ہوں"۔ غرض اس طرح یہ ایک زبردست شہید دنیا سے رخصت ہوا۔ اسکی ناکامی کامیابی تھی کیونکہ اس نے شرافت سے کوشش کی اور ایماندار فوت ہوا۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ کسی امر کی پیروی میں وہ بدل وجان اپنے کو مخصوص کر دیتے ہیں۔ اگلے زمانہ کے شہید۔ اگلے زمانہ کے موجد۔ اگلے زمانے کے صناع۔ اور وہ تمام جنہوں نے حق کیواسطے۔ مذہب کے واسطے اور حب الوطنی کے واسطے کارنمایاں کیئے۔ انسانیت کی امید کے بانی ہیں۔ یہ لوگ زندہ رہتے ہیں۔ اور محنت کرتے ہیں اور بغیر کسی ذاتی نفع کی امید کے دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ ان کیواسطے یہی کافی ہے کہ اپنا کام بیہ جائیں اور اخلاقی طاقت کے عمل سے اسپر عملدرآمد ہوں۔ ممکن ہے کہ ایسے شخص کو رکاوٹ پیش آئے اور مایوسی کا سامنا ہو مصیبتیں اسکو چاروں طرف سے گھیر لیں مگر یہ کشش دلیری کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اگر یہ فوت بھی ہوجائے تو اس کے بعد ایسا نام رہجائیگا جسکی تمام بنی نوع تقدیس کرینگے۔

کیا مصیبت اور مشکل نہیں درکار ہیں تاکہ چال چلن کی صورت۔ طاقت اور ہمت زندہ کی جائے؟ کوشش اور تحمل۔ مزاحمت اور مطابقت۔ دلیری اور صبر ہر جگہ درکار ہیں۔ بردباری ایک قسم کی نیکی ہے جو کامیابی کی شادمانی سے بڑھکر ہے۔ جس شخص میں اس کا وجود ہوتا ہے وہ برداشت کرتا ہے مصیبت اٹھاتا ہے اور دل میں امید کو پھر بھی لیئے رہتا ہے۔ یہ شخص مصائب کا تبسم سے سامنا کرتا ہے اور بھاری سے بھاری بوجھ کے نیچے سیدھا کھڑا رہتا ہے مصیبت اگر صبر اور تحمل سے برداشت کیجائے تو یہ انسان کی نہایت ہی اعلے صفات میں سے ہے۔ اس صفت میں ہی کوئی چیز ایسی ہے جو انسان کو بہادری کے اعلے ترین درجہ پر پہونچادیتی ہے۔ ملٹن کا یہ مقولہ تھا:"جو شخص کہ بار مصیبت اچھی طرح اٹھاتا ہے وہی سب سے اچھا کام کرتا ہے"۔

یہ سمجھنا غلطی ہے کہ کبھی ایسا زمانہ بھی آتا ہے کہ بہادری کی نیکی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یا شہادت کے زمانے بیت گئے ہیں یا جانثار کوششوں کے عہد میں ہی یہ نیکی درکار ہوتی ہے۔ ایک ایسی نسل کی خواہشوں کا روزمرہ مقابلہ کرنے میں جس نے عالیحوصلگی کا خیال چھوڑدیا ہو۔ اور جو کہ عیش و عشرت کے ہاتھ فرض کی جگہ کھو بیٹھی ہو۔ اسوقت اس ظالمانہ طاقت کیواسطے بہادری کی اشد ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

جنگ میں بھی تحمل ایسی ہی اعلے نیکی ہے جیسے دلیری۔ اور اب چونکہ جنگ نے علم کی صورت اختیار کی ہے تحمل کا مرتبہ اور بھی اعلے ہوگیا ہے۔ نہایت ہی عمدہ قواعددان سپاہی کو جس جگہ یہ

کھڑا کیا گیا ہے مستعد کھڑا رہنا ضروری ہے "مستعد رہو۔ جوانوں!" حکم ہے۔ سپاہی بغیر حرکت کرنے کے بہادری سے خطرے کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتا ہے۔ اور اسکے ارد گرد گولیوں کی بوچھاڑ عزرائیل کا کام کرتی ہے۔ جب یہ آگے بڑھتا ہے اسوقت اسکے واسطے تحمل ضروری ہے۔ اور پھر حملہ کا وقت آجاتا ہے۔ مگر جب تک حکم نہ ملے اسکو مطلق اجازت نہیں کہ بندوق اٹھائے۔ مگر صرف حملہ ہی کے وقت تحمل حد درجہ کا ضروری نہیں بلکہ اُسوقت بھی جبکہ شکست کھا کر پیچھے پھرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس روشنی میں دیکھنے سے زینوفنا کی دس ہزار جوانوں کی مراجعت سکندر کی فتح کو چمکا رہی ہے۔ اور معرکہ کورنا میں سر جان مور کی واپسی ایسی ہی مشہور ہے جیسے ولنگٹن کی فتوحات ؛

دنیا میں بکثرت ایسے آدمی گزرے ہیں جنھوں نے اپنے ملک کی خاطر جام شہادت پیا ہے۔ **کالون** نے گارون کے اہراتے ہوئے سرسبز اور زرخیز کھیتوں کو سامنے دیکھکر کہا "یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ کہ ایسی زمین اُن بدمعاشوں کے تصرف میں ہو جو ہمارے مذہب میں نہیں آگے بڑھو! اور ان کی زمین پر قبضہ کر لو!" ؛

جب اہل فارس نے یونان پر حملہ کیا تو **لیونیڈاس** اپنے ۳۰۰ جوانوں کو لیکر درہ تھرماپولی پر دشمنوں کے مقابلہ کو پہونچا۔ ایک بڑی خونریز جنگ شروع ہوئی۔ بہت سے حملہ آور موت کا شکار ہوئے۔ لیونیڈاس اور یہ معدودے چند اُسکے ہمراہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ مگر یونان بچگیا ؛

جوڈس مکابیس بھی لیونیڈاس سے کسی طرح کم بہادر نہ تھا۔ اس نے اپنی اُمید دل میں لئے ہوئے ۸۰۰ نوجوانوں سے ۲۰۰۰۰ سر پاؤں کا مقابلہ کیا۔ جوڈس ایلیسا پر اپنے قدم جمائے اور اسکے ہمراہیوں نے اسے واپسی کی تحریک کی۔ اس نے جواب دیا "خدا نہ کرے کہ میں بھاگوں اگر ہمارا وقت پورا ہو گیا ہے تو ہمکو چاہیئے کہ اپنے بھائیوں کیواسطے مرجائیں اور اپنی عزت پر دھبہ نہ آنے دیں"۔ جنگ بڑی غضبناک اور خونریز تھی۔ جوڈس اور اسکے ہمراہیوں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور آخر کار ایک ایک کر کے بغیر پیٹھ دکھلانے کے سب کام آئے۔ مگر اُن کی موت لاحاصل ثابت ہوئی۔ یہودیوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ انھوں نے حملہ آوروں کو مار کر بھگا دیا اور یروشلم پھر مشرق کا نہایت عالیشان شہر بن گیا ؛

اہل روما کو بھی بہادری اور اپنے ملک کی حمیت کی خبر تھی۔ مگر ہم اس سے قریب تر زمانہ میں آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ملکوں نے جن کی آبادی مقابلتاً کچھ بھی نہیں بیحد مشکلوں کے سامنے اپنی آزادی برقرار رکھی ہے۔ یہ ملک کی وسعت نہیں ہے بلکہ اس کے باشندوں کا چال چلن ہے جو اسکو

قابل قدر بناتا ہے۔ اور شہرت کا تاج اُسکے سر پر رکھتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ پے در پے آزادی کے واسطے چلّاتے ہیں۔ مگر کوئی کام ایسا نہیں کرتے جو اسکے سزاوار ہوں۔ یہ کاہل سُست اور خود غرض رہتے ہیں۔ اس قسم کی حبّ الوطنی کی کچھ بھی توقیر نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسی ہے جیسے کہ بھیڑیے چلا رہے ہوں۔ سچی حب الوطنی کچھ اَور ہی چیز ہے۔ اسکی بنیاد ہوتی ہے دیانت داری پر۔ صداقت پر۔ فیاضی پر۔ ایثار پر۔ اور آزادی کی سچے عشق پر ۞

مثلاً سوئٹزرلنڈ کی چھوٹی سی سلطنت کو دیکھو۔ جو سینکڑوں برس تک ظالمانہ فرمانروائی کے نیچے دبی رہی۔ مگر لوگ یہاں کے کفایت شعار اور بہادر ہیں۔ اور دیانت اور خود مددی ان کا اصول ہے اُنپر خواہ کوئی بھی فرمانروا ہوتا مگر پھر بھی یہ خود اپنے آپ پر حکومت کر لیتے۔ انھوں نے ضمیر منیر کی آزادی تسلیم کر لی۔ اور سوئٹزرلنڈ بھی انگلستان کی طرح ہمیشہ اُن لوگوں کا جائے پناہ رہا ہے جو دوسرے ممالک سے ایذا اور مصیبت اُٹھا کر نکلے ہیں ۞

مگر بغیر سخت کوشش کے سوئٹزرلنڈ نے بھی اپنی خود مختاری نہ حاصل کی۔ ان بہادر لوگوں کے رہنما اکثر اپنے ملک کی بھلائی کی خاطر قربان ہو گئے۔ مثلاً **آرنلڈ وان ونکلریڈ**۔ ۱۳۸۶ء میں آسٹریا والوں نے سوئٹزرلنڈ پر حملہ کیا۔ اور مقابلتاً ایک قلیل التعداد جماعت نے ان کے مقابلے کا ارادہ کیا۔ چھوٹے شہر سمپاک کے قریب آسٹریا والوں کی فوج نہایت ہمّت اور استقلال سے نیزے اُٹھائے ہوئے بڑھتی نظر پڑی۔ اہل سوئٹزرلنڈ نے ان کا سامنا کیا۔ اور چونکہ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی ان کو مجبوراً ہٹنا پڑا۔ یہ دیکھکر آرنالڈ وان ونکلریڈ سے نہ رہا گیا اور اپنے اہل ملک کے پیر دشمنوں کے مقابلے میں اُکھڑے ہوئے دیکھکر یہ ان سے چلّا کر کہنے لگا "میں آزادی کیواسطے راستہ کھولتا ہوں! پیارے ہمراہیو۔ میرے اہل و عیال کی خبر گیری کرنا"۔ یہ آگے جھپٹا اور فوج کو پھاڑ کر جسقدر نیزے اسکے ہاتھ میں آئے اُنکو لیکر اپنے سینے میں مار لیئے۔ یہ تو بیچارہ گر پڑا مگر فوج کا پرا پھٹ گیا۔ راستہ کھل گیا اور اہل سوئٹزرلنڈ نہایت دلیری سے اسمیں گھس گئے۔ اور نہایت عمدہ طرح غالب آ گئے۔ آرنالڈ وان ونکلریڈ تو مر گیا مگر اپنا ملک بچا گیا۔ اس چھوٹی سی پہاڑی جمہور نے اپنی آزادی بحال رکھی۔ یہ لڑائی ۹ جولائی کو ہوئی تھی۔ اور ہر سال بعد اس روز تمام ملک کے لوگ اپنے جانباز رہنما کے ذریعے سے آسٹریا والوں کے پنجہ سے رہائی پانیکی یادگار میں جمع ہوتے ہیں ۞

مگر سوئٹزرلنڈ کی عورتیں بھی ایسی ہی بہادر ہیں جیسے کہ مرد۔ عورتیں اخلاقی اور جسمانی خطرات کے مرحلے اسی طرح طے کرتی ہیں جس طرح کوئی بہادر سے بہادر آدمی طے کرے۔ یہ مردوں ہی کی طرح

اُس خطرے کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتی ہیں جو ناگہانی اور وحشتناک ہو۔ مثل ہے کہ بہادر بہادروں کے بیٹے بیٹیاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ بہادروں میں نشو ونما پاتے ہیں اور ان کی تمثیل سے ان کے دل بھرے ہوئے ہوتے ہیں ؎

سنہ ۱۶۲۴ء میں قریباً جنگ سمپاک کے دو سو برس بعد شاہنشاہ آسٹریا نے گریزن کو مطیع کرنا چاہا۔ صرف اس غرض سے کہ پراٹسٹنٹ مذہب اور اُسکے پادریوں کو کالعدم کرے۔ اسکی فوج درۂ پراٹیگا میں پہونچی۔ یہ درہ چاروں طرف سے بڑے بڑے بلند پہاڑوں سے محصور ہے۔ مرد جسقدر تھے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ اور صرف عورتیں باقی تھیں۔ اور جونہی ان کو آسٹریا والوں کی آمد کی خبر ہوئی۔ انھوں نے اپنے شوہروں کے آلاتِ حرب اُٹھائے۔ اور ان کے مقابلے کو دوڑیں۔ سوئٹزرلینڈ میں ایسے درے ہیں جن میں بعض اوقات چند شخص ہی ہزاروں کا مونھ پھیر سکتے ہیں۔ پہاڑوں کے اوپر سے پتھروں کی بوچھاڑ کرتی ہوئیں عورتیں نیچے اُتریں۔ اور اب آسٹریا والوں کے پیر اکھڑ گئے۔ اسمیں شک نہیں کہ مرد بھی عورتوں کی طرح بہادر تھے۔ چنانچہ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد دہقانوں نے صرف لاٹھیوں کے بل پر قلعہ کاسٹل پر حملہ کیا اور اسپر قابض ہوگئے! اس موقعہ پر عورتوں کی بہادری کی وجہ سے یہ عام دستور ہے کہ اس درہ کے میں معبد میں پہلے عورتیں جاتی ہیں پھر مرد ؎

غرض ایسے بہادر مرد اور ایسی بہادر عورتیں ہیں جن کی اہل سوئٹزرلینڈ تقدیس کرتے ہیں۔ اور یہ خاصکر دو شخص ہیں۔ ایک تو **ولیم ٹل** تیرباز اور دوسرا **ونکلریڈ** نیزہ باز۔ گو پہلے شخص کا نام بطور کہانی کے لیا جاتا ہے مگر دوسرا ایک تواریخی بہادر ہے جس مکان میں یہ رہتا تھا وہ اب تک **اِنٹروالڈن** میں مشہور ہے۔ اسکا زرہ اب تک نہایت حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ اور اسکی یادگار میں ایک بُت بنایا گیا ہے ؎

کوئی پانچ صدیاں گذریں کہ انگریزوں کو شمال میں ایک بار شکست فاش کھانا پڑی جو بعد میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ **سکاٹ لنڈ** ایک غریب مُلک تھا جس میں پہاڑی اور وحشی اقوام رہتی تھیں۔ لوگ ملک میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ یہ مُلک انگلستان کے قریب ہی تھا اور حملہ کیواسطے راستہ صاف تھا اور یہاں کے لوگ متفق نہ تھے۔ اور نہ ایک سب ہی نسل کے تھے۔ لوگوں میں آئے دن لڑائی۔ جھگڑے اور خونریزیاں برپا تھیں۔ ایک ایک کے خون کا پیاسا تھا۔ اور مطلق ایک دوسرے کا ضرورت کے وقت معاون نہ بنتا ؎

بروس کے بعد **ولیس** یہاں کے تخت پر بیٹھا۔ اور **ایڈورڈ** شاہ انگلستان نے اس کے حصہ زمین کو فتح کرلیا۔ ولیس نے تمام ملک میں قومی جوش بھڑکانے کی کوشش کی۔ گو شخص ذاتی طور پر نہایت

چالاک اور ہوشیار تھا۔ مگر اونچا جنگجو نہ تھا۔ اسکو ہرگز نصیب نہ ہوا کہ اس قدر فوج جمع کرے جسکو لیکر ایک جاں نثار لڑائی لڑے۔ اسکو فالکرک پر شکست ملی۔ درحقیقت اس شخص کو ناکامی نصیب ہوئی تاہم آئندہ کی کامیابی کیواسطے جو اس کے دل میں قومی حمیت تھی وہ زائل نہ ہوئی۔ آخرکار دھوکے میں آکر وہ کہیں پکڑا گیا اور انگریزوں کے حوالے کیا گیا۔ لنڈن پہونچکر سنہ ۱۳۰۵ء میں سنٹ بارتھولومیو کے تیوہار کے ایک روز قبل یہ قلعہ سے سمتھ فیلڈ میں لایا گیا اور یہاں اسے پھانسی ملی۔ غرض اس طرح شہید آزادی کو موت کا شکار ہونا پڑا۔ مگر اسکی زندگی لاحاصل نہ ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے اہل ملک کے دلوں میں حب الوطنی پھونک دی۔ اور وہ زمانہ آگیا جب یہ اس قابل ہو گئے کہ اسکی تمثیل کی تقلید کامیابی سے کر سکے ؛

رابرٹ بروس قوم نارمن سے تھا۔ یہ آدھا انگریز اور آدھا اسکاچ تھا۔ اور اپنی مادری ذات سے اس نے سکاٹ لنڈ کے تخت کا دعویٰ کیا۔ بہت کچھ خطرے اور چند در چند مصائب برداشت کرکے جن کا اس نے نہایت دلیری سے سامنا کیا۔ اس نے محبان وطن کی ایک فوج جمع کی ہے۔ اور سنہ ۱۳۱۴ء میں مقام بنکبرن پر یہ انگریزوں کے سامنے ہوا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے تمام فوج نے دوزانو ہوکر نماز کے واسطے سر جھکائے۔ ایڈورڈ ثانی شاہ انگلستان دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے مصاحب کی طرف پھر کر کہا: "ار جنٹلمین۔ باغی مطیع ہو گئے! یہ معافی کے خواستگار ہیں!" جواب ملا: "جہاں پناہ آپ بجا فرماتے ہیں۔ مگر وہ آپ سے معافی کے خواستگار نہیں!" غرض لڑائی شروع ہوئی اور سکاٹ لنڈ کا ستارہ غالب رہا ؛

روم میں جو انگریزی سفیر تھا اس نے جان دوازدہم کو تحریک کی کہ رابرٹ بروس کو لکھکر سلطنت سکاٹ لنڈ کو مذہبی طور پر یہ اپنے زیر فرمان کرے۔ اس عریضے کے آنے پر آربروتھ میں سنہ ۱۳۲۰ء میں ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ آٹھ ارل اور ۲۱ اُمرا نے مجلس کی طرف سے ایک خط پوپ کو اپنے دستخط سے لکھا کہ "جب تک ہم میں سے ایک متنفس بھی زندہ ہیں ہم ہرگز انگلستان کے مطیع نہوں گے۔ ہم نہ تو شادمانی کے واسطے لڑتے ہیں نہ دولت یا عزت کے واسطے۔ بلکہ صرف آزادی کی خاطر جسکو ہر ایک جاندار روئے زمین کے پردے پر پسند کرتا ہے"۔ گو بکثرت لڑائیاں ہوئیں۔ اور بڑی بڑی زبردست قوموں نے اس کمزور قوم کو نئے مذہبی طریقوں کے اختیار کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ مگر نتیجہ کچھ نہوا تمام تواریخ سکاٹ لنڈ کی ان کوششوں کی مجسم تردید ہے۔ اسکا سبق ہے اول تو شخصی طاقت اور بعد میں ضمیر ممیز کے حقوق ؛

انھیں ایام میں ایک اور شکست انگریزوں کو نصیب ہوئی جو بنکبرن کی طرح بعد میں بہت مفید ثابت ہوئی۔

اور یہ معاصرہ آرلینز تھا جس سے بقول ڈاکٹر ارنالڈ "تواریخ اقوام کی کایا پلٹ گئی" انگریزوں نے فرانس کو پامال کر دیا تھا - یہ پیرس میں پہنچ گئے تھے اور آرلینز کا محاصرہ کیا ہوا تھا - اسوقت فرانس کی حالت نہایت مصیبت زدہ اور قابل افسوس تھی - بڑے بڑے سرآوردہ امرا اور ارکین سلطنت نے بادشاہ چارلس ہفتم کو چھوڑ دیا تھا - اور الگ الگ اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی خودمختار سلطنتیں قایم کرنے میں مصروف تھے - شہر کے شہر بلا مزاحمت مطیع ہوتے چلے جاتے تھے - لوگوں پر جبراً محصول لگائے گئے - اور یہاں تک کہ بادشاہ کی شکم سیری کیواسطے بھی کوڑی نہ رہی اور فوج کے اخراجات تو درکنار رہے لوگوں کا اعتبار بادشاہ اور امرا سے بالکل اٹھ گیا اور ان کے دل میں یہ تمنا تھی کہ خدا غیب سے کوئی سبب انکے ملک کی بہتری کا پیدا کردے ؛

سبحان اللہ! کیسی خفیف سی بات نے ایک تمام قوم کی حالت بدل دی - ایک عورت - ایک دہقان لڑکی جو بیچاری سوئی کا کام کرتی تھی اور مویشیوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی فرانس کی مدد کو نکلی - اسکا نام تھا **جون آف آرک** - اور یہ لورین کے قصبہ ڈوم ریمی میں پیدا ہوئی تھی - یہ لڑکی سیدھی سادی نیکبخت اور متقی اور دیندار تھی - چونکہ اسکی فطرت میں سرگرمی اور جوش کوٹ کوٹ کر بھرا تھا - یہ بڑے بڑے پرجوش خواب دیکھا کرتی اور کسی کو اپنے کان میں کچھ کہتے ہوئے سنتی - اس نے کسی کو کہتے ہوئے سنا "شاہ فرانس کی مدد کو جا اور یقین جان کہ تیری مدد سے دوبارہ اسکو سلطنت ملجائیگی" کپتان **باڈریکورٹ** کو جب اسکی خواہش معلوم ہوئی تو یہ اسکو دیوانی سمجھا - مگر آخر کار یہ اسکی صدق دلی سے بہت متاثر ہوا - اور ایک دستہ فوج کا اسکو دیکر بادشاہ کے پاس بھیجا - یہ ۱۵۰ میل تک انگریزی عملداری میں سے گذری اور بالآخر بیرین تک صحیح وسلامت بادشاہ کے دربار میں جا پہونچی ؛

بادشاہ تو یہ چاہتا ہی تھا کہ خواہ کسی طرح ہو کوئی اسکی مدد کو نکلے - پادریوں اور دینداروں نے اسے جادوگری سمجھا اور خیال کیا کہ شیطان کی ورغلائی ہوئی ہے - انگریز بھی اس اثنا میں خرابی اور بے ترتیبی کا شکار بننے لگے تھے - یہ آرلینز کے سامنے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ گئے اور ان کی طاقت دن بدن بسرعت تمام کمزور ہونے لگی - **ارل آف سالسبری** کی وفات کے بعد بہت سے سپاہی فوج سے علیحدہ ہو گئے - اور برگنڈی جو انگریزوں کے شریک تھے اپنے ڈیوک کے حکم پر واپس آ گئے - اب صرف کوئی ۲۰۰۰۰ یا ۳۰۰۰۰ - انگریز رہ گئے اور یہ بھی دن رات کمزوری اور خرابی میں پڑنے لگے - **مکلٹ** کا قول ہے "ان جوانمرد اور کثیر التعداد کپتانوں کی فہرست پڑھکر جنہوں نے قلعہ میں گھسکر آرلینز کو چھڑایا اس سے یہ معرکہ کچھ بہت تعجب خیز نہیں معلوم ہوتا" ؛

جون آف آرک نے انگریزوں پر حملہ کیا اور گو یہ دوشیزہ اس حملہ میں زخمی ہو گئی مگر انگریز نکال باہر کیئے گئے - مگر آرلینز کے محاصرے ہی کے اٹھانے پر اسکو اطمینان نہوا - اسکو خیال تھا کہ انگریزوں کو ملک بدر کر دے - چنانچہ اسکی کمان میں فوج نے انگریزوں پر پھر مقام پاٹے پر حملہ کیا اور یہاں پھر انگریزوں کو شکست ملی - اور اسکی پیشین گوئی کے مطابق مقام ریمیز میں **چارلس** کو تاج پہنایا گیا - اب جس کام کا اس نے ارادہ کیا تھا اسکو اس نے تکمیل کو پہونچا دیا - اور اب اس نے چاہا کہ اپنے وطن کو جا کر اپنے والدین سے ملے اور اپنے مویشیوں اور زراعت کی نگرانی کرے - مگر بادشاہ نے اسکی درخواست نامنظور کی - اس نے بچشم خود دیکھ لیا تھا کہ کس طرح جون آف آرک کی بدولت فرانسیسی فوج فتح اور نصرت کے مرتبے پر پہونچی تھی - لہذا اس نے اسکو فوج میں ہی رکھنا چاہا مگر اسوقت سے وہ بھروسہ اسکو اپنے پر نہ رہا - یہ ڈانواں ڈول اور بے چین رہنے لگی - اور گو اس نے لڑائی جاری رکھی مگر کوئی فیصل نتیجہ اس سے ظہور میں نہ آیا *

انگریزوں اور برگنڈیوں نے پھر ملکر دریائے آئز پر کمپینگی کا محاصرہ کیا - اسی روز جون آف آرک نے حملہ کیا اور قریب تھا کہ یہ غالب آئے - مگر انگریزوں اور برگنڈیوں نے اسے شہر کے دروازے تک پیچھے ہٹا دیا اور یہاں یہ گھر گئی - چنانچہ برگنڈیوں نے اسے گھوڑے سے کھینچ لیا اور قید کر لیا - غرض اسی کے اہل وطن نے پکڑ کر اسے **رُوان** کی عدالت کے حوالے کیا تاکہ اسکا مقدمہ کیا جائے - بڑے بڑے فرانس کے پادری اور بشپ اسکے فیصلہ کیواسطے مقرر ہوئے *

شاہ **چارلس ہفتم** نے جسکو صرف اس بہادر دوشیزہ کی بدولت تاج و تخت نصیب ہوا تھا اسکی رہائی کی ذرہ بھی کوشش نہ کی - غرض بہت طول طویل بحث کے بعد مذہبی عدالت نے یہ فیصلہ کیا کہ "یہ لڑکی سراسر شیطان کی مطیع تھی اور اسلئے زندہ جلا دینے کے قابل تھی - فرانسیسی برگنڈیوں نے بھی اسکی اس سخت سزا کی کچھ تردید نہ کی - اس زمانہ میں یہ رسم تھی کہ تمام جادوگر اور جادوگرنیاں اور جو شیطان کے مطیع ہوتے تھے زندہ جلا دیئے جاتے تھے - چنانچہ جون آف آرک کو بھی یہی سزا ملی - غرض اس دوشیزہ نے رُوان میں **پلیس ڈی لا پوسیلی** پر جام شہادت نوش کیا جہاں اسکی یادگار میں ایک بُت اب کھڑا ہے *

مکلٹ کہتا ہے بڑے تواریخ ہمکو بعید شہیدوں کے نام بتلاتی ہے جو زیادہ یا کم غرض ہر طرح نیک نیت اور بشاش تھے - بہت سے تکبر کے شہید ہیں اور اسی طرح مادہ مخالفت اور نفرت کے - کوئی زمانہ بھی شہیدوں سے خالی نہیں - نیکبخت دوشیزہ اپنی آپ ہی نشانی ہے جو نیکی سخاوت اور روح کی فرحت سے

پُرہے۔ اسمیں زمانہ سابق کے شہیدوں کی بشاشی اور شادمانی تھی مگر کچھ فرق تھا۔ جون نے سخت سخت مصیبت اور جنگ میں علم کو نہ چھوڑا۔ یہ بدوں میں نیک تھی۔ خود جنگ میں پرامن تھی۔ اور لڑائی میں یہ خدا کی روح اپنے ساتھ لیجاتی تھی"۔

فرانسیسی جون آف آرک کو بھولے نہیں۔ بہت سے بُت اُسکی یادگاریں بنائے گئے۔ یہ فرانسیسی سپاہیوں میں نسلاً بعد نسلٍ تقدیس کی مستحق رہی ہے۔ جب کوئی دستۂ فوج کا ڈوم ریمی میں سے گذرتا ہے تو سپاہی بلاناغہ اُسکی مولد کی توقیر اور عزت کے لحاظ سے یہاں سلامی دیتے ہیں۔ یہ امر نہایت ہی مؤثر ہے کہ ابتک یہ رسم مروج ہے۔ اور اس دوشیزہ کی یادگار اسکے ملک میں جسکی اس نے ایسی وفاداری و جانثاری سے خدمت کی ابتک تر و تازہ ہے۔

باب ششم

انجام تک بُردباری۔ سیوونارولا

شرح کو کرتی ہے مغلوب محبت اور روح
جو بظاہر تھی فراموش یہ کرتی ہے خیال
کہ خدا قادرِ مطلق تھی جدا جس سے یہ
ذات سے اُس کی ہوا اس کا دوبارہ ہے وصال
لیٹ کر گود میں آرام سے اس کی پھر یہ
جاتی ہے سُوئے عدم ہو کے قناعت سے نہال

(کیبل)

زندہ رہے محض زندگی نہیں اسکا نام   اور موت نہیں کہ صرف پی لیا موت کا جام

(ھنمٹ)

اب ہم اٹلی کے چند بڑے بڑے بہادر شہیدوں کا ذکر کرتے ہیں۔ زوال سلطنت روما کے بعد انسان کی کمینی فطرت نے پھر زور پکڑا۔ مذہب کا ان میں کچھ دخل نہ رہا۔ اور فی الحقیقت کلیسیا نے ان کی پیروی کی۔ سنٹ برنارڈ نے رومیوں پر ان شدید الفاظ میں ان کی بدیوں اور عیبوں کا دھبہ لگایا "ان کی

فضول نمائش اور تکبر سے کون لاعلم ہے؟ یہ وہ قوم ہے جس نے سرکشی اور بغاوت میں نشوونما پایا ہے۔ اور جو کہ مطابعت کی تحقیر کرتی ہے۔ جب تک اسمیں ذرہ بھی مزاحمت کی طاقت ہے۔ ضرر رسانی میں چالاک۔ اور نیکی کے علم سے ہی بے بہرہ ہیں۔ زنا اور سرشوری۔ دغابازی اور بغاوت ان کی حکمت عملی کے روزمرّہ کے شگوفے ہیں"۔

بدہوائی اور بدذاتی اعلےٰ طبقوں میں سوسائٹی کی حالت پر اپنا اثر بد پھیلانے سے نہیں چوکتیں جب سب لوگ یکساں لہو ولعب میں غوطے کھانے لگتے ہیں تو غریب اور مفلس بھی ان کی ہوا سے نہیں بچتے۔ اعلےٰ درجہ کے لوگوں نے اٹلی کو عیاشی اور اوباشی سے بھر دیا۔ اور مفلس اور غریب لوگوں کیواسطے صفحۂ اٹلی پر مصیبت اور اور اقسام بدی کے پھیل گئے۔ کلیسیا کے خادم بھی عوام النّاس سے کچھ پیچھے نہ تھے عام مقولہ تھا: "اگر اپنی اولاد کو شریر اور بدذات بنانا چاہو تو اُسے بس پادری بنا دو" غرض اس طرح وہ قوم جو کبھی بہادری اور زور آوری میں شہرۂ آفاق تھی اسوقت اخلاقی تباہی کے غار کے کنارے پر کھڑی تھی۔

بارھویں صدی میں **ارنالڈ ساکن بریسکیا** نے آزادی کا ناقوس اٹلی میں پھونکا۔ یہ کلیسیا کے ادنےٰ درجہ کے خدام میں تھا۔ اور نہایت پُرجوش اور فصیح واعظ تھا۔ اس نے ذرات نیکی محبت اور راستبازی کا وعظ کیا۔ اور ساتھ ہی آزادی کی تقریر بھی نہ چھوڑی۔ اسکی تمام تعلیم میں بس یہی آزادی کا وعظ سب سے بڑھکر خوفناک تھا۔ تاہم لوگ اسکی بطور ایک محب وطن کے تقدیس کرتے تھے۔ مگر پوپ کے کان بھرنے کیواسطے اسکے دشمنوں کی کچھ کمی ملک میں نہ تھی۔ **انوسنٹ** دوم نے اسکے خیالات کی تردید کی اور مجسٹریٹ بریسکیا اسکی سرزنش اور سزا پر آمادہ ہوا۔ مگر ارنالڈ کو پہلے ہی سے خبر پہونچ گئی اور یہ الپس کے پار سوٹزرلنڈ میں بھاگ گیا جہاں اسکو **زیورچ** میں پناہ ملی۔

پھر دوبارہ تمام خوف وخطر کو بالائے طاق رکھکر یہ الپس سے گذر کر روم میں پہونچا اور آزادی کا علم بلند کیا۔ تمام رعایا اور اُمرا نے اسکی حمایت کی اور دس سال تک اس نے اپنی فصاحت سے تمام ملک میں تہلکہ ڈالدیا اس نے لوگوں کو ان کے حقوق کی حفاظت کیواسطے برانگیختہ کیا اور کلیسیا اور سلطنت کے تعلقات کی علیحدگی کی تحریک کی۔

اسکا عمل دو پوپوں کی زندگی تک رہا مگر **اڈرین چہارم** کی تخت نشینی پر ارنالڈ کی بہت بہادری اور استقامت سے مزاحمت کی گئی۔ پوپ نے تمام رعایا پر اپنا عتاب نازل کیا۔ اور اس عتاب کی مدعا یہ تھی کہ ارنالڈ قطعی ملک سے نکال باہر کیا جاوے۔ غرض ارنالڈ پکڑا گیا اور موت کا حکم اسکے واسطے صادر ہوا۔ یہ ایک بے پروا اور ناشکر گذار قوم کی آنکھوں کے سامنے زندہ جلادیا گیا۔ اور اسکی راکھ دریائے ٹائبر میں بہادی گئی تاکہ کہیں لوگ

اپنے رہنما کی راکھ اور ہڈیوں کی پرستش نہ کرنے لگیں ؎

اٹلی میں اسی بدہوائی - عیاشی اور لہو و لعب کا دور دورہ تھا - ایک ریاست دوسری کے خون کی پیاسی تھی اور ملک تباہی اور بربادی کی ٹھوکریں کھا رہا تھا - تیرھویں صدی میں ڈینٹے کا ظہور ہوا اور اس نے دوبارہ آزادی کا ڈنکہ بجایا - ابدی انصاف پر اس کا اعتقاد تھا - صداقت کی نیکی اور محبت سے جو اسکی روح کو سرشار کر رہی تھی اسنے تمام اٹلی کے باشندوں کے مقتضیات طبائع کا مقابلہ کیا - تمام ملک اٹلی دبدیا نگی میں دوزخ اور بہشت کے عین بیچ میں مذبذب ہو رہا تھا - اس شخص کی تمام روح اعلے درجہ کے دلائل سے پر ہو گئی - اور اس نے اپنے بے نظیر راگوں سے خدا تک پہونچنے کا رستہ ان لوگوں کو دکھلانا چاہا ؎

اٹلی کے زوال کے طول طویل زمانے میں اسکے الفاظ اپنے ملک کی تاریکی میں آفتاب کا کام دے گئے - یہ اپنی قوم کی آزادی کا بہادر تھا جس کے عشق میں اس نے جلاوطنی - ایذا - اور موت کسی سے بھی ہمت نہ ہاری اس نے اپنی کتاب میں ارنالڈ ساکن بریسکیا کی طرح مذہبی اور ملکی تعلقات کی علیحدگی پر زور دیا اور پوپ کی مذہبی حکومت کی اس نے بہت کچھ تردید کی - یہ کتاب اسکی علانیہ طور پر عوام الناس کے سامنے بولوگنا میں جلا دی گئی - یہ اٹلی کے تمام قومی شعرا میں سے ایک ایسا شخص تھا جس سے عوام الناس کو سب سے بڑھکر محبت تھی - اور سب سے بڑھکر اسکی تصنیف پڑھی جاتی تھی - یہ فلارنس سے ۱۳۰۲ء میں شہر بدر کر دیا گیا - اسکا گھر لوٹ لیا گیا - اور اسکی عدم موجودگی میں سپر موت کا فتویٰ صادر ہوا کہ یہ زندہ آگ میں جلا دیا جائے - اپنے ایام جلاوطنی میں اس نے کئی ایک نہایت ہی عمدہ کتب تصنیف کیں - لوگوں کو اسکا خیال تھا - ان کے دلوں میں اسکی تقدیس تھی - اور اس سے ان کو محبت تھی - اب یہ خواہش ہوئی کہ اسکی جلاوطنی کا حکم منسوخ کیا جائے اور یہ پھر فلارنس میں بلایا جائے ؎

زمانہ سابق کی یہ ایک رسم تھی کہ فلارنس میں سنٹ جان کے تیوہار کے روز چند مجرم معاف کئے جاتے تھے چنانچہ ڈینٹ کو لکھا گیا کہ اسکو بھی معافی ملیگی مگر اس شرط پر کہ یہ بطور مجرم کے حاضر ہو - جس وقت یہ تجویز اسکو معلوم ہوئی یہ بلند آواز سے بول اٹھا ”ٹ کیا! یہی اس نا انصاف سزا کی تردید ہے جس سے ڈینٹ الیجیری اسقدر مصائب اور جلاوطنی کی تکالیف کے بعد اپنے ملک کو بلایا جاتا ہے؟ کیا حب الوطنی کی یہی قیمت ہے؟ کیا میری لگاتار محنت اور مطالعہ کا یہی صلہ ہے؟ . . . . . اگر اس طور پر میں فلارنس کو واپس جا سکوں تو فلارنس اس امید سے ہاتھ دھو بیٹھے کہ میں اس شہر میں اپنا قدم رکھوں - اور پھر ہوا کیا؟ کیا جس جگہ میں ہونگا وہاں مجھ کو آفتاب اور ستارے دیکھنا نصیب نہ ہونگے - اور کیا بغیر اسکے کہ میں خوشی اور شادمانی سے تہیدست ہو کر اور قریباً ایک طور کی بدنامی میں اپنے کو اہل فلارنس کے حوالے کروں میں اس قابل نہ ہونگا کہ اپنی صداقت کا وعظ

خداتعالیٰ کی زمین پر کسی جگہ اس کے بندوں کو سناؤں ۔ روٹی نے ابھی مجھ سے مونھ نہیں پھیرا! میں ہرگز! ہرگز! نہ واپس جاؤں گا!" غرض اس طرح ڈینٹ نے اس معافی سے انکار کیا۔ اور یہ بیس سال تک جلاوطن رہکر روینا میں ۱۳۲۱ء میں فوت ہوگیا ؛

کوئی ایک صدی بعد ایک اور آزادی کا پہلوان پیدا ہوا جو کہ ایک نہایت ایماندار۔ وفادار۔ جان نثار اور دلیر شخص تھا اور جو کہ تواریخ کے جواہرات میں سے ہے یعنی **جرولامو سیوونارولا** ۔ یہ فرارا میں ۱۴۵۲ء میں پیدا ہوا۔ اسکے والدین گو غریب مگر اشراف تھے۔ اس کا والد عدالت کا چپراسی تھا اور اس کی ماں نہایت نیک چلن اور اشراف عورت تھی۔ پہلے یہ تجویز ہوئی کہ جرولامو کو طبابت سکھلائی جاوے مگر اسکا میلان طبیعت اسکو کسی اور ہی طرف کھینچ لیگیا ؛

اٹلی ابتک اپنی خرابی۔ بدہوائی اور بدذاتی میں مبتلا تھا۔ امیر غریبوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور غربا بیچارے لاچار بے یار و مددگار مصیبت زدہ تھے اور زمانہ کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ اس شخص نے دنیا کو اپنا مخالف پایا اور چاروں طرف جو جو عیوب پھیلے ہوئے تھے اُن کو دیکھکر یہ کانپ اٹھا۔ اس نے کہا "یہاں کوئی نہیں بلکہ ایک بھی نہیں جو اس چیز کا خواہاں ہو جسے نیکی کہتے ہیں۔ ہم بچوں اور ادنیٰ درجہ کی مستورات سے کچھ البتہ سیکھ سکتے ہیں کیونکہ ان میں کسیقدر نیکی باقی رہگئی ہے۔ نیکوں پر ظلم کیا جاتا ہے اور یہ ستائے جاتے ہیں۔ غرض اہل اٹلی اُن مصریوں کی طرح ہیں جنہوں نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیر میں جکڑا تھا" ؛

آخرکار جرولامو نے ارادہ کیا کہ بدی کی اس دنیا کو ترک کرکے اپنے کو تمام تر مذہب کیواسطے وقف کردے تئیس سال کی عمر میں اس نے اپنا بقچہ باندھا اور بغیر اپنے والدین سے رخصت ہوئے گھر سے نکلکر سیدھا بولوگنا میں پہونچا۔ یہ یہاں خانقاہ سان ڈومنگو میں گیا اور نوکری کی اجازت مانگی۔ چنانچہ اسے فی الفور یہاں اسکو نوکری مل گئی اور اس نے اپنا کام سیکھنا شروع کیا۔

اسکے بعد اس نے اپنے والد کو مکان چھوڑنے کے وجوہات حسب ذیل لکھے ؛ "بعض اغراض نے مجھکو دینداری کی زندگی اختیار کرنے کی تحریک کی وہ حسب ذیل ہیں ؛ ۔ دنیا کی بڑی بھاری مصیبت۔ لوگوں کی شرارت۔ اُنکی اوباشی اور لہو و لعب۔ ان کا تکبر اور بت پرستی اور کفر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں اٹلی کے اندھے باشندوں کی شرارت کو زیادہ نہ برداشت کر سکا۔ اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ میں ہر جگہ دیکھتا کہ نیکی کی تحقیر کی جاتی تھی اور بدی کی توقیر اس سے بڑھکر کوئی غم بھی اس دنیا میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اسیواسطے میں نے اس پاک پروردگار سے دعا مانگی کہ وہ مجھکو اس بدنامی کیواسطے صحیح و سلامت نکال لے۔ متواتر یہ دعا میری زبان پر رہتی تھی۔ کہ خدا مجھکو وہ راستہ بتاوے جسکو میں اختیار کروں۔ اب بجز اسکے میں اور کچھ نہیں لکھ سکتا کہ آپ چونکہ جوانمرد

ہیں میری والدہ کی تسلی و تشفی کر دیں اور میں آپ سے اور اپنی والدہ سے ملتجی ہوں کہ آپ دونوں میرے حق میں دعائے خیر کریں"۔

اس زمانے میں کلیسا کی تخریب بھی قریباً لاعلاج ہو گئی تھی۔ پوپ پولوس دوئم کی مُسٹ حرص سکسٹس چہارم کی دغابازی اور بے ایمانی اور سکندر ششم (بورجیا) کے ناقابل بیان جرائم ایسے تھے جنہوں نے تمام اٹلی کے نیک بندوں میں ہُو اور سناٹے کا عالم پھیلا دیا تھا۔ سیونورولا نے ایک بار اپنے گرجے میں کہا: "کہاں ہیں زمانہ سابق کے اولیاء۔ زمانہ سابق کے حکما۔ اور زمانہ سابق کا وہ علم وہ اُلفت اور وہ نیک بختی؟ تاکہ رب العالمین۔ اس بدی۔ اس عیب کے پُر جو انسان کو صرف طوق لعنت پہناتے ہیں ٹوٹ سکتے!" اور انھیں ایام میں آزادی قریباً مفقود ہو رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے حاکم جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتے تھے ان میں اپنے آبا و اجداد کی فہم و فراست اور طاقت کی حس بھی نہ تھی۔ ان کی صرف یہ حرص و تمنا تھی کہ قدرت حاصل ہو بلا کسی مزاحمت کے بعض اوقات ان کے اس چلن سے رعایا برانگیختہ بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس طرح بہت سے علانیہ طور پر دن کو قتل ہو گئے۔ ڈیوک گیلیازو رولا کے گرجا میں تہ تیغ کیا گیا۔ ڈیوک نکالوس فرارا میں اور ڈیوک گیا نیوڈی میڈیسی فلارنس کے گرجا میں قتل ہوا۔

غرض ان بد اخلاقیوں میں سیوونورولا نے نشو و نما پایا تھا۔ خانقاہ ڈومنکو کے اعلےٰ افسر نے بہت جلد اسکے دل کی اعلےٰ صفات معلوم کر لیں۔ بجائے ادنیٰ کام کرنے کے یہ نو آموزوں کا معلم مقرر ہوا۔ مطابعت اسکا فرض تھا چنانچہ یہ بدل و جان اپنے کام میں مصروف ہوا۔ پھر یہ اس عہدے سے بدل کر واعظ کے عہدے پر مامور ہوا۔ ۳۰ سال کی عمر میں یہ اپنے مولد فرارا میں وعظ کرنے کو بھیجا گیا۔ یہاں اس کے وعظ پر کسی نے بھی کان نہ دیا کیونکہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ان کے خیال کے مطابق ایک تھا اور یہ اس سے کیا سُن سکتے تھے جو ان کو پہلے نہ معلوم تھا؟ اسکی کچھ عزت اسکے وطن میں نہ ہوئی۔ اس نے بریشکیا۔ جینے وا اور جینوا میں بھی وعظ کیا۔ جہاں اسکی فصاحت و بلاغت کی زیادہ قدر کی گئی۔

خانقاہ ڈومنکو میں قریب سات سال رہکر یہ انجام کار فلارنس میں بھیجا گیا۔ یہ اسکے واسطے نیا شہر تھا۔ اس نے کبھی جنوب کی طرف اسقدر دور و دراز سفر نہ کیا تھا۔ یہ پیدل روانہ ہوا اور اس طرح اس کو خوبصورت نظارے دیکھنے کا خوب موقع ملا۔ یہ سیدھا توگانوں کی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ اور پولوگنا اور اسکے میدانوں کو پیچھے چھوڑ کر دیکھا جن کا دیکھنا پھر اسکے نصیب میں نہ تھا۔ یہ پہاڑوں اور جنگلوں کو طے کرتا ہوا لا فوٹا کی

چوٹی پر چڑھ گیا جو سطح بحر سے قریباً تین ہزار فیٹ بلند ہے۔ یہ درۂ سیو میں ہوکر اپنے نائزکے پار پہونچا اور یہاں اسکی نظر کے سامنے فلارنس آباد تھا جو اسکی عالیشان اور نمایاں کاموں کا منظر۔ اسکی دلیرانہ زندگی کا میدان اور اسکی شہادتگاہ بننے کو تھا +

فلارنس پہونچکر **سیوو نورولا** فی الفور سنٹ مارک کی خانقاہ میں پہونچا۔ جہاں اسکی خوب خاطر تواضع ہوئی۔ اسوقت **لورینزو اعظم** کا عروج تھا۔ اس نے اپنے دشمنوں سے قید۔ جلاوطنی اور موت کے وسیلہ سے رہائی پائی تھی۔ یہ غربا کو اپنے مشغلوں۔ رقص و سرود اور اکھاڑوں سے اپنے قدموں میں رکھتا۔ یہ غربا اور امرا دونوں کے نزدیک ہردلعزیز تھا اسکے عہد کی تمام عیاشی اور اوباشی معلوم ہوتا ہے کہ فراموش ہوگئی تھی۔ کیونکہ یہ صنعت و حرفت اور اہل تصنیف کا مربی تھا۔ **ولاری** کہتا ہے کہ اسکے عہد میں: "صناع۔ اہل تصنیف۔ مدبر۔ امرا اور عوام یکساں روحانی تخریب میں غوطے کھا رہے تھے۔ نیکی۔ خواہ عمومیت یا خصوصیت میں۔ ان میں مطلق نہ تھی۔ اور نہ کوئی اخلاقی مادہ ان میں موجود تھا مذہب یا تو بطور حکومت کے ایک اوزار کے یا ادنیٰ درجہ کی ریاکاری کے مروج تھا۔ نہ تو ملکی معاملات میں کسی کا ایمان تھا نہ مذہب میں۔ نہ اخلاق میں۔ اور نہ فلسفہ میں بلکہ شک کلی یا کفر بھی تو کسی حد صداقت کے پیرایہ میں موجود نہ تھا۔ غرض تمام ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سرد لاپرواہی حکمران تھی" +

سیوو نورولا کی اس تمام سے نفرت تھی۔ جس وقت پہلی مرتبہ اس نے سنٹ لورینزو میں وعظ کیا اس نے اس زمانہ کی تخریب کی سخت مخالفت کی۔ اس نے بدی کی فولادی چابکوں سے خبر لی۔ اور قماربازی۔ دروغگوئی اور فریب دہی کی بہت کچھ انجیل کی آیتوں سے تردید کی۔ پہلے تو سامعین متعجب ہوئے۔ پھر متنفر اور بالآخر غضبناک ہوگئے "یہ کون گندمی لباس والا راہب ہے جو پہاڑیوں میں سے فلارنس کی خرابی کی تردید کو آیا ہے؟" انھوں نے اسپر آوازے کسے۔ اس سے تمسخر کیا اور اسپر ہنسی اڑائی۔ یہ خوبصورت نہیں تھا۔ اسکا رنگ گندمی اور قد میانہ تھا۔ اسکے خط و خال بدنما اور کسیقدر ناک آگے جھکی ہوئی تھی۔ یہ کشادہ دہن تھا اور ہونٹھ موٹے تھے۔ اور زنخ چوڑی اور گداز تھی۔ حالانکہ ابھی ۳۳ سال ہی کا تھا۔ مگر اسکی پیشانی پر شکن تھی۔ کیا ایسا شخص فلارنس میں کچھ توقیر یا مرتبہ پا سکتا تھا؟

خانقاہ سنٹ مارک میں اس نے نوآموزوں کی تعلیم جاری رکھی اور گاہے گاہے چند منتخب سامعین کے سامنے وعظ بھی کیا کرتا۔ اسکو منبر پر کھڑے ہوکر وعظ کرنے کی تحریک کیگئی۔ پس اس نے منظور کرلیا اور

یکم اگست سنہ ۱۴۹۰ء کو اس نے ایک نہایت عجیب اور حیرت انگیز وعظ کیا۔ اسوقت اسکی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ دوسرے سال اس نے ڈیومو میں وعظ کیا۔ لوگوں کا اسکے وعظ پر نہایت ہی ہجوم ہو گیا۔ اس انبوہ کثیر میں اس نے اپنے خیالات کا جوش بھڑکا دیا۔ اب جیسا کہ سنٹ لورینزو میں اسکا حال ہوا تھا اسکے برعکس یہ معمولی آدمی نہ رہا۔ اس نے حتی الوسع ان سوتے ہوئے لوگوں کی بدیوں کی مخالفت کی اور انکو انکے خواب سے بیدار کرنیکی کوشش کی۔ اب یہ اسکے کلام کے شائق بن گئے اور دن بدن اسکے واسطے انکا جوش ترقی پذیر ہوتا گیا ؛

ان تمام امور سے **لورینزو ڈی میڈیسی** سخت ناراض ہوا اسنے فلارنس کے پانچ مشہور باشندے اپنی طرف سے اسکے پاس بھیجے تاکہ اسے اُن تمام خطرات سے آگاہ کریں جن میں یہ اور اُسکی خانقاہ پڑنیوالے تھے۔ اس نے جواب دیا: "میں بخوبی جانتا ہوں کہ آپ اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئے ہیں بلکہ لورینزو نے آپ کو بھیجا ہے۔ لہذا آپ اس سے کہدیں کہ توبہ کیواسطے تیار ہو۔ کیونکہ خدا کسی کو مستثنیٰ نہ کریگا اور اسکو دنیاوی شہزادوں کا کچھ خوف نہیں ہے" ؛

اسی سال یہ خانقاہ سنٹ مارک کا اعلیٰ افسر منتخب ہوا۔ اس نے اب بھی اپنی دیانت اور بے لاگی کو برقرار رکھا۔ باوجود اسکے کہ لورینزو نے اسکی خانقاہ کو بڑے بڑے قیمتی تحائف بھیجے مگر یہ اسکے چال چلن کی مذمت نہایت شدت سے کرتا رہا۔ یہ بتاتا تھا کہ لورینزو نے عوام الناس کے اخلاق کو کیسا ضرر پہنچایا تھا۔ یہ اسکو دشمن ہی نہیں بلکہ آزادی کا تباہ کنندہ سمجھتا تھا۔ اور جانتا تھا کہ یہ صرف لوگوں کی بہتری کے رستے میں رکاوٹ نہ تھا بلکہ ان کے ایک سچا اور دیندار عیسائی بننے کے واسطے سخت مزاحمت کا کام دیتا تھا۔ ہمیشہ اپنے وعظ کے دوران میں اس نے قماربازی کی سخت مذمت کی گو یہ سلطنت کیواسطے خواہ کیسی ہی مفید تھی۔ اس نے اُمراء کی عیاشی اور فضول خرچی کی تردید کی کیونکہ اس سے لوگ بہت کچھ بداخلاق ہوتے جاتے تھے ؛

سیوونورولا نے نیک اعمال اور اُسکے واسطے انسان کی آزادانہ مرضی پر بہت زور ڈالا۔ اس کا قول تھا: "ہماری مرضی اپنی فطرت ہی سے دراصل آزاد ہے۔ اور یہ خود آزادی مجسم ہے"۔ خدا سب سے بڑھکر معاون ہے مگر اسکو پسند ہے کہ کوئی اسکا مددگار بنے۔ سیوونورولا کہتا ہے: "نماز میں صدق دلی کا خیال رکھو مگر انسانی وسائل کو نگاہ غفلت سے نہ دیکھو۔ تمکو ہر طرح پہلے اپنی مدد کرنا چاہیئے اور پھر خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گا۔ بھائیو ہمت کرو۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ متفق ہو"۔ اور پھر یہ کہتا ہے: "صداقت سے ہم ایک خاص عادت سمجھتے ہیں جس سے کہ ایک شخص اپنے افعال اور اقوال دونوں میں اپنے کو ظاہر کرتا ہے

جو کچھ یہ ہے نہ کم نہ زیادہ۔ یہ امر گو قانونی نہیں مگر اخلاقی فرض ہے۔ کیونکہ یہ ایک فرض ہے جو ہر ایک شخص پہ دیانت سے اسکے ہمسایہ کا واجب ہے۔ اور صداقت کا اظہار انصاف کا سب سے بڑھکر ضروری حصہ ہے"۔

انجام کار لورنیزو ڈی میڈیسی فلارنس سے ولاکوریجی میں دنیا سے کوچ کرنے کو آیا۔ گو موسم بہار کا تھا اور چاروں طرف اس مقام کے قدرتی نظاروں سے روح اور نظر کو تفریح حاصل ہوتی تھی مگر اسکی مرض اور تکلیف کو کوئی چیز بھی کم نہ کرسکی۔ لورنیزو اپنے بستر مرگ پر تھا۔ تمام دوائیاں استعمال کی گئیں۔ مگر قیمتی سے قیمتی دوائیاں بھی بے اثر ثابت ہوئیں۔ اس عظیم الشان اور اعلےٰ مرتبہ شخص کو کسی دوا نے نہ بچایا۔ اب اس نے مذہب کی طرف اپنا خیال پھیرا۔ جس قدر یہ موت کے قریب ہوتا گیا اُسکے گناہ اُسیقدر زیادتی سے اسکی نظر کے سامنے آنیلگے۔ مرتے دم کی مذہبی عادتنے بھی اسکی تسلی نہ کی اسکا تمام اعتقاد لوگوں سے اُٹھ گیا تھا۔ کیونکہ ہر ایک شخص نے اسکی خواہشوں کی متابعت کی تھی۔ بلکہ یہاں تک کہ اُسے اپنے پادری کی صدق دلی کا بھی اعتقاد نہ تھا۔ "کسی شخص کو بھی اتنی جرأت نہ ہوئی کہ میرے سامنے ثابت قدمی سے نہیں کا کلمہ کہتا"۔ بعد ازاں اسکو سیوونورولا کا خیال آیا۔ "یہ شخص اُسکی دھمکیوں یا خوشامدوں کا کبھی مطیع نہ ہوا تھا"۔ "مجھکو اس سے بڑھکر کوئی راہب متدین معلوم ہوا"۔ اس نے سیوونورولا کو طلب کیا تاکہ اسکے سامنے اپنے گناہوں کا مقر ہو۔ جسوقت اس راہب کو لورنزو کی خوفناک حالت کی خبر ہوئی۔ یہ فوراً اُسکے پاس پہونچا۔

پروفیسر **ولاری** لورنیزو اور سیوونورولا کی ملاقات کا اس طرح بیان کرتا ہے۔ سیوونورولا نہایت ادب اور توقیر سے قریب المرگ لورنیزو کے بستر کے قریب آیا۔ لورنیزو نے کہا کہ تین گناہ تھے جن کا اقرار یہ اسکے سامنے کرنا چاہتا تھا۔ اور جن کیواسطے یہ معافی کا خواستگار تھا۔ اول تو والٹیرا کا محاصرہ۔ دوئم مونٹے ڈل فنیسولا سے روپیہ حاصل کرنا جس سے بہت سی اموات ظہور پذیر ہوئیں۔ اور سوئم پاٹزی کی سازش پر خونریزی۔ اتنا کہکر لورنیزو کی حالت پھر بگڑنے لگی۔ اور سیوونورولا نے بار بار یہ کہکر اسکو مطمئن کرنیکی کوشش کی: "خدا نیک ہے اور وہ رحیم ہے"۔

لورنیزو جسوقت کہہ چکا اُسوقت سیوونورولا بولا: "تین چیزوں کی آپکیواسطے ضرورت ہے"۔ "اور قبلہ وہ کیا ہیں؟" سیوونورولا کا چہرہ سنجیدہ بن گیا اور اس نے اپنے دہنے ہاتھ کی اُنگلی اُٹھا کر کہا: "اول تو یہ ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ کے رحم پر آپکا پورا پورا اور سچا بھروسہ ہو"۔ "یہ مجھ میں بخوبی ہے"۔ "دوم یہ ضروری ہے کہ جو آپ نے ناانصافی سے لیا ہے اسے یا تو آپ واپس کریں یا اپنی اولاد کو اُسکے واپس کرنے کی وصیت کر جائیں"۔ اس امر سے اسکو بہت تعجب اور غم ہوا مگر تاہم نہایت

کوشش کر کے اس نے سر ہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کر دی ٭

اب سیوونورولا اٹھا۔ اور جس وقت یہ قریب المرگ شہزادہ خوف سے لرزنے لگا راہب نے اٹھکر کہا " اور آخر میں یہ آپکے واسطے ضروری ہے کہ آپ اہل فلارنس کو ان کی پوری پوری آزادی دیں "۔ اسکا چہرہ نہایت سنجیدہ تھا۔ اور اسکی آواز قریباً ہولناک تھی۔ اسکی آنکھیں جواب کے انتظار میں لورنیزو کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ مگر آخرالذکر نے اپنی اس تمام فطرتی طاقت کو جمع کر کے بلا کچھ کہے حقارت سے پیٹھ پھیر لی اور اس طرح سیوونورولا بغیر کچھ معافی کا فتوے دیئے یہاں سے چلا گیا۔ اور لورنیزو اپنے گناہوں اور جرموں کے غم و الم میں غلطاں و پیچاں عدم کو سدھارا ٭

اسکے بعد اسکا بیٹا پائرو تخت نشین ہوا یہ ہر طرح اپنے باپ سے بڑھکر بدتر تھا۔ نہ تو اس نے علم کی قدر کی نہ صنعت کی۔ بلکہ عیاشی اور اوباشی کا بندہ بن گیا۔ سیوونورولا اپنے حسب عادت وعظ میں مشغول رہا۔ پائرو کے دباؤ پر یہ کچھ عرصہ کے لیئے باہر بھیجا گیا اور پیسا۔ جنوا اور اور مقامات میں یہ وعظ کہتا پھرا۔ اس نے قانون مفلسی کو اپنی خانقاہ میں مروج کرنے کے واسطے بہت زور لگایا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ راہب جہاں تک ہو سکے اپنے دست بازو کی روزی پر گزارہ کریں۔ جب کبھی فلارنس پر مصیبت آئی اس نے خیال کیا کہ شہر سے چلا جائے اور باہر جا کر انجیل کا وعظ لوگوں کو سنائے ٭

مگر نہیں یہ فلارنس ہی میں رہا۔ لوگ اسکو جانے نہ دیتے تھے۔ یہ لوگوں کے ہجوم کے ہجوم کو ڈیومو میں وعظ سناتا۔ یہ صرف اس زمانے کی بدیوں ہی کا سخت مخالف نہ تھا بلکہ اُن پادریوں کا بھی جو اپنے فرائض سے غافل رہتے تھے۔ یہ کہتا تھا " تم دیکھتے ہو۔ یہ لوگ سنہری مجتہدی ٹوپی پہنتے ہیں جسمیں قیمتی پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ اور چاندی کی صلیبیں لگائے قربان گاہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اور قربانگاہ بھی کیسی جسمیں زربفت کی چھت گیری لگی ہے۔ اور نہایت آہستہ آہستہ خوش الحانی سے ہزاروں صلوٰت اور تکلفات سے گاتے ہیں یہاں تک کہ تمکو احمق بنا دیتے ہیں۔ اگلے زمانے کے پادری درحقیقت کوئی ایسی مجتہدی سنہری ٹوپی نہ رکھتے تھے اور نہ اسقدر عشائے ربانی کے جام تھے۔ اور انھوں نے اپنی ان چیزوں سے بھی کنارہ کیا جن سے غربا کو مدد مل سکتی تھی۔ ہمارے پادری اپنے عشائے ربانی کے پیالے غربا کے اس روپیہ سے لیتے ہیں جن سے ان کو مدد مل سکتی ہے۔ کلیسیا کی ابتدا میں لکڑی کے عشائے ربانی کے پیالے تھے اور سنہری پادری تھے مگر اب کلیسیا میں سونے کے عشائے ربانی کے پیالے ہیں اور لکڑی کے پادری! "

پائرو ڈی میڈیسی نے فلارنس پر بحیثیت حکمران ہونیکی خاطر پوپ اور شاہ نیپلز سے بہت کچھ ربط ضبط

پیدا کرلیا تھا۔ مگر یہ دفعتاً اس سے کنارہ کش ہوگئے جس وقت انہوں نے سُنا کہ شاہ فرانس اٹلی پر حملہ آور ہوا ہے۔ فرانسیسی فوج اٹلی میں آپہونچی اور جنوب کی طرف کُوچ کرتی ہوئی اور جو شہر یا قصبہ یا کوئی اور رکاوٹ اسکے راہ میں مائل ہوئی اسپر قابض اور متصرف ہوتی ہوئی آگے بڑھی۔ اب پائرو کو سوجھی کہ چارلس ہشتم کے پاس جایئے اور صلح کا خواستگار ہو۔ پائرو نے قلعہ سارزنا شہر پیٹرا سنٹا اور پیسا اور لگھارن کے شہر اسکے حوالے کردیئے ❊

اہل فلارنس اپنے فرمانروا کی اس نامردی اور کم ہمتی پر بہت برانگیختہ ہوئے۔ انہوں نے اسکو عدالت میں آنے سے روکدیا۔ اب اسکو اپنی جان کی فکر پڑگئی اور فی الفور یہ وینس کو چلدیا۔ اور اب فلارنس عام بغاوت کے کنارے پر کھڑا تھا ❊

میڈیسی کے بہی خواہ بادشاہ چاہتے تھے۔ اور زیادہ تر لوگ جمہوری سلطنت کو پسند کرتے تھے اور یہ دونوں مخالف فریق ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اور اسوقت سیونورولا ہی ایسا شخص تھا جس کا دباؤ لوگوں پر تھا۔ اس نے ان کو ڈیومو میں جمع کیا اور ان کو مطمئن بنانے کی کوشش کی۔ اور ساتھ ہی اسکے اس نے ان کو توبہ اور اتفاق اور خیرات اور ایمانداری کا درجہ حاصل کرنے کو کہا۔ غرض اسطرح جس بغاوت کا خطرہ تھا وہ فرو ہوگئی ❊

باشندگان فلارنس کی ایک سفارت منتخب ہوئی کہ یہ بادشاہ سے ملاقات کرے۔ سیونورولا بھی اس سفارت میں شامل تھا جس قدر اُمراء تھے سب گاڑی میں سوار ہوکر گئے مگر سیونورولا پیدل گیا۔ اور ہمیشہ اسیطرح سفر کرنے کی اسکی عادت تھی۔ سفارت نے بادشاہ سے ملاقات کی مگر اپنی کوششوں میں ناکامی نصیب ہوئی۔ فلارنس کو واپس آتے وقت یہ سیونورولا سے ملے جو پیدل بادشاہ کے پاس جارہا تھا چنانچہ یہ تنہا فرانسیسی فوج میں پہونچا۔ اور بادشاہ سے ملاقی ہوا۔ اس نے نہایت منت سماجت سے کہا کہ بادشاہ کو فلارنس شہر۔ اسکے زن و مرد اور آزادی کی توقیر کرنی چاہیئے مگر یہ سب بے سود ہوا۔ اور اسکے بہت جلد بعد فرانسیسی فوج فلارنس میں داخل ہوئی۔ اور کسی نے بھی اسکی مزاحمت نہ کی۔ فوج قصر میڈیسی کی لُوٹ کو پہونچی۔ اور جس قدر قیمتی اور بیش بہا صنعت و حرفت کی چیزیں تھیں سب لُوٹ لیں۔ اور طرفہ یہ کہ اس لُوٹ میں خود اہل فلارنس بھی شریک ہوئے۔ اور علانیہ طور پر جو چیز انھوں نے بیش قیمت سمجھی یا جو ان کے ہاتھ لگی لُوٹ لیگئے۔ غرض اس طرح ایک دن میں قریباً نصف صدی کی جمع ہوئی چیزیں یا تو تباہ ہوگئیں یا خراب ہوگئیں ❊

جب فرانسیسی فوج جنوب کی طرف بڑھی تو فلارنس میں ایک بدعملی پھیل گئی۔ میڈیسی کی خیرخواہ گویا کسی

جادو سے غایب ہو گئے - اور اسپر عوام الناس کی توجہ سیوو نور ولا کی طرف مبذول ہوئی - اس نے سلطنت جمہوری تجویز کی اور کہا کہ یہی ایک ایسی چیز ہے جو تباہی عامہ سے بچ رہی ہے - اور جس نے طاقت - استقلال اور توقیر کو زیادہ کیا ہے - اسپر ایک بڑی طول طویل بحث چھڑی - اور آخر کار ایک عارضی سلطنت قایم ہو گئی غرض اسطرح ایک ہی سال کے دوران میں فلارنس کی آزادی قایم ہو گئی ؛

سیوو نورولا برابر وعظ کرتا رہا - اس نے سلطنت کی اصلاح کلیسیا کی اصلاح اور اطوار و عادات کی اصلاح پر بہت زور دیا - اس نے لوگوں کو آزادی کے استعمال پر قریباً مجبور کیا - یہ کہتا ہے :- "سچی آزادی اور جو کہ اصلی آزادی ہے نیک زندگی بسر کرنے کے ارادے میں موجود ہے - وہ کیس قسم کی آزادی ہو سکتی ہے جو ہمکو خود اپنے جذبات کا مظلوم بنا دیتی ہے ؟ مگر اے باشندگان فلارنس - کیا تم آزادی چاہتے ہو ؟ اے اہالیان شہر تم آزاد ہونا چاہتے ہو ؟ تو سب سے بڑھکر اپنے خدا سے محبت کرو - اپنے ہمسایہ سے محبت کرو - اور ایکدوسرے سے محبت کرو - جب تم میں یہ محبت اور یہ یگانگت ہو گی تب تم کو سچی آزادی حاصل ہو گی" ؛

جمہوری سلطنت نے جو کچھ اور عوام الناس کی نفع رسانی کیواسطے قواعد مقرر کیے ان میں محصول کی کمی بھی تھی - انصاف کی ترقی - اور مانٹے ڈی پائٹا کے صرافخانے کے سودی روپیہ کا بیوپار - یہودی قلیل رقموں پر بھی عام مزدوروں سے ۳۲ ½ فی صدی سود لیتے تھے - اور اسکے برعکس مانٹے ڈی پائٹا کے صرافخانے سے غربا کو عارضی قرض نہایت ہی خفیف شرائط پر دیا جاتا تھا - اور یہ سیوو نورولا کی ہی کوششوں کی بدولت صرافخانہ قایم ہوا تھا - اس جمہوری سلطنت نے ڈینٹے کی جلاوطن اولاد کو بھی واپس بلا لیا جو اسوقت حد درجہ کے افلاس میں ڈوبی ہوئی تھی ؛

اسی اثنا میں اہل شہر کی وضع قطع بھی بالکل بدل گئی - عورتوں نے اپنے زیورات سے کنارہ کیا اور سیدھی سادی پوشش اختیار کی - نوجوان باحیا اور دیندار بن گئے - دوپہر کو آرام کرنے کے وقت تاجر اور دوکاندار یا تو انجیل پڑھا کرتے یا اس متقی راہب کی کوئی کتاب دیکھا کرتے - گرجا نماز کے وقت بھرے ہوتے - اور غریبوں اور مفلسوں کو کھلے دل سے خیرات دی جاتی تھی - مگر سب سے بڑھکر طرفہ یہ تھا کہ دوکاندار اور سوداگر اپنے ضمیر منیر کے وسواس سے تھوڑی تھوڑی رقمیں جمع کرتے جو بعض اوقات ہزار تک پہونچ جاتیں اور یہ اس غرض سے تاکہ جو کچھ انہوں نے بددیانتی سے کمایا تھا اسکے عوض دیں - غرض جو کچھ ہوا یہ صرف ایک اکیلی جان کے اثر سے تکمیل کو پہونچا ؛

سنہ ۱۴۹۵ء میں سیوو نورولا بہت تھک گیا - اسکی آمدنی بہت ہی تھوڑی تھی اور یہ ہمیشہ ایمانداری سے اپنے روزے رکھا کرتا - اس کا بستر سخت تھا - اسکا کمرہ بالکل بے رونق تھا اور کسی آرام کی اسکو خواہش نہ تھی - جس قدر یہ دوسروں سے سختی سے پیش آتا اسی طرح یہ اپنے سے سلوک کرتا - یہ نہایت ہی دبلا ہو گیا - طاقت اسکی صاف سلب ہوتی ہوئی

معلوم ہوتی تھی۔ اور اندرونی شکایت سے اسکی کمزوری اَور بھی بڑھ گئی۔ **ولاری** کہتا ہے: "غرض اس راہب کی دلیری اور ہیبت اس وجہ کی تھی کہ ملکی تنازعوں اور جھگڑوں کا ختم ہونا تھا کہ اس نے پھر کئی ایک وعظ شروع کیئے۔ اسکی جسمانی کمزوری نے اسکی اخلاقی قوت کو بہت کچھ بڑھا دیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے تھے اور بدن اس کا کانپتا تھا۔ اس کا کلام معمول سے بڑھکر لوگوں کے دلوں پر منقش ہوتا اور یہ اُسے نہایت پسند کرتے"

برلامکی کہتا ہے: "سیوونورولا نے ایک نہایت خوفناک اور ہیبتناک وعظ کیا جو لفظ بلفظ لکھکر پوپ کے پاس بھیجا گیا۔ پوپ نے نہایت غضبناک ہوکر ایک بشپ کو بلایا جو اُسی کا ہمپایہ اور نہایت عالم و فاضل تھا اور اس سے کہا "اس وعظ کا جواب دو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس افسر خانقاہ سے بحث جاری رکھو" بشپ نے جواب دیا "حضرت سلامت میں اس کا جواب دوں گا مگر مجھکو اُن وسائل کی ضرورت ہے جن سے میں اسپر غالب آسکوں" پوپ نے کہا "کیا وسائل؟" "یہ کہتا ہے کہ ہمکو لونڈیاں نہ رکھنی چاہئیں۔ اور کلیسیا کے عہدے خریدنے نہ چاہیئے۔ اور جو کچھ یہ کہتا ہے برحق ہے" پوپ نے پوچھا "مگر اسے اس سے کیا مطلب ہے؟" بشپ نے جواب دیا "اسے انعام دیجئے۔ اسے اپنا دوست بنائیے اور سُرخ ٹوپی (کلیسیا کی افسری کی کلاہ) دیجئے تاکہ وہ یہ کہنا چھوڑ دے اور جو کچھ اس نے کہا ہے اس سے گریز کرے"۔

۱۴۹۵ء میں میڈیسی کے خیرخواہوں کی ایک مجلس نے اسکو قتل کی دھمکی دی۔ ان کا خیال تھا کہ اس افسر خانقاہ کو جان سے مار دینے میں جمہوری سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اسپر ایک مسلح جماعت نے اُسے گھیر لیا اور سنٹ مارک کی خانقاہ تک اُسکے ساتھ گئی۔ پوپ بورجیا سکندر ششم نے روم سے ایک فتوے بھیجا جس میں اسکے تمام وعظوں کی تردید تھی اور ساتھ ہی اسپر الزام لگایا کہ یہ جھوٹے مسائل کا پھیلانے والا تھا۔ مگر آخر کار پوپ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اور سیوونورولا کو سابق کی طرح وعظ کرنے کی اجازت مل گئی۔ پوپ نے اسکے سامنے کارڈینل کا عہدہ پیش کیا بشرطیکہ اپنی اُس زبان کو بدل دے جو اُس نے وعظ میں استعمال کی تھی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ دوسرے روز صبح کو جو اسنے ڈیومو میں وعظ کیا اسمیں اس نے کہا "میں نہ تو کوئی سُرخ ٹوپی چاہتا ہوں نہ کلیسیا کی افسری کا تاج خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ میں بجز اُس چیز یعنی موت کے اَور کچھ نہیں چاہتا جو بڑے بڑے اولیاؤں کو نصیب ہوئی ہے۔ اگر مجھکو مرتبہ و منصب کی خواہش ہوتی تو تم جانتے ہو کہ میں یہ بوسیدہ اور شکستہ فرغل نہ پہنے کھڑا ہوتا میں اپنے فرض کی خاطر اپنی جان بھی دینے کو کمربستہ کھڑا ہوں"۔

جمہوری سلطنت پر بڑے بڑے مصائب آئے۔ غربا کوچوں و گلیوں میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور بھوک سے جاں بلب ہو رہے تھے۔ اور اب وبا پھیل گئی اور موت کا بازار خوب گرم ہوا۔ خانقاہ سنٹ مارک بھی اسکی نظر سے نہ بچی۔ سیوونورولا نے بزدل اور بیماروں کو شہر کے باہر بھیجدیا اور آپ خانقاہ میں رہا۔ شہر میں کئی ۱۰۰ آدمی

روزمرتے تھے۔ سیوو نورولا ہمیشہ وبائی مریضوں کے پاس جاتا۔ اور قریب المرگ لوگوں کے بستر پر جاکر مذہبی رسومات ادا کرتا۔ کوئی ایک مہینہ بعد وبا دُور ہوگئی اور جمہوری سلطنت کی مخالفت نے پھر زور پکڑا *

پوپ نے مئی ۱۴۹۷ء میں سیوو نورولا پر مردودی کی سزا صادر کی ہر ایک شخص کو سخت ممانعت کی گئی کہ اُسکو کسی طرح مدد نہ دیجائے۔ اور ہر طرح کا اس سے قطع تعلق کیا جائے کیونکہ یہ مذہب سے خارج کیا گیا تھا اور کافر تھا۔ دوسرے مہینے مردودی کا حکم شائع ہوکر تمام معبدوں میں پڑھا گیا۔ پادری خانقاہوں کے افسر اور بہت سے مذہبی آدمی جمع ہوئے۔ پوپ کا حکم پڑھا گیا۔ اور اس کے بعد روشنی گُل کردی گئی اور سب طرف تاریکی چھاگئی۔ دو روز بعد جب خانقاہ سنٹ مارک کے آدمی نماز میں مشغول تھے اُنھوں نے لوگوں کو دیکھا کہ باہر کھڑے ہوئے شور و غل مچارہے تھے اور اینٹ پتھر خانقاہ میں پھینک رہے تھے۔ حاکمان عدالت نے اسمیں کچھ مداخلت نہ کی اور دن بدن ابتری پھیلتی گئی۔ اوباشی نے پھر ظہور پکڑا۔ معبد خالی ہوگئے اور شرابخانے لوگوں کے ہجوم سے بھر گئے۔ اور حب الوطنی اور آزادی کے تمام خیالات کالعدم ہوگئے۔ غرض سیوو نورولا کی مردودی کے یہ نتایج تھے۔ بہت سی کوششیں کیگئیں کہ سزا منسوخ کیجائے مگر سب میں ناکامی ہوئی۔ پوپ نے اہل شہر کو مذہبی سزا کی دھمکی دی اور حکم بھیجا کہ سیوو نورولا روم کو گرفتار کرکے بھیجدیا جائے۔ مگر مذہبی افسروں نے جواب لکھا کہ سیوو نورولا کو شہر بدر کرنے میں فلارنس کو بہت خطرات و مصائب کا سامنا ہوگا۔ انہوں نے اُسے گرجا میں وعظ کرنے کی تحریک کی اور اُس نے منظور کیا۔ اور اپنا آخری وعظ اُس نے ۱۸۔ مارچ ۱۴۹۸ء کو کیا *

اب عوام الناس کی رائے میں بہت انقلاب پیدا ہوگیا۔ یہ آندھی کی طرح تمام شہر میں پھیل گیا۔ سیوو نورولا نے ۸ سال تک فلارنس میں وعظ کیا تھا۔ اس نے لوگوں کو خبردار کیا تھا کہ توبہ کریں۔ ایک دوسرے سے شفقت اور سلامت روی سے پیش آئیں۔ آزادی کیواسطے کوشش کریں۔ قماربازی اور لہو و لعب کو ایکطرف کردیں اور ان کو سب سے بڑھکر یہ تحریک کی تھی کہ کلیسیا میں خداوند تبارک تعالیٰ کی معاونت سے فی الفور اصلاح شروع کردیں۔ یہ فلارنس میں سب سے بڑھکر ہر دلعزیز تھا۔ مگر اب اسکی ہر دلعزیزی لوگوں کے دلوں سے مفقود ہوگئی اور گویا ایک طور پر کایا پلٹ گئی۔ یا تو سیوو نورولا کے پیرو غایب ہوگئے یا چھپ رہے کیونکہ تمام فلارنس اُسکی مخالفت پر کمربستہ تھا *

اہل فلارنس نے اسے آگ کے امتحان[۱] تقدیری پر مجبور کیا جو کہ یورپ کے زمانہ وسطیٰ میں ایک عجیب طور پر مروج تھا۔ سیوو نورولا نے اس سے قطعی انکار کیا گو اُسکے بھائی کی مرضی تھی کیونکہ وہ ہر طرح اسکو نیکبخت اور گناہ سے

[۱] زمانہ وسطیٰ میں یورپ میں اگر کوئی شخص کسی جرم کا مجرم قرار پاتا تھا تو اُسے اپنی بیگناہی یا تو جلتی آگ میں چلے جانے اور صحیح سلامت نکل آنے یا گرم لوہے پر چلنے اور نقصان نہ پہونچنے یا کسی اور ایسے وحشیانہ طریق سے ثابت کرنی پڑتی تھی *

بہتر سمجھا تھا۔ لیکن سیوونورولا نے اس تجویز کے حمق کو سمجھ لیا اور ہرگز اسکے قبول کرنیکی حامی نہ بھری۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے خانقاہ سنٹ مارک پر جمع ہو کر حملہ کیا اور اسکو جلا دینے کی دھمکی دی۔ سیوونورولا کے بھی کئی ایک مسلح دوست یہاں موجود تھے اور انھوں نے اسکی حمایت کرنا چاہی مگر سیوونورولا نے کہا "مجھکو ان کے پاس جانے دو کیونکہ یہ طوفان میری ہی وجہ سے برپا ہوا ہے۔ مجھکو چھوڑ دو کہ اپنے کو دشمنوں کے حوالے کر دوں" مگر اسکے ہمراہیوں نے اسکو اس سے روکا اور منع کیا ٭

اسکے بعد سپانیا کو ایک فوج کا دستہ بھیجا گیا۔ اور اس نے خانقاہ پر پہنچکر ہر ایک شخص کو ہتھیار رکھدینے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ سیوونورولا شہر بدر کر دیا گیا تھا اور یہ اسکو فلارنس سے ۱۲ گھنٹے کے اندر اندر نکال لینے کے واسطے آئے تھے۔ خانقاہ میں جو مسلح آدمی تھے وہ اسکی حمایت کو آگے بڑھے اور بہت سے دونوں فریق کے مارے گئے۔ سیوونورولا اپنی نماز میں مشغول رہا۔ مگر آخرکار بندگان خدا کی خونریزی دیکھکر اس نے اپنے رفیقوں اور دوستوں کو مقابلہ سے روکا اور کتب خانے میں اپنے ہمراہ آنے کو کہا ٭

یہاں کتب خانے میں پہونچکر اُسنے اپنے ہمراہیوں کو اس طرح مخاطب کیا "برخوردار۔ خدا کے حضور میں اور تمہارے درمیان اور اپنے دشمنوں سے گھرا ہوا میں اپنی تعلیم کی صداقت کا مقر ہوتا ہوں۔ جو کچھ میں نے تمکو تعلیم دی وہ خدا سے مجھکو پہونچی تھی اور اپنی صداقت کیواسطے میں اُسی رب العالمین کو اپنا شاہد قرار دیتا ہوں۔ مجھکو مطلق خیال نہ تھا کہ تمام شہر اس طرح مجھ سے پھر جائیگا۔ مگر خدا کی مرضی! میری آخری نصیحت تمکو یہ ہے۔ اپنے کو ایماندار۔ صابر اور نمازی بناؤ۔ میں تمکو رنج وغم میں چھوڑتا ہوں اور دشمنوں کے پنجہ میں جاتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ آیا وہ جان لینگے یا نہیں مگر یہ مجھکو یقین ہے کہ مر کر آسمان میں میں تمہارے واسطے بہ نسبت دنیا کے بہت کچھ بھلائی کر سکوں گا۔ تم مطمئن رہو صلیب سے بغلگیر ہو اور اُسکے وسیلہ سے تمکو نجات کا راستہ ملیگا" ٭

فوج کا دستہ خانقاہ میں گھس آیا اور سیوونورولا قید ہو گیا۔ اسکے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے اور قیدیوں کی طرح سے یہ چلا۔ لوگ ایسے غضبناک اور برانگیختہ ہو رہے تھے کہ بمشکل تمام اسکو قتل کرنے سے باز رہ سکے اسکے دو ہمراہیوں نے اسکے ہمراہ جانے پر اصرار کیا۔ سگنوری میں پہونچکر تینوں راہب علیحدہ علیحدہ کوٹھریوں میں قید کر دیئے گئے ٭

سیوونورولا کو فی الفور اذیت دی گئی۔ یہ اوپر کی منزل میں مجسٹریٹ کے سامنے لیجایا گیا۔ اور جب وہ اس سے سوال پوچھ چکے۔ اسکو دھمکی دے چکے۔ اور گستاخی اور بے ادبی سے اس سے پیش آئے انہوں نے اسکے رسی سے باندھا۔ اس قسم کی اذیت میں یہ ہوتا تھا کہ ایک رسی ایک چرخی پر سے گذرتی ہوئی ایک بڑے لمبے

بانس سے باندھی ہوئی تھی۔ جس شخص کو اذیت دینا ہوتی اُسکے ہاتھ پیچھے باندھکر اُس رسی کے سرے سے باندھ دیئے جاتے تھے۔ اور اس طور پر جلاد اُسکو اوپر کھینچتا اور پھر دفعتاً نیچے گرا دیتا۔ بازو جب اوپر کو کھینچے تو اُن کا ایک نصف دائرہ بن جاتا اور اس طرح رگ و پٹھے کھنچتے اور بدن ایسا کانپتا جیسے نزع کی حالت میں۔ اور جب اسطرح متواتر کیا جاتا تو اس سزا سے غشی اور موت یقینی تھی ؛

سیوونوروولا اپنے بچپن ہی سے نازک اندام تھا۔ اور اپنی دائمی پرہیزگاری اور شب بیداری اور لگاتار وعظ کرنے اور اندرونی مرض کے باعث بہت کمزور اور ناتوان ہوگیا تھا کہ اسکی زندگی متواتر مصائب میں گرفتار معلوم ہوتی تھی اور یہ صرف اسکی مستقل مزاجی کی قوت سرپرست تھی۔ جبحال اسکا آخری ایام میں ہوا۔ اسکے خطرے۔ جو کچھ اسکی گستاخی بے ادبی اور ہتک کیگئی۔ اور اہل فلارنس کا اُسے بکلی فراموش کر دینا اُسکے سامنے کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے۔ اور پھر اس حالت میں اُسے نہایت سنگدلی سے تکلیف دیجاتی اور ایذا پہونچائی جاتی۔ یہ کئی مرتبہ رسی سے اوپر کھینچا گیا اور دفعتاً نیچے گرا دیا گیا۔ اسکے خیالات پراگندہ ہونے لگے۔ اسکے جواب بے معنی اور انجام کار گویا اپنے سے مطلق مایوس ہوکر اس نے زور سے ایک ایسی آواز میں جو پتھر سے پتھر دل کو بھی موم کر دیتی کہا "اے خدا! میری جان لے! اے خدا! میری جان لے!" ؛

اسکے بعد اذیت موقوف ہوئی۔ یہ نیچے اُتارا گیا۔ اسکے بدن سے خون جاری تھا اور حالت اسکی نہایت ابتر تھی۔ یہ اپنے قیدخانے میں پہنچا۔ اس رات ہم اُسکی تکالیف اور مصائب کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ صبحکو آفتاب طلوع ہوا۔ اور قریب دوپہر کے اس بیگناہ کا مقدمہ شروع ہوا۔ جتنے منصف تھے وہ سب اسکے دشمن جان تھے۔ اس سے سوال کیئے گئے اور اس نے سب کا جواب دیا۔ ایک فلارنس کا وکیل یہ سنکر کر سکنری متاسف تھے کہ ان کو سیوونوروولا کے برخلاف کوئی بات بھی نہیں مل سکتی کہنے لگا "اگر کوئی وجہ نہیں ہے تو ہم خود کوئی ایجاد کرلیں"۔ چنانچہ اسپر منصفوں نے ۴۰۰ ڈیوکٹ بطور نذر کے اسکو دینا منظور کیئے اگر یہ چھان بین کرکے جوابوں کو اسطرح بدل دے جس سے یہ بیگناہ راہب قصوروار ثابت ہو سکے ؛

اسکی ایذا رسانی دن بدن جاری رہی۔ اور مقدمہ کوئی ایک ماہ تک عدالت میں رہا۔ ایکدن سیوونوروولا رسی پر کھینچا گیا اور ۱۴ مرتبہ نہایت زور سے نیچے گرایا گیا۔ مگر اسکی ہمت اور دلیری کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ درد اور تکلیف سے اسکا بدن تھرتھرا رہا تھا مگر اسکے ارادے پر جوکھم نہ آئی۔ ان لوگوں نے آگ کے انگارے جلتے ہوئے اسکے تلوؤں سے لگائے۔ مگر اسکی روح پر آنچ نہ آئی۔ یہ پھر قیدخانے میں بھیجا گیا۔ جہاں ایک ماہ تک رہا ؛

پوپ کے کمشنر ۱۵ مئی ۱۴۹۸ء کو پہونچے - اب تیسری مرتبہ پھر سیونورولا کا مقدمہ ہوا - **کارڈنل رومونیلو** کے حکم پر پھر اُسکو کوڑے مارے گئے اور نہایت سنگدلی سے اذیت پہونچائی گئی - اسپر بیہوشی طاری ہوئی اور اس نے ایسے ناممکن الفہم جواب دیئے جنکو وکیل نے فی الفور بدل دیا - اور اسنے سیونورولا سے وہ اقرار کرائے جو اسکے ایذا رسانوں کے حسب خواہش تھے - مگر طرفہ یہ ہے کہ پھر بھی ان کو کسی قصور کے نکالنے میں ناکامی نصیب ہوئی - چنانچہ مقدمہ کی تحقیقات پر نہ تو دستخط کبھی ہوئے اور نہ یہ شائع کی گئی ؛

کمشنر ۲۲ مئی کو جمع ہوئے اور سگنوری کی منظوری سے اُسکے اور اُسکے دونوں ہمراہیوں کیواسطے سزائے موت صادر ہوئی - اور فوراً ان تینوں کو اس سزا کی اطلاع دی گئی - یہ اسکے واسطے تیار تھے - ڈومنکو (اسکا ایک ہمراہی) نے سزا کو اسطرح سُنا گویا کسی جگہ ضیافت میں مدعو کیا گیا تھا - اور سیونورولا کو لوگوں نے دوزانو خدا کی عبادت میں مشغول پایا - رات کے وقت اسکو کھانا دیا گیا - مگر اس نے یہ کہکر کھانے سے انکار کیا کہ موت کے واسطے تیار ہونا کھانے سے بڑھکر ضروری ہے ؛

اسکے تھوڑی دیر بعد ایک راہب **جیکوپونکولینی** اسکے قیدخانے میں آیا - یہ سیاہ لباس پہنے تھا اور چہرہ کپڑے سے چھپا ہوا تھا - یہ ایک ایسی جماعت کا ممبر تھا جسکے ممبر اپنی رضامندی سے مجرموں کے آخری وقت ان کے پاس جاکر مذہبی رسومات ادا کیا کرتے تھے - نکولینی نے سیونورولا سے پوچھا کہ "کوئی ایسی خدمت ہے جو میں آپکی بجا لاؤں؟" اُسنے جواب دیا "بیشک - آپ سگنوری سے التجا کیجیئے کہ مجھکو اپنے دونوں برادر قیدیوں سے چند منٹ تک گفتگو کرنے کی اجازت مل جائے جن سے میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں" ؛

یہ تینوں راہب پھر ایک دوسرے سے ملے - یہ پہلا موقعہ تھا کہ چالیس روز تک ایذا اور تکلیف اُٹھاکر اور قید میں رہکر یہ ایک دوسرے سے ملے تھے - اب اسوقت بجز موت کا دلیری اور رعب سے سامنا کرنے کے اور کوئی خیال اُن کے دل میں نہ تھا - دونوں راہب نہایت محبت سے سیونورولا کے قدموں میں دوزانو ہوگئے - اور اس سے برکت چاہی - غرض بہت رات گئے یہ اپنے قیدخانے میں واپس آیا - نیکبخت اور کشادہ دل نکولینی یہاں موجود تھا - سیونورولا اپنی محبت اور شفقت کا اظہار کرنے کی خاطر فرش پر لیٹا اور اس راہب کی گود میں سر رکھکر سو گیا - اسکی دل کی طمانیت اور تسلی اس قدر تھی کہ بیخبر پڑا سو رہا تھا - اور طرح طرح کے خواب دیکھتا اور مسکراتا تھا - سورج نکلتے وقت یہ جاگا اور نکولینی سے اس نے گفتگو کی اور خوب اچھی طرح فلارنس کے آیندہ مصایب اُسکے ذہن نشین کیئے ؛

جبکہ تینوں راہب پھر مذہبی رسومات کے ادا کرنے کے واسطے ملے سیونورولا نے خود اپنے

یہ رسومات ادا کیں۔ اسکے بعد یہ پیازا میں طلب ہوئے تین نشستگاہیں یہاں بنائی گئی تھیں جن پر علیحدہ علیحدہ پوپ کے کمشنر۔ واٰلونا کا بشپ اور حاکم بیٹھے تھے۔ پھانسی کا چبوترہ ان نشستگاہوں سے نیچے تھا۔ اسکے انجام میں ایک کڑی سے ۳ زنجیریں اور اُن میں پھانسی کی ڈوریاں لٹک رہی تھیں۔ ان تینوں راہبوں کو پھانسی ڈوریوں سے ملنی تھیں اور زنجیریں اسواسطے تھیں کہ اس سے ان کی لاشیں باندھکر لٹکائی جائیں تاکہ جو آگ نیچے جلتی تھی وہ اُن کو جلا کر راکھ کردے ۞

قیدی سیڑھیوں سے نیچے اُترے۔ ان کے فرغل اوپر سے اُتار لیئے گئے اور صرف نیچے کے کپڑے اُن کے بدن پر رہ گئے۔ اُن کے پیر ننگے اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ پہلے یہ واٰلونا کے بشپ کے سامنے لائے گئے جس نے اُن کو سخت سست کہا۔ بشپ نے سیوونرولا کا ہاتھ پکڑا اور کہا "میں بہادری اور نصرت سے تجھکو کلیسیا سے جُدا کرتا ہوں" اسپر اس نیکبخت نے یہ کہکر اسکی غلطی درست کی "بہادری سے نہ کہ نصرت سے۔ نصرت آپ کا کام نہیں ہے!" پھر یہ پوپ کے کمشنروں کے پاس پہونچے جنھوں نے ان کو کُفر اور بدینی کا ملزم قرار دیا۔ اور بعد میں یہ آٹو کے سامنے جس نے حسب دستور سب کی رائے لی جو بلا دقت منظور ہوگئی ۞

اب یہ موت کے واسطے تیار تھے۔ تینوں راہب نہایت ثابت قدمی سے پھانسی کے چبوترے کیطرف بڑھے۔ ایک پادری مسمی نرونی ٹی نے سیوونرولا سے پوچھا "آپ کس دل سے یہ شہادت کا جام پیتے ہیں؟" اس نے جواب دیا "یہ خدا کو معلوم ہے"۔ یہ اسکے آخری الفاظ تھے جو اُسکی زبان سے نکلے۔ پہلے اسکے دونوں ہمراہیوں کو باری باری پھانسی ملی اور ان کے درمیان جو پھانسی خالی رہ گئی تھی اُسکی طرف اسکو لیگئے۔ یہ چبوترے پر چڑھا۔ اور پہلے اُن لوگوں پر اس نے نگاہ کی جو ڈیوموں میں اسقدر اسکے فرمانبردار تھے کہ اسکا مونھ تکتے رہتے تھے۔ کیسا تغیر! یہ تلون مزاج ہجوم اب اسکی موت کا خواہاں تھا۔ اس نے رسّی ڈالنے کیواسطے اپنی گردن آگے کردی۔ اور ایک دم میں اسکا خاتمہ ہوگیا۔ ان تینوں راہبوں کی لاشیں زنجیروں سے باندھی گئیں اور فی الفور آگ نے ان کو راکھ کردیا۔ ۲۳ مئی سنہ ۱۴۹۸ء کا دن تھا اور ۴۵ سال کی اسکی عمر تھی کہ اسکو پھانسی ملی ۞

گو لوتھر نے اسکو پراٹسٹنٹ فرقہ کا شہید سمجھا۔ مگر اسکی موت کا باعث یہ نہ تھا بلکہ اسکا باعث اسکی آزادی کی فرط محبت تھی۔ اسکا منشا یہ نہ تھا کہ کلیسیا سے قطع تعلق کرے۔ بلکہ اسکی یہ غرض تھی کہ مذہب اور آزادی کا رشتہ مستحکم کرے اور اُن کو اُن کے سچے اصولوں پر پہونچاوے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُسنے جام شہادت پیا۔ اور یہی باعث تھا کہ اُسنے اپنے خالق اور اپنے مُلک کی خاطر اپنی جان سے بھی دریغ نہ کیا۔

جن اصلاحوں کی اُس نے تحریک کی تھی جب وقت یہ پورے ہوجائینگے اُس وقت اٹلی کے سر پر تہذیب اور شائستگی کا تاج رکھا ہوگا ٭

فلارنس نہایت ہی مشہور شہروں میں سے ہے۔ یہ بڑے بڑے عالی خیال مشہور شاعروں اور اعلےٰ صناعوں یعنی ڈینٹ گلیلیو۔ لیونارڈو ڈاونسی۔ میکائیل انجلو۔ ریفائیل ڈوناٹیلو۔ لوکا ڈیلا روبیا۔ مکیاویلی اور اور بہت سے مشہور اور شہرۂ آفاق شخصوں کی جائے رہائش تھا۔ یہاں وہ بت ملتے ہیں جو دنیا کو فریفتہ کرتے ہیں۔ یہاں اٹلی کے سب سے بڑے نقاشوں اور مصوروں کی دستکاریاں۔ گلیلیو کی رصدگاہ۔ اور خود یہ مقام ڈینٹ کا مولد۔ اور نیز وہ ڈی میڈیسی کی جائے وفات اور میکائیل انجلو کا وطن اور مدفن ہے ٭

مگر شاید نہایت ہی دلکش اور عمدہ جگہ فلارنس میں ڈیومو ہے جہاں سیونرولا نے اسقدر موثر فصاحت سے وعظ سنائے تھے۔ سنٹ مارک کی خانقاہ جہاں اس نے اپنی مفلسی تقوے اور مطالعہ کی زندگی بسر کی۔ اور پالازو سگنوریا جہاں بدخواہوں کے پنجوں میں آیا اور جام شہادت پیا۔ یہاں ایک انجیل ہے جسے یہ پڑھتا تھا۔ اور منبر پر کھڑے ہوکر اس سے وعظ کیا کرتا تھا۔ یہ ایک چھوٹی تقطیع کی انجیل ہے جس پر بیچیدہ حاشیے چڑھے ہوئے ہیں اور خط ایسا باریک ہے کہ بغیر دوربین کی مدد کے اُسے پڑھنا قریباً ناممکن ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں انسان دیکھ سکتا ہے مع اسکی تصویر۔ قلمی نسخوں اور اور بہت سی چیزوں کے جو اسکی یادگار ہیں ٭

اٹلی نے فلارنس سے ڈینٹ کی جلاوطنی کی بہت کچھ تردید کی ہے۔ اور اسکا ثبوت اسطرح دیا کہ اسکی یادگاریں تمام بڑے بڑے شہروں میں اسکے بت قائم کیئے ہیں۔ مگر اسکو سیونرولا سے کیوں نہ انصاف سے پیش آنا چاہیئے۔ اور وہ سیونرولا جو محب وطن اور شہید تھا۔ اور کیوں نہ اٹلی اسکی ایک یادگار قائم کرے جو آیندہ زمانے کے واسطے ایک تمثیل کا کام دے ٭ وہ مقام ابتک موجود ہے یعنی وہ احاطہ جہاں اس نے اس قدر بہادری سے مذہبی اور انسانی آزادی کی خاطر اپنی جان عزیز کو الوداع کہی ٭

باب ہفتم

جہاز ران

ہر طرف سے گھیرے انگلستان کو وہ بحر ہے
قدرتاً جس کی بنی خارِ انشگاف ہر لہر ہے
لیک اے ساحل تجھے صد آفریں اور مرحبا
تجھکو جنبش دیسکے اسمیں بھلا طاقت ہے کیا

(رفیلکن)

جہاز کے اگلے حصہ میں ایک دوسری دنیا کی نعمت موجود ہے بغیر اسکے کونسا قید خانہ اس قدر صفید اور پُر شور سمندر جیسا مضبوط و مستحکم ہوتا؟ مگر وہ کیلیں جو جہاز کے اگلے حصہ کے تختوں کو باہم پیوستہ کرتی ہیں دنیاوی تعلقات کی رشتے ہیں ان کا لوہا آسمان سے بجلی نکالنے سے بھی بڑھکر کام کرتا ہے یعنی تمام دنیا میں اُلفت پھیلاتا ہے ؛

(رہسکن)

سمندر نے بڑے بڑے بہادر آدمیوں کی پرورش کی ہے - بحری پیشے کی زندگی کے خطرات انسان کو بہادری اور دلیری کی تعلیم دیتے ہیں - اور دلیری ہی کی نہیں بلکہ فرض کے سرانجام کی - جہازران کی زندگی صبر چالاکی اور خبرداری سے سراسر بھری ہوئی ہے ۔ اور اسمیں تامتر حفاظت اور ذمہ داری موجود ہے - بحری زندگی ساحل بحر کی طرح نہیں جہاں انسان تمام دن کا کام کرنے کے بعد اپنے بستر استراحت پر جاتا ہے اور بے خوف و خطر پیر پھیلاتا ہے ؛

جہازران کے واسطے شب و روز متواتر خبردار رہنا ضروری ہے - کسی دور و دراز سفر پر بھی اپنے کمرے میں آرام کرتا ہے جب ہوا موافق ہو اور طوفان کا گمان نہو - مگر جونہی طوفان کے آثار دکھلائی دیں اور بادِ مخالف چلنے لگے یہ اسی دم ہوشیار اور مستعد ہو جاتا ہے - اسوقت خواہ رات ہو مگر مستول لپیٹنے پڑتے ہیں ملاح تنہا مستول لپیٹنے اوپر چڑھتا ہے - ممکن ہے کہ ہوا کا جھونکا اُسکو پھینک دے - جہاز کا کوئی ناگہانی دھکا اُسے نیچے گرا دے - اور اسکے گرنے کی آواز طوفان کی تندی اور جوش و خروش میں کوئی بھی نہ سنے - اور رات کی تاریکی میں کوئی اُسے نہ دیکھ سکے مگر جہاز اپنے حسب معمول جاتا ہے ؛

وہ پہلا شخص جو سطح بحر پر گیا ہوگا اور کشتی میں سوار ہو کر ساحل بحر سے دور نکل گیا ہوگا اُسے ضرور اپنی خوفناک حالت کی خبر ہوگی - اسکے ارد گرد کچھ نہیں - اوپر آسمان - نیچے سمندر - اور اسمیں اور موت میں صرف ایک تختے کا تفاوت - آہ کیسا ذمہ داری اور ہمت کا خیال ہوگا جو پہلے جہازران کے دل نشین ہوا ہوگا! اور پھر وہ لوگ جو خشکی پر رہتے ہیں ان کے واسطے بھی سمندر ایک بڑا بھاری معلم ہے - ڈاکٹر ارنالڈ کا قول ہے کہ کوئی چیز کسی ہن لڑکے کے واسطے چال چلن کا دروازہ نہیں کھولتی بجز پہلی مرتبہ سمندر پر نگاہ ڈالنے کے

ڈاکٹر کیننگ ابھی لڑکا ہی تھا کہ بہت کچھ اپنا وقت نیوپورٹ میں ساحل بحر پر صرف کیا کرتا۔ بعد میں اس نے کہا بلکہ کسی مقام نے دنیا کے پردے پر بجز سمندر کے کنارے کے مجھ پر عمدہ اثر نہ ڈالا" بعض لوگ سمندر کو ایک بڑا فضول ذخیرہ آب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی پہاڑی کی چوٹی پر سے دیکھے تو یہ سمندر اُسے ناپیدا کنار نظر آتا ہے۔ دہنے اور بائیں بجز پانی کے اور کچھ نہیں۔ لہریں آہستہ آہستہ آتی ہیں اور کنارے پر تمہارے قدموں سے لگ کر چلی جاتی ہیں۔ مگر تھوڑی دیر بعد اُن میں گرداب پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اور پھر یہ زور زور سے کنارے پر آ کر ٹکراتی ہیں۔ ابھی سمندر با امن اور بے طوفان ہے مگر ابھی اسمیں شیر کی سی گرج پیدا ہو جاتی ہے اسکو کوئی چیز یاد نہیں آتی۔ یہ جہازوں کو چٹانوں سے ٹکرا دیتا ہے۔ جرمیاہ کا قول ہے: "سمندر میں ہمیشہ اضطراب ہی پھیلا رہتا ہے۔ کبھی آرام نہیں کرتا" یہ انسان اور وقت دونوں کو غرقاب کر دیتا ہے۔ اور پھر یہ ابدی ملکیت ہے۔ اسکی آواز دائمی ہے ؛

مگر بحر کو انسانی ترقی سے بہت کچھ لگاؤ اور تعلق ہے۔ کیا سبب ہے کہ انگلستان تمام ساحل بحر کے اقوام سے اعلےٰ درجہ پر ممتاز ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ جہازرانوں کی قوم میں سے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ قوم ایک طور پر تجارتی ہے۔ اُن مچھوؤں سے لگا کر جو انگلستان میں ساحل بحر پر رہتے ہیں اور جو انگلستان کو مچھلیاں دیتے ہیں۔ اُن بڑے بڑے جہازوں تک جو ہندوستان چین۔ امریکہ اور اور ممالک کو جاتے ہیں اور روزمرہ کی ضروری اشیاء اور آرام کے سامان انگلستان کو بہم پہونچاتے ہیں۔ انگلستان بہت کچھ اپنے جہازرانوں کا ممنون ہے۔ شاید اگر یہ سمندر نہ ہوتا جو اس دور و دراز جزیرے کو محیط کئے ہے تو یہ انگریزی قوم آج سب سے بڑھکر نہ ہوتی یا کم از کم اسقدر عظیم الشان اور آزاد نہ ہوتی ؛

وہ قطعہ تری کا جو اِس ملک اور بر اعظم یورپ میں حائل ہے تمام ممالک کے اذیت یاب لوگوں کی انگلستان کو جائے پناہ بنا رہا ہے۔ دو سو برس گذرے کہ فرانس کے بڑے بڑے عمدہ شخص انگلستان کو نصیب ہوئے اور فی زماننا جو انگلستان کو تجارتی عظمت حاصل ہے وہ اُن ہستیوں کی بدولت ہے جو صناعی اور جفاکشی کے فرانسیسیوں نے سکھلائے۔ یہ تجارت ہی ہے جو انگلستان کے محکمہ بحری کی معاون ہے۔ یہ تجارت ہی ہے جسکے ہاتھوں انگلستان کو روٹی نصیب ہوتی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ یہ تجارت ہے جو دنیا کو تہذیب اور شائستگی پر مائل کرتی ہے ؛

سر اسماعیل بیکر نے لورپول میں ایک لکچر کے دوران میں بیان کیا " یہ تجارت ہی ہے جو افریقہ میں سب سے بڑھکر بغیر ایک بال بھی کسی کا بیکا ہونے کے نہایت ہی عمدہ کامیابی کی صورت ثابت ہوگی یہاں کے باشندے جو وہم عامہ میں کسی طرح قاصر نہیں۔ بدل و جان اسکو منظور کرینگے جس سے اُن کو فائدہ پہنچیگا

کوئی چیز بھی اُن وحشیوں کیواسطے ایسی مفید اور سودمند نہ ثابت ہوگی جس قدر تجارت کی اشاعت جوکہ اُن کی ہمت کو اسپر آمادہ کردیگی کہ اپنی سرزمین سے وہ اشیاء پیدا کریں جنکی پیداوار کے یہ قابل ہے اور اِن پیداوار کو اُن اشیاء کے تبادلے میں نہایت نفع دیگا جن سے کہ فی الحال یہ بے بہرہ ہیں مگر جن سے کہ جب یہ بہرہ ور ہوں گے یہ ان کو درکار ہونگی اور ان کی ضروریات میں شامل ہوجائینگی“ ؀

کولمبس سے لیکر کپتان کُک تک نئے ممالک کا دریافت کرنا جہازرانوں ہی کا کام تھا۔ یہ قیاس ہے کہ اہل آئس لنڈ نے پہلے پہل شمالی امریکہ کو دریافت کیا مگر انہوں نے یہاں اپنی کوئی بستی نہ بنائی۔ **کولمبس** اور **امیریکا نس** پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی دریافت کی ہوئی سرزمین دنیا کے سامنے پیش کیں۔ اور کولمبس کے بعد اہل پرتگال اور اہل ڈنمارک نے سب سے بڑھکر مُلک دریافت کیئے۔ **فرنانڈو میجیلان** پہلا شخص تھا جس نے تمام دنیا کا دورہ کیا۔ ابھی اسکی عمر صرف ۲۰ سال ہی کی تھی جب کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا۔ پہلا سفر اُس نے افریقہ اور جزائر غرب الہند کا کیا۔ اور دوسرا جنوبی امریکہ کا۔ یہ گنّی اور برازیل کے ساحل بحر پر ہوتا ہوا رائو ڈی جینیرا میں پہونچا۔ یہاں سے یہ جنوب کی طرف بڑھا اور راس میجیلان دریافت کی جسکے بعد یہ بحرالکاہل میں پہونچا۔

اہل ڈنمارک نے ممالک کے دریافت کرنے میں بہادری اور بے خوفی کا بھی بہت اظہار کیا۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے کیتھے کا راستہ دریافت کرنے کی کوشش کرتے وقت راس شمالی کے ہولناک خطروں کا سامنا کیا۔ ان کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ انھوں نے جزیرہ نووا زمبلا دریافت کیا۔ اسکے بعد انھوں نے جنوب میں آگے جاکر اور بہت سے جزیرے آسٹریلیا۔ وان ڈیمنس لنڈ وغیرہ دریافت کیئے ؀

راس امید سے ہوکر **واسکوڈی گاما** نے جو ہندوستان کا راستہ دریافت کیا یہ تواریخ تجارت میں سب سے بڑھکر مشہور ہے۔ اس نے مغربی اقوام کو دور و دراز مشرق کا بحری راستہ دکھلادیا۔ کہتے ہیں کہ **ہوٹ مین** پہلے شخص تھے جو راس امید کے راستے ہندوستان میں پہونچے اور یہاں انہوں نے **ڈچ انڈیا کمپنی** کی بنیاد رکھی جس سے چھوٹی سی جمہوریہ ہالنڈ کو اسقدر تجارتی ملکی اور بحری طاقت حاصل ہوئی ؀

ابتک انگریزی قوم تجارتی نہ تھی۔ تجارت مغرب کی طرف سفر کر رہی تھی۔ مگر ابتک انگلستان کو اسکی قدمبوسی کا شرف نہ حاصل ہوا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہ انگریزی اُون مُلک کے باہر بلجیم میں بھیجی جاتی تھی کہ یہاں اُسکا کپڑا بُنا جائے۔ انگلستان میں جہازران تو بہت تھے مگر اِن بیچاروں کو جہاز پر کوئی نوکری نہ ملتی تھی کیونکہ اس زمانہ میں تجارت کا نام نہ تھا۔ یہ لوگ بڑے لڑاکا تھے۔ جب کسی غیر قوم سے کوئی

لڑائی نہ ہوتی تو یہ لوگ خود سمندر پر جا کر آپس میں لڑتے۔ بعض اوقات بحری قزاقی سے بھی دریغ نہ کرتے۔ چنانچہ اپنے ساحل بحر سے نکلکر جب کوئی جہاز کسی غیر ملک کا ان کے ہاتھ آتا اُسے پکڑ لیتے ❊

الزبتھ کے زمانے تک انگلستان سے کوئی نسل بڑے بڑے جہاز رانوں کی نہ نکلی۔ **ڈریک ریلے** **ہاکنس** بہادران بحری کی تواریخ تو مشہور ہے۔ یہ گویا آنکھیں بند کرکے سطح بحر پر بڑھتے گئے۔ اور اُن سمندروں پر پہونچے جن کا اُبتک علم نہ تھا۔ اور یہاں اُن ممالک کی جستجو کی جو زمانہ آیندہ میں اُن کی اولاد کا وطن بننے کو تھے۔ اس زمانہ میں اہل اسپین اور انگریزوں میں چھڑی ہوئی تھی۔ اور اکثر ان میں باہم بحری اور بری جنگیں ہوا کرتی تھیں۔ غرض اس طرح ایک بڑی بھاری فوج جہاز رانوں کی باقاعدہ اور بہادرین گئی جس کی کہ انگلستان کو خصوصاً اسوقت میں بہت ضرورت تھی۔ جب اسپین جو تمام اقوام یورپ میں سب سے بڑھکر زبردست تھا "اجیت بیڑا" لیکر انگلستان پر چڑھ آیا تھا۔ یہ تواریخ میں نہایت مشہور معرکہ ہے جو ملک۔ مذہب۔ عزت اور آزادی کی خاطر وقوع پذیر ہوا ❊

سر فرینسس ڈریک ایسے بحری بہادروں میں سے ہے جس کا نام زمانے کی تواریخ میں سب سے بڑھکر تعریف اور عزت سے لکھا ہوا ہے۔ مسٹر ماٹلے کی رائے ہے کہ یہ شخص سولھویں صدی میں بے نظیر گذرا ہے۔ ڈریک پورا پورا جہاز ران تھا۔ ابتدائی زمانہ اس کا نہایت منکسر حالت میں گذرا۔ یہ ایک چھوٹے سے جہاز پر شاگردوں کی طرح بھرتی ہوا۔ جہاں اس نے جہاز رانی سیکھی۔ جب اس جہاز کا مالک فوت ہوا اس جہاز کو اپنے اس شاگرد کو دیگیا۔ چھوٹے چھوٹے سمندروں میں سفر کرنے کے بعد یہ جان ہتیلی پر رکھکر اور اپنی عزیز تری اور جانفشانی کی کمائی ساتھ لیکر امیر البحر **ہاکنس** کے ساتھ سفر کو چلا۔ اہل اسپین نے اسکو گرفتار کر لیا اور بمشکل تمام یہ جان بچا سکا اور بعد میں جو اس نے اہل اسپین پر حملے کیئے ان میں بہت کچھ اسکو کامیابی ہوئی ❊

شاہ اسپین نے تمام انگریزی جہاز۔ انگریز اور اُن کے اسباب کیواسطے تمام ہسپانیہ کے بندرگاہوں سے راستہ حکماً بند کر دیا۔ ڈریک چھ مسلح جہاز لیکر چلا۔ اور **سان ڈومنگو۔ کارتھجنا اور سنٹ اگسٹنس** گرفتار کر لیئے۔ **فلپ دوئیم** نے اب ایک بڑی بھاری فوج جمع کرنی شروع کی تاکہ اہل اسپین اہل پرتگال۔ اہل نیپلز اور اہل سسلی سب ملکر اس سیدین انگلستان پر حملہ آور ہوں۔ اور روم نے تو اس مہم کے حق میں بہت کچھ دعائے خیر کی۔ ہر ملک کے لوگوں کی زبان پر یہ پیشین گوئی تھی کہ "١٥٨٨ کا سال تمام ممالک کیواسطے نہایت ہی مصیبت ناک اور مضر ہوگا"۔ اور اب یہ مشہور ہو گیا کہ اس بحری مہم کا شکار انگلستان بننے کو تھا۔ مگر پھر بھی انگلستان مایوس نہوا۔ تمام قوم یکدل و یک جان ہوگئی اس

46697

بکیلی اور کیب جانی نے تمام فرقے کے لوگ خواہ وہ پروٹسٹنٹ تھے یا رومن کیتھلک مسلسل کر لیے۔ اس وقت شیکسپیر زندہ تھا اور اس نے اس طرح اس انگریزی آزادی پر حملے کا جواب لکھا۔

مسلح ہو کے ہر سمت دنیا کی اگر آئیں — چکھائیں منہ کی اُن کو ایسی فوراً پیٹھ دکھلائیں
مگر ہے شرط جاں سے اپنی انگلستان رہے صادق — گزند ہمکو نہ پہونچائیگا کوئی ہے یقیں واثق

ڈریک نے ارادہ کیا کہ اسپین کی اسٹدمیر کا قلع قمع کرے۔ چنانچہ یہ اپنے ساتھ سے چار شاہی اور ۲۴ لنڈن کے تجاروں کے جہاز لیکر چلا۔ ۱۵۸۷ء اوائل ماہ اپریل میں یہ انگریزی بیڑہ کیڈز میں جا پہونچا۔ اور جو جہاز یہاں اسپین کے انگلستان پر حملہ کرنے کی غرض سے جمع ہوئے تھے انپر جا پڑا۔ ان میں سے بعض جہاز نہایت ہی بڑے تھے۔ دو رات اور ایک دن تک ڈریک ان پر گولیاں چلاتا رہا۔ حملہ کرتا رہا۔ اور آخرکار ان کو ایسی آگ لگا دی کہ جس کی روشنی سے قلعہ کیڈز کی فصیل تک صاف صاف نظر آنے لگی۔

اپنے سفر سے جب یہ انگلستان کو واپس آیا یہاں بھی اس نے کوئی سو کے قریب اہل اسپین کی کشتیاں تباہ کیں مال اسباب لوٹ لیا اور لوگوں کو قید کر لیا۔ یہاں اس نے گورنمنٹ کو اسپین کی طاقت اور اسکی بڑی بڑی تیاریوں سے آگاہ کیا چنانچہ اس نے کہا "بہت جلد چالیس ہزار آدمی نہایت دلیر اور باقاعدہ انگلستان پر حملہ کرنے کے واسطے جمع ہونگے" اور انگلستان بھی اپنے کو مقابلہ کے قابل بنانے میں سست اور لاپرواہ نہ رہا۔

فلپ نے جہاں تک ہو سکا حتے الوسع اپنا بیڑہ اجیت بنانے کی کوشش کی۔ اس نے قریباً پچاس ہزار ڈیوکٹس (ایک سکہ) اس بیڑے پر صرف کر دیئے۔ اور پوپ آف روم نے بھی ایک ہزار ڈیوکٹس اسکو بھیجے اور علاوہ اس رقم کے جو اس نے صرف کی اُسکے پاس بیس لاکھ ڈیوکٹس موقع ضرورت کے واسطے موجود تھے۔ اس بیڑے میں ۱۳۲ جہاز تھے۔ جسقدر جہاز ابتک دنیا میں بنے تھے اُن سے بڑھکر یہ بڑے تھے۔ اور اسمیں تیس ہزار ہسپانیہ کے پیدل اور بحری سپاہی۔ دو ہزار غلام تاکہ اگر ہوا بند ہو تو یہ جہاز چلائیں۔ اور ۲۹۰ پادری راہب اور اور مذہبی افسر تھے۔ علاوہ اسکے ۳۰ ہزار فوج نیدرلینڈ میں جمع تھی جو کہ ذرا سے اشارے پر بیڑے کی فوج کی مدد کیواسطے چلنے کو تیار تھی۔ غرض اسقدر سامان اور تیاری تھی جسکا انگریزی جہازرانوں نے مقابلہ کرنا تھا۔ اس بیڑے کے روانہ ہونے سے پہلے پوپ کا فتویٰ جاری ہوا۔ اسمیں الزبتھ پر غاصب کا الزام لگایا گیا تھا۔ اسکو حرامی لکھا گیا۔ اور نہایت متانت سے انگلستان کی سلطنت مع "ایمن المذہب سنج" کے خطاب کے فلپ روم کے سپرد کیگئی تھی تاکہ یہ اسپر بطور صوبہ سلطنت روم کے حکومت کرے اور قابض ہو۔" غرض اتنا تمام سامان انگلستان کو مغلوب کرنے کے واسطے ہو گیا اور

اجیت بیڑے نے لنگر اٹھایا ۔

پہلا جہاز راس لزرڈ سے ۲۹ - جولائی ۱۵۸۸ء کو نظر پڑا - لوگ اسکے دیکھنے کے مشتاق تھے - تمام بندرگاہوں میں ایکدم خبر پھیل گئی - جسوقت پلے متھ میں خبر پہونچی ڈریک اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کھیل میں مشغول تھا - مگر شام ہونے سے پہلے پہلے ساٹھ نہایت عمدہ انگریزی جہاز بندرگاہ پلے متھ سے تیار ہوکر نکلے - تاکہ دشمن کے مقابل ہوں - مگر صبح تک اچھی طرح سب اسپین کے جہاز اُن کو دکھلائی نہ دیے - غرض اس طرح ایک روز اور گذر گیا اور پھر انھوں نے دشمن کا سامنا کیا ۔

انگریزی کمانڈر ڈریک - **ہاکنس** اور **فرابشر** تھے - یہ لوگ بڑے تجربہ کار - مشاق - ہوشیار بہادر اور چالاک جہازران تھے - انھوں نے ہر صورت میں خطرے کا مقابلہ کیا تھا اور اسوقت اپنے مُلک کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کو کمربستہ تھے - چنانچہ پہلے ہی مقابلے میں ان کی خوبی ظاہر ہوگئی - انھوں نے ہوا کا رخ پکڑ لیا - اور گولا باری شروع کر دی اور جب موقع آتا آپ دشمن کی دسترس سے نکل جاتے - ہلکی ہلکی انگریزی کشتیاں ان بڑے بڑے دیوصورت ہسپانیہ کے جہازوں کے گرد نہایت آسانی سے پھرنے لگیں اور گولیاں مار کر ان کو چھلنی کر دیا - اہل اسپین چاہتے تھے کہ یکبارگی دونوں طرف سے گھمسان کا حملہ ہو - مگر انگریز اس سے انکار کرتے تھے - انگریز دشمن کے جہازوں کے پاس جاتے اور وار کرکے دور نکل جاتے - اس طرح کی لڑائی تمام بندرگاہ میں ہوتی رہی یہاں تک کہ انگریزوں کی اور کمک بھی آپہونچی - رات آپڑی اور لڑائی برابر جاری رہی - مگر اہل اسپین کے جہازوں کی آپس میں ٹکر ہونے لگی چنانچہ ایک ایک ان کا جہاز انھیں کے دوسرے جہاز سے ٹکر کھا کر غرق آب ہوگیا - ان کی ایک سب سے پچھلی کشتی بیکار ہوگئی - اور ڈریک نے اسکا تعاقب کرکے صبح تک اسے پکڑ لیا ۔

اب انگریزی جہازوں نے اس بیڑے کو آگے رکھ لیا اور لڑتے ہوئے اسکا تعاقب کیا - لوگ ساحل بحر پر کھڑے نہایت اشتیاق سے دیکھ رہے تھے - جس چھوٹے بندرگاہ پر سے یہ گذرے کشتیوں پر آدمی بھرے ہوئے اور رسد لدی ہوئی انگریزوں کی مدد کو نکلے - ان میں سے بہت شخص سوداگر اور دوکاندار تھے - اہل اسپین کا بیڑہ پورٹ لنڈبل اور سنٹ البائن ہیڈ کے درمیان جسوقت پہونچا ہوا کا رُخ بدل گیا - انگریز ایکطرف کو پھرنے لگے لیکن گھر گئے - اور اب تمام بیڑا ان پر آپڑا - مگر گو اہل اسپین نے بہت کوشش کی کہ ان کے تمام جہاز یکجا جمع ہوجائیں - لیکن یہ نہ ہوسکا اور علیحدہ علیحدہ باہم جہازوں میں جنگ ہونے لگی مگر نتیجہ اس سے کوئی نہ نکلا ۔

اسکے بعد بیڑے نے جزیرۂ وائٹ سے گذر کر کیلے کا راستہ لیا - انگریز بھی ساحل بحر سے گولی بارود اور

ضروری سامان لیکر اُسکے تعاقب میں آہستہ آہستہ چلے۔ انگریز اسوقت لارڈ ہنری سیمور کی شمولیت کے منتظر تھے۔ اتنے میں یہ بھی مع لپنے ۱۶ جہازوں کے اُن سے آملا اور یہ سب ملکر کیلے کی طرف بڑھے جہاں انہوں نے ہسپانیہ کا "اجیت بیڑہ" ہلال کی صورت میں آہستہ آہستہ جاتے ہوئے دیکھا اہل اسپین اسوقت ندرلنڈ سے کمک کی آمد کے منتظر تھے۔ کیونکہ ۳۰ ہزار مسلح جوان وہاں موجود تھے یہ سپاہ کا بڑا بھاری جنرل سکندر فارنیز ندرلنڈ سے آکر منصور اہل اسپین کو دارالخلافہ انگلستان میں لیجانے کو تھا مگر اجیت بیڑے کا یہ انتظار لاحاصل تھا۔ ڈچ اور زیلنڈ کے بیڑوں نے متفق ہوکر ندرلنڈ کے تمام بندرگاہ بند کردیئے تھے۔ چنانچہ ایک چھوٹی سی کشتی کا بھی یہاں سے گذرنا ناممکن تھا۔

لارڈ ہاورڈ انگریزی بیڑے کے کمانڈر نے تمام افسروں کو مشورے کے واسطے بلایا۔ اور یہ ارادہ ہوا کہ اجیت بیڑے پر حملہ کیا جائے۔ اسوقت آدھی رات تھی۔ ایک دم میں ۶ آتشی کشتیاں آگ سے دھکتی ہوئی اجیت بیڑے میں بھیجی گئیں۔ اس پر اہل اسپین میں ابتری پھیل گئی۔ تمام بیڑے میں شور و غوغا پیدا ہو گیا لنگر کاٹ دیئے گئے۔ اور جہاز سمندر کی لہروں سے تیرنے لگے۔ بڑے بڑے جہاز جس قدر تھے سب باہم اُلجھ گئے۔ اور بعض انگریزوں کی آتشی کشتیوں سے جل گئے۔ سب سے بڑا اور نہایت شاندار اہل اسپین کا چھوٹا سا جہاز کیپٹانا کنارہ کیطرف بہ گیا اور فرانسیسیوں کے ہاتھ آیا۔ جب صبح کو آفتاب طلوع ہوا تو کچھ حصہ تو بیڑے کا ٹکڑا ہوا تھا اور باقی جہاز بندرگاہ ندرلنڈ کیطرف لنگر اُٹھائے جارہے تھے۔ انگریزوں نے بھی لنگر اُٹھاکر ان کا تعاقب کیا۔ چنانچہ گریولائن کے قریب اجیت بیڑے کے پاس جا پہنچے اور اسپر حملہ کیا۔ اجیت بیڑے کے جہاز پھٹ گئے۔ اُن کی رسیاں ٹوٹ گئیں۔ اور چار جہاز ایکدوسرے سے ٹکراکر اور اُلجھ کر بیکار ہوگئے۔ انگریز ۶ گھنٹے کامل لڑتے رہے اور اہل اسپین کو اپنے دہنے بائیں ہونے کا مطلق موقع نہ دیا۔ لڑائی ختم ہونے سے پہلے ۳ جہاز اہل اسپین کے غرقاب ہوگئے۔ اور بہت سے ٹوٹے پھوٹے شکستہ حال ہالنڈ کے قاتل ساحل بحر کیطرف بہتے ہوئے چلے۔ اہل اسپین کے ۱۶ جہاز صرف لڑائی میں ضایع ہوگئے اور چار سے پانچ ہزار تک سپاہی کام آئے۔ حالانکہ ادھر صرف ایک جہاز ٹوٹا اور کوئی سو انگریز مارے گئے۔

ہوا خوب زور سے چل رہی تھی اور جہازوں کو بہائے لیئے جاتی تھی۔ اسپر میڈینا سڈونیا اجیت بیڑے کے کپتان جنرل نے واپسی کا حکم دیا۔ اور یہ شمال کی طرف کھلے سمندر کو چلے لارڈ ہاورڈ نے چند جہازوں سے ان کا پیچھا کیا۔ کیونکہ باقی جہازوں میں گولی بارود ختم ہوگئی تھی اس واسطے یہ سب کو واپس کردیئے گئے۔ اتنے میں ہوا اور بھی شدت سے چلنے لگی۔ اور اسکے جھونکوں سے موجوں کے

تھپیڑے کھاکر اجیت بیڑا بحر شمالی کی طرف چلا۔ ہاورڈ نے فورتھ آف فورتھ تک ان کا تعاقب کیا۔ مگر اب آگے جانا فضول تھا کیونکہ ہوا اب اسکے دشمنوں سے بدلہ لے رہی تھی۔ اجیت بیڑے کے جہاز تتر بتر ہوگئے۔ بعض تو آپسمیں ٹکرا کر غرقاب ہوگئے۔ کچھ ادھر اُدھر پھیل گئے۔ اور کچھ ساحل ناروے پر ڈوب گئے۔ یہ جنوب کی طرف جا نہ سکتے تھے۔ کیونکہ برٹش چینل کا راستہ ان کے واسطے بند تھا۔ لہذا یہ سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے مغربی ساحل کیطرف سے ہی اسپین کو پہونچ سکتے تھے۔ مگر اسطرف جہازرانی بڑی خطرناک تھی۔ چنانچہ اس طرح اس راہ میں بھی بہت سے اسپین کے جہازوں کا نقصان ہوا۔ بہت کم آدمی باقی بچے تھے جنہوں نے اجیت بیڑے کی تباہی کا حال اسپین جاکر سنایا۔ ۳۲ جہاز مع سپاہیوں کے آئرلینڈ کے کنارے سمندر میں ڈوب گئے۔ غرض جو کچھ جہاز اس اجیت بیڑے کے اسپین پہونچے وہ ایسے شکستہ اور خراب تھے کہ دوبارہ قابل استعمال ہرگز نہ تھے +

فلپ کو دوبارہ پھر چڑھائی کی جرأت نہوئی۔ اسکے واسطے یہ نہایت ضروری تھا کہ ایک بڑا زبردست بیڑا رکھے تاکہ اپنے ملک اور اپنے مقبوضات امریکہ کی حفاظت کرسکے۔ انگریز اور اہل ہالنڈ برابر اہل سپین سے لڑتے رہے۔ اور مختلف ممالک میں بہت سے معرکے ہوئے۔ انگریز اور فرنچ اسپین کے جہازوں کی تاک میں رہتے۔ تاکہ اُن کو پکڑکر وہ روپیہ وصول کریں جسکے بل پر فلپ نے انگریزی اور فرنچ آزادی پر حملہ کیا تھا +

انگریزی بحری بہادروں نے بڑے بڑے بہادری کے کام کیئے ہیں۔ ان میں سے ایک سر رچرڈ گرینوائل الزبتھ کے عہد میں **وائس ایڈمرل** (نائب امیر البحر) تھا۔ یہ ازورس کو بھیجا گیا تاکہ اسپین کے لاپلاٹا بیڑے کو روکے۔ فلپ شاہ سپین کو بھی پہلے ہی سے اس مہم کی خبر ہوگئی چنانچہ اُس نے ایک نہایت زبردست بیڑا جسمیں ۵۳ جہاز تھے مقابلے کو بھیجا تاکہ اُسکی حفاظت میں لاپلاٹا بیڑے پر جو سونا لدا ہوا تھا وہ اسپین تک پہونچ جائے۔ چنانچہ انگریزوں اور سپین والوں کا سامنا ہوا۔ چھ جہاز انگریزوں کے اور ۵۳ سپین والوں کے تھے۔ اور آخر الذکر کی طاقت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پانچ انگریزی جہازوں کو جو لارڈ ہاورڈ کی زیر کمان تھے مطیع ہونا پڑا۔ سر رچرڈ گرینوائل **ریوینج** نامی جہاز میں بیٹھا تھا اور یہ وہی پرانا جہاز تھا جسمیں بیٹھکر **سر فرانسس ڈریک** نے برٹش چینل میں اجیت بیڑے کا مقابلہ کیا تھا۔ سر رچرڈ گرینوائل مطیع نہوا۔ اور اس نے تمام اسپین والوں کے بیڑے کا مقابلہ کیا +

اسکے ساتھ جہاز میں کل ایک سو جوان تھا۔ مگر ان میں سے ہر ایک اسی کی طرح بہادر تھا۔ ۱۵ گھنٹے کامل اسپین والے اسپر گولہ باری کرتے رہے۔ اور ۱۵ مرتبہ اسکے قریب آئے۔ مگر پھر بھی اُن کے مُنہ پھر گئے۔ سر رچرڈ

دو مرتبہ زخمی ہوا۔ لوگ اسکو نیچے لیگئے اور یہاں ایک گولی آکر اسکے سر میں لگی۔ اور جو ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا وہ بیچارہ بھی گولی کھاکر عدم کو سدھارا۔ چنانچہ اس لاچاری میں سر رچرڈ نے نصیحت کی کہ جہاز کا دشمنوں کے ہاتھ میں جانے سے ڈوب جانا اچھا ہے۔ مگر بہت سے اہل جہاز نے اسکی مخالفت کی۔ اور یونج اہل اسپین کے ہاتھ لگا۔ اور یہی صرف ایک جہاز تھا جو ان کے تصرف میں اب تک آیا تھا۔ مگر یہ ایسا شکستہ ہو رہا تھا کہ سمندر پر چلنا اسکا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ دوسرے دن یہ غرقاب ہوگیا ؛

مگر اس بہادر کی موت بھی ایسے ہی شریف تھی جیسے کہ اسکی زندگی۔ اس نے کہا: "سنو۔ میں رچرڈ گرینوائل نہایت بشاش اور باآرام دل مرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے ایک سچے سپاہی کی طرح عمر بسر کی۔ اپنے ملک اپنی ملکہ۔ اپنی عزت۔ اور اپنے مذہب کی خاطر لڑتا رہا۔ میری روح نہایت رضامندی اور خوشنودی سے اس خاکی بدن سے جدا ہوتی ہے۔ اور اپنے پیچھے ہمیشہ رہنے والی شہرت اس بہادر سپاہی کی طرح چھوڑے جاتی ہے جس نے اپنا وہ فرض ادا کیا جس پر وہ تعینات کیا گیا تھا" اور اتنا کہکر بہادر سر رچرڈ گرینوائل جان بحق ہوا ؛

طاقت اور تجارت عموماً ایکدوسرے کے ساتھ ہیں۔ جب کسی ملک کی تجارت جاتی رہتی ہے تو اسکی طاقت بھی چلی جاتی ہے۔ غرض ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے پر منحصر ہے۔ سب سے بڑا تجارتی شہر زمانہ حال کا وینیس تھا۔ ہمکو اب تک ان محلوں کے کھنڈرات دکھلائی دیتے ہیں جو گرینڈ کنال کے کنارے واقع ہیں حالانکہ شہر اسوقت مفلسی میں غوطے کھا رہا ہے۔ جنگ لیپانٹو کے بعد تجارت مغرب کی طرف اور آگے بڑھی۔ چنانچہ جنوا جنوب میں تجارت کا مرکز ٹھہرا۔ اور ہنس شمالی جرمنی کا ایک شہر شمال میں

بلجیم گو وسعت میں چھوٹا تھا۔ مگر یورپ کے نہایت ہی زرخیز اور تجارتی ملکوں میں سے تھا ؛

مگر فلپ دوم کے عہد حکومت میں الوا کے خوف نے بلجیم کی تجارت کے گلے پر چھری پھیر دی۔ اسپین جو نئی دنیا میں جرمنی۔ اٹلی اور نیدرلینڈ کا اب تک ظالم تھا اب تمام یورپ کیواسطے منبع تمسخر بن گیا۔ ہالنڈ نے اسکے تیور بدل دیئے۔ اور اسکے جہازوں کو مار کر بھگا دیا۔ اب ہالنڈ تجارت کا دارالخلافہ بن گیا۔ اور اسپین میں تجارت کا آفتاب غروب ہونیلگا۔ حتی کہ اسوقت ہمارے سامنے نکما ملک بن گیا ہے ؛

ہالنڈ کے بعد انگلستان میں تجارت کا آفتاب طلوع ہوا۔ یہ دونوں قومیں جہازرانوں کی تھیں اور ایک ہی نسل سے تھیں۔ انھوں نے دنیا کی تواریخ میں ایک نئے زمانے کو جگہ دی۔ ان کا مسئلہ تھا: "جہاز۔ بستیاں اور تجارت" انہوں نے نئی زمینیں دریافت کیں۔ اپنی بستیوں کو تمام دنیا میں پھیلایا۔ فرانس۔ اسپین۔ ہالنڈ اور انگلستان نے یکساں شمالی امریکہ میں بستیاں آباد کیں۔ اور گو ان سب کے بقایا اب تک موجود ہیں

مگر انگریزوں کی بستیاں شمار میں ان سے بڑھ جاتی ہیں۔ کناڈا۔ شمالی امریکہ۔ آسٹریلیا۔ نیوزیلینڈ۔ راس امید اور جزائر ہندوستان میں انگریزی زبان بولی جاتی ہے۔ اور اگلی صدی میں یہ زبان سب سے بڑھکر دنیا کے پردے پر مروج ہو جائیگی۔ مگر یہ سب کچھ جہازوں اور جہازرانوں کی بدولت ہے ۞

جنگ انقلاب فرانس کے دوران میں نپولین نے تمام یوروپ کے بندرگاہ انگریزی جہازوں کیواسطے بند کر دیئے۔ چنانچہ اٹلی میں نیپلز۔ فرانس میں ٹولون۔ سپین میں کیڈز سے لگاکر ہالنڈ۔ ڈنمارک۔ جرمنی اور ڈانٹزگ تک کوئی بندرگاہ ان کے واسطے نہ کھلا تھا۔ نپولین کو انگریزی بیڑے سے نفرت تھی۔ کیونکہ اس نے نپولین کا بحیرہ روم میں پیچھا کیا تھا۔ اور ابوقیر پہلے سے جاپکڑا تھا۔ اس نے نپولین کے بیڑوں کو نیل میں جہاز تباہ کر دیئے تھے۔ انگریزی فوج کورنا۔ ٹورس۔ ویڈراس اور بلجیم تک اسکے دانت کھٹے کرنے کو پہنچی تھی اور نپولین کو انگریزوں کی یہ باتیں نہ بھولی تھیں ۞

مگر پھر بھی انگریزوں کی بحری طاقت نے ہر جگہ اپنا زور دکھلایا۔ بہت سے بہادر اسکے لئے مر مٹے اور ان میں سب سے بڑھکر نیلسن تھا۔ یہ ایک عجیب فہم و فراست کا آدمی تھا۔ یہ نہایت تیز فہم تھا اور بہت ہوشیاری سے کام کیا کرتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ یہ اس کا کام اور فرض تھا کہ انگلستان کی دل و جان حفاظت کرے۔ جبتک نیلسن بحری محکمہ میں رہا۔ تن و مردسب مطمئن اور بیغم رہے۔ مگر یہ صرف ایک لائق اور دلیر جہازران ہی نہ تھا۔ اسکی بہادر روح میں حب الوطنی کا شعلہ ہمیشہ روشن تھا۔ اور اسکے اصول کا خاکہ ہومر کے ذیل کے الفاظ میں کھینچ سکتا ہے :-

"لڑنا وطن کی خاطر ایمان ہے سب سے بہتر"

اسکی زندگی کیا تھی۔ ایک فسانہ تھا۔ اسکی طبیعت کی کمزوری بھی ایسی ہی مشہور تھی جیسے اسکا فیض اور صفات حمیدہ۔ اور پھر بھی یہ دنیا میں نہایت ہی بہادر اور دلیر آدمیوں میں سے ہے۔ اسکے آخری الفاظ جو زبان سے نکلے یہ تھے :- "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور اسکے واسطے میں خدا کا مشکور ہوں" ۞

انگلستان کے جہازران وہ لوگ ہیں جو تجارت کی ہوس دل میں لئے ہوئے ہیں۔ اور اپنی دلیری اور بہادری کے باعث انگریزی چال چلن کے نہایت عمدہ سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ لارڈ سنڈن نے ایک بار جو چال چلن ایک جہازران کا بیان کیا وہ قابل غور ہے۔ لارڈ موصوف لورپول میں لڑکوں کی ایک جماعت کے سامنے تقریر کر رہے تھے جو جہازوں پر کام سیکھنے کو منتخب ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا :-

"اس سے بڑھکر اور کیا شرافت انسان کو حاصل ہو سکتی ہے کہ اول درجہ کا انگریزی جہازران بنے؟ اور سب سے بڑھکر عمدہ انگریزی جہازران کے چال چلن میں کیا شامل ہوتا ہے؟ میں کہتا ہوں سب سے بڑھکر

یہ کہ وہ وفادار اور راستباز رہے - بہادر ہو شفیق ہو ضعیف اور ناتوان پر مہربانی کرے - اور جو فرض خدا کا اور اُسکے ملک کا اُسکے ذمے ہیں ہے اُسکے ادا کرنے میں مستقل اور ثابت قدم رہے - جو شخص کہ سب سے بڑھکر شادمانی اور مسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ وہ لوگ ہیں جو پہلے اپنا خیال نہیں کرتے بلکہ اُن کا جو اُن کے ارد گرد ہیں - اور یہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور خدا پر تکیہ کرتے ہیں - یہ امر شریفانہ زندگی کیواسطے سب سے بڑھکر ضروری ہے - اور اسی میں سب سے اعلےٰ انگریزی نیک چلنی کا نمونہ شامل ہے " ٭

جو انعام کہ گورنمنٹ کی طرف سے ملتا ہے اسمیں ملک کی طرف سے جہازران لڑکوں کیواسطے ذیل کی شرائط ہوتی ہیں :- " بخوشی بزرگوں کی اطاعت کرو - نیک چلن ہو اور پاس عزت اور آبرو رہو - ناتوانوں اور کمزوروں پر شفقت کرو - اگر کسی سے خطا ہو تو اُسکی معافی کے واسطے ہر وقت تیار رہو - دوسروں میں باہم صلح کراؤ - اور سب سے بڑھکر نڈر اور بیخوف ہو کر صداقت اور فرض کے تابعدار رہو " ایسے اصولوں پر اگر عملدر آمد ہو اور ان کو مد نظر رکھا جائے تو ہر طرز زندگی میں ان سے اخلاقی نیک چلنی کا ایک مکمل نمونہ پیدا ہو جائیگا ٭

جہازران اپنے جہاز کے حق میں وفادار رہتا ہے - خطرے کے موقع پر کپتان سب سے پچھلا شخص ہوتا ہے جو جہاز سے نکلتا ہے - خواہ طوفان آ دبائے یا آگ لگجائے - کپتان سب سے پہلے بچوں اور عورتوں کی سلامتی کا خیال کرتا ہے اور جب صحیح وسلامت کنارے پر پہونچ جائیں تو پھر مرد - اسکے بعد جہاز کے نوکر چاکر اور پھر سب کے بعد یہ خود کنارے کو جاتا ہے - سچی لتوں میں نیکی کی طرح دلیری اپنا آپ ہی صلہ ہے اسکو نہ تو تعریف کی خواہش ہوتی ہے نہ تحسین و آفرین کی - خواہ خشکی ہو یا تری " میں نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا " جہازران کی زبان پر ہوتا ہے - خطرے سے بڑی بڑی اعلےٰ صفات کا اظہار اور اُنکی آزمائش ہو جاتی ہے - جب بہت سے بنی نوع کی جان ڈانواں ڈول ہو رہی ہو اسوقت عوت کو اُن کے بچانے کے واسطے ہر ایک کوشش درکار ہوتی ہے - خواہ دلیر آدمی کیسے ہی ہولناک اور جانکاہ خطرے میں پڑے مگر یہ اس سے مطلق نہیں ڈرتا بلکہ مردانگی سے اُسکے مقابل سینہ سپر ہوتا ہے - یہ تیار ہے کہ خواہ موت آئے خواہ زندگی یکساں اطمینان سے یہ اس سے بغلگیر ہو ٭

کمانڈر رائو ایک ایسا شخص تھا جس نے نہایت دلیری سے مرتے دم تک بہادری کا ہاتھ نہ چھوڑا - اس کا جہاز گارڈین عین بیچوں بیچ سمندر میں ایک برف کے تودے سے ٹکر کھا گیا - اور جہاز کی غرقابی اسٹ معلوم ہو چلی - فی الفور جہازی پمپ کام میں لائے گئے - ہر ایک چیز جو وزنی تھی توپیں - گولے اور بارود وغیرہ سب سمندر میں پھینک دیئے گئے - ۴۸ گھنٹے جان توڑ اور لگاتار کوشش کے بعد تمام جہاز میں صدا گونجنے لگی " کشتیاں لاؤ کشتیاں " رائو کے نوکر نے اس سے پوچھا " آپ کس کشتی میں جائیں گے تا کہ میں بھی اسی میں

آپ کے ساتھ بیٹھوں؟" اسپر راؤنے جواب دیا "میں جہاز پر رہوں گا اور اگر ہوسکیگا تو اسے بچاؤں گا ورنہ اسی کے ساتھ غرق ہوجاؤں گا"۔

جس وقت کشتیوں پر مسافر سوار ہوچکے تو راؤ نے ایک خط امیر البحر کو لکھا اور اُسمیں اِس حادثہ کی اطلاع دی اپنے ماتحت افسروں کی تعریف کی اور پھر آخر میں اسکو الوداع کہی "کیونکہ مجھکو اب کچھ اُمید نہیں کہ میں چند گھڑی بھی اس دنیا میں زندہ رہوں"۔ یہ کشتیاں کنارے کو روانہ ہوئیں اور راؤ کوئی نصف کے قریب اہل جہاز کے ساتھ جہاز میں ہی رہا۔ بہت سی کشتیاں غرق ہوگئیں مگر جہاز صحیح و سلامت بچ رہا۔ نہایت ہوشیاری اور صبر سے آٹھ ہفتے بعد "گارڈین" ٹیچ جہازوں کو نظر آیا اور یہ اسی رسیوں سے کھینچکر ٹیبل بے میں لیگئے۔ اسکے بعد کپتان راؤ نہایت بہادری سے جنگ کوپن ہیگن میں لڑتا ہوا کام آیا۔

اب ہم ایک اور مثال دیتے ہیں۔ اور یہ ایک معمولی جہاز کے کپتان کی ہے جسمیں صداقت اور فرض کی بجاآوری کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ یہ بہادر کپتان **نولس** تھا جسکی نسبت مسٹر **گلیڈسٹون** کی رائے ہے کہ یہ **نیپولین** سے بھی بڑھکر بہادر تھا کیونکہ اسپر خود غرضی اور نفسانیت کا دھبہ نہیں۔ اسکی عمر کا سب سے بڑھکر حادثہ ذیل میں درج ہوتا ہے:-

جہاز **نارتھ فلیٹ** نامی جس کا کہ یہ کپتان تھا لندن سے ہوبرٹ ٹاؤن کو روانہ ہوا۔ اس جہاز پر چند تارک الوطن بھی تھے اور ڈنجنیس کے قریب لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ اسوقت رات کے گیارہ بجے تھے اور تاریکی اسقدر تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ جہاز میں روشنی ہو رہی تھی تاکہ کسی جہاز سے اندھیرے میں ٹکر نہ ہوجائے۔ مگر اتنے میں اسپین کا جہاز "مرلو" آپڑا اور اس جہاز کو ایسا دھکا لگا کہ اسکی تہ میں ایک سوراخ ہوگیا۔ اہل اسپین جہاز ہٹا کر چلدیے اور تقریباً تین سو بندگان خدا کو موت کے مونھ میں چھوڑ گئے۔ انہوں نے کچھ بھی مدد کرنے کا ارادہ نہ کیا۔ کپتان نولس نے پمپ چلانے کا حکم دیا۔ جس وقت جہاز کے لوگوں نے جہاز کو ڈوبتے دیکھا اُن میں نہایت ہی بےچینی اور تہلکہ پڑگیا۔ عورتوں نے آہ و زاری شروع کی کشتیاں سمندر میں ڈالی گئیں اور کپتان نے عورتوں اور بچوں کو ان پر سوار ہونیکا حکم دیا۔ تمام مرد یکبارگی کشتیوں کی طرف دوڑے۔ مگر کپتان نولس یہ دیکھکر ایک طپنچہ ہاتھ میں لیکر راہ میں کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں فی الفور گولی ماردوں گا اگر کوئی شخص آگے بڑھا۔ ایک شامت زدہ اُسکے کہنے پر کچھ خیال نہ کرکے آگے چلنے لگا۔ کہ کپتان نے فوراً اُسکے پیر میں گولی ماری جس سے یہ لنگڑا ہوکر گر پڑا۔ عورتیں اور بچے کشتیوں میں بھر کر کنارے کو بھیجے گئے۔ اور اب جہاز پانی میں ڈوبنے لگا۔ یہاں تک کہ یہ بہادر کپتان مع اپنے جہاز کے سمندر کی تہ میں پہونچگیا مگر اس کی عورت جو نئی بیاہی ہوئی تھی مع ۷۵ اور آدمیوں کے بچگئی۔

آپ خود اپنی رضامندی سے وہ غرقاب ہوا — اور گیا بعد اپنے چھوڑا الفت کا اپنی تذکرا

جس کا کرنا اُسکے ذمہ تھا یہ تھا ایسا ہی کام — گر نہ یہ ہوتا جہاں میں کون لیتا اس کا نام

اے وطن تو تربیت کرتا ہے ایسے آدمی — فخر کی بھی جن پہ جا تجکو ہے اور رونے کی بھی

مرحبا ہاں ہیں کیے جا تربیت ایسے مدام
تاج جن کے سر پہ رکھے ہاتھ سے اپنے دوام

کوئی چودہ۱۴ سال گذرے جب جہاز "دی لنڈن" ۲۲۰ - آدمی لیکر خلیج بسکے کو چلا - اسوقت تمام مُلک میں ایکطور کی بے چینی اور بے صبری پھیل رہی تھی - اس جہاز پر بوجھ بہت تھا - چنانچہ اگر ذرا سی بھی ہوا چلتی تو پانی تختہ جہاز پر چڑھتا - اسوقت کوئی قانونی حکم سے جہاز پر بوجھ لادنے کا معیار نہ مقرر تھا - کیونکہ مسٹر پلمسول ابھی اُن حریص مالکان جہاز کے مقابلہ کو نہ نکلا تھا - لیکن اہل جہاز اور مسافروں نے صاف انکار کر دیا - گسٹاوس بروک بھی جہاز کے نہایت ہی بہادر مسافروں میں تھا - اس شخص نے بدل و جان محنت کی کہ جہاز کو پانی کی سطح پر چلتا رکھے - یہ شب و روز پمپ پر کام میں مصروف رہا - یہ تمام تختہ جہاز پر برہنہ پا اور برہنہ سر پھرا کرتا - ایک پمپ سے دوسرے پمپ پر جاتا اور جان توڑ محنت کرتا یہاں تک کہ جہاز کے غرق آب ہونے سے چار گھنٹہ پیشتر یہ اطمینان اور برقراری سے اپنے ایک ہمراہی کے کمرے کے دروازے پر جُھکا ہوا نظر آیا تھا - ایک مسافر نے جو جانبر ہوا اس کا ذکر اسطرح کیا "یہ حیرت انگیز طور پر محنت کرتا تھا اور جس قدر آدمی جہاز میں تھے سب سے بڑھکر بہادر تھا" ٭

مسٹر پلمسول اپنا حال بیان کرتا ہے کہ کس وجہ سے یہ بیچارے جہازرانوں اور مسافروں کی حمایت پر آمادہ ہوا - ایک مرتبہ طوفانی موسم میں ٹیمس سے ریڈکار کو جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہوا - یہاں سے واپس آتے وقت اسکو ایک ڈوبے ہوئے جہاز کے مستول اور بادبانوں کے ٹکڑے نظر پڑے اور معلوم ہوا کہ اس جہاز کا کوئی متنفس بھی اس آبی قبر میں دفن ہونے سے نہ بچا تھا - اسکو اپنی عورت کا خیال آیا کہ کس طرح وہ وسواس اور اضطراب سے اسکی آمد کی منتظر ہوگی - اور پھر اسکو اُن عورتوں کے انتظار کا خیال آیا جن کے شوہر یہاں غرق ہوگئے تھے اور اب اُن کی انتظار لاحاصل تھی - چنانچہ اُسی دم سے اُسنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنی آیندہ عمر - زر - زبان - قلم اس بارے میں صرف کر دیگا کہ کسی طرح بندگان خدا مالکان جہاز کے حرص کا شکار بننے سے بچیں - اب خواہ کوئی کھڑا ہو - اور مسٹر پلمسول کے خیال کی تائید کرے جس کی وجہ سے آج قانون اس بارے میں جہازرانوں اور مسافروں کے حق میں ایک محفوظ قلعہ کا کام دیتا ہے - مگر سب تحسین و آفرین کا یہی مسٹر پلمسول مستحق ہے جس نے نہ صرف اس نیک امر کی تحریک کی بلکہ

اسے پورا کر دیا ٭

شاید جو تعلق بری کپتان اور اُسکے سپاہیوں میں ہوتا ہے اس سے بڑھکر بحری کپتان اور سپاہیوں میں ہوتا ہے - کیونکہ آخرالذکر ایک ہی کشتی میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں - ان کے دل میں ایک دوسرے کا خیال اچھی طرح ہوتا ہے - اور باہم ان میں زیادہ تر اُلفت ہوتی ہے - یہ نہایت حیرت انگیز طور پر جب کبھی موقع آتا ہے ایک دوسرے کی جان بچانے کو تیار ہو جاتے ہیں - ہمکو اسوقت لکھتے لکھتے دو نہایت موزوں مثالیں یاد آئی ہیں ٭

جب ملکہ معظمہ کا جہاز "دی الونسیل" نامی ماہ فروری سنہ ۱۸۵۰ء میں سکندریہ سے ابوقیر بے کو جا رہا تھا یکایک جہاز میں "ایک آدمی گر پڑا" کی صدا گونج اُٹھی کشتیاں سمندر میں چھوڑی گئیں اتنے میں جو شخص گرا تھا - وہ کچھ فاصلہ پر نظر پڑا - اس نے ادھر اُدھر ہاتھ مارے مگر بے سود غرض نہایت لاچاری کی حالت میں یہ بیچارہ سمندر کی تہ میں چلا گیا ٭

آنریبل ڈبلیو - ای - فریمنٹل جہاز کے کپتان نے دیکھا کہ اگر ایک لحظہ کی بھی دیر ہوئی تو اس کا کام تمام ہو جائیگا - چنانچہ یہ اسطرح بے تحاشہ ٹوپی - کوٹ - بوٹ وغیرہ سمیت تختہ جہاز پر سے کود پڑا - مگر عین وقت پر پہونچا کیونکہ اس نے اپنے ہاتھ پیر سیدھے کر کے اور اُس مقام پر پہونچکر جہاں یہ شخص پانی کے نیچے تھا غوطہ مارا اور نیم جان اُسے باہر نکالا - اوّل تو کپتان خود اپنے کپڑوں کے بھیگنے سے گھبرا رہا تھا - دوسرے یہ شخص اُسکے ہاتھ میں تھا - لہذا اسکو شناوری میں بہت دقت پیش آئی - اتنے میں سب لفٹنٹ مور اور کننگھم بھی کود پڑے اور کپتان کی مدد کو پہونچے - اسکے بعد کشتیاں آ پہونچیں - اور یہ چاروں آدمی صحیح و سلامت جہاز پر جا پہونچے - اور جو شخص بیچارہ غرقاب ہونے سے جانبر ہوا تھا وہ علاج معالجہ کے بعد ہوش و حواس میں آ گیا ٭

کپتان شارپ اور جان ایم اسٹاش نے بھی کم بہادری اور ایثار کا اظہار نہ کیا تھا جب انہوں نے فرانسیسی جہاز میلانی کے آدمیوں کو نومبر سنہ ۱۸۰۸ء میں موت کے پنجہ سے چھڑایا - یہ دونوں شخص کپتان شارپ اور جان ایم اسٹاش انابیلا کلارک نامی جہاز میں تھے - اور یہ دونوں جہاز انگریزی اور فرانسیسی میدلے اڈور میں لنگر ڈالے کھڑے تھے - میلانی پر مٹی کا تیل لدا ہوا تھا - تھوڑے سے تیل کو آگ لگ گئی - گرمی سے پیپے اڑ گئے - اور جہاز سے ایک دم میں شعلے نکلنے لگے - مٹی کا تیل جلتا ہوا سمندر میں بہ نکلا اور میلانی ایک چشم زدن میں ایک آتشی فصیل سے محصور ہو گیا - کچھ آدمی تو جہاز پر سے کود گئے مگر باقی آگ اور پانی کے دُگنے خطرے سے کودنے سے باز رہے ٭

انا بیلا کلارک کے آدمیوں نے پیپوں کے اُڑنے کی آواز سُنی اور آگ کے شعلے اُٹھتے ہوئے دکھلائی دیئے۔ باوجود اس خوف و خطر کے دو شخصوں نے ان آگ میں گھرے ہوئے فرانسیسیوں کے بچانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ کپتان تھارپ اس کشتی میں کود پڑا اور جان ایم انسٹاش جہاز کے نجار نے بھی ایسا ہی کی۔ یہ نڈر ہوکر میان کی طرف آگ میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کے کپڑے اور ہاتھ پیر جل گئے۔ مگر یہ جہاز تک جا پہونچے۔ اور جسوقت فرانسیسیوں کو یہ صحیح وسالم اپنے جہاز میں لے آئے۔ انہوں نے اسکو اپنی جانبازی اور دلیری کا صلہ سمجھا۔ یہ نہایت ہی بہادرانہ کام تھا جس سے اعلےٰ درجہ کا ایثار اور ہمت نمایاں تھی۔ یہ کام نہ تو زر کی خاطر ہوا تھا نہ شادمانی کی خاطر۔ بلکہ یہ ہوا تھا صرف فرض کی خاطر جو کہ ان پر جیسا اپنا واجب تھا ویسا ہی دوسروں کا۔ مگر ایک بات ایسی جان کاہ ہوئی کہ ان دونوں بہادروں میں ایک اس شریفانہ کام کے پیچھے مدت العمر کے واسطے بیکار ہوگیا یعنی جان ایم انسٹاش کے ہاتھ اور بازو اسقدر جل گئے کہ یہ آیندہ تجارت کے کاروبار کے متعلق قابل نہ رہا۔ یہ لنڈن میں بیمار ہوکر آیا اور اڈروسن میں ابتک زندہ ہے۔ اور ابتک بیکار رہے۔ اسمیں تو شک نہیں کہ کپتان اور اس جہاز کے نجار کو ملکۂ معظمہ کا اوّل درجہ کا تمغہ ملا۔ گورنمنٹ فرانس نے ایک سونے کا تمغہ دیا۔ اور ایک تمغہ لائڈ وفس سے جان بچانے کی خاطر ملا۔ مگر ایک ایسے ناقابل کار شخص کا تمغوں سے ہرگز گزارہ نہیں ہوسکتا۔ کیا کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو ایسے بہادر کے گزارے کی کوئی تدبیر کرے؟

اسیطرح کا ایک ماجرا امریکہ میں پیش آیا۔ مگر خوش قسمتی سے یہ شخص عین نصرت کے موقعہ پر جاں بحق ہوگیا اور اپنی امداد کیواسطے اس سبب سے اسکو عوام الناس سے ملتجی نہ ہونا پڑا۔ ایک آگبوٹ کو جو جھیل ایری پر جا رہا تھا آگ لگ گئی۔ آگبوٹ پر کوئی سَو سے اوپر آدمی سوار تھے۔ پتوار پر جو مانجھی جان مے نرڈ تھا وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس کا مدعا تھا کہ کسی طرح آگبوٹ کو کنارے تک پہنچا دے تاکہ مسافر بچ جائیں۔ آگ آگبوٹ میں یہاں تک پھیلی کہ آخر کار اس تک بھی آپہونچی۔ اسکے کپڑے جل گئے اور خود یہ جلکر کوئلہ ہوگیا مگر اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ آخر کار آگبوٹ کنارے پر جا پہونچا۔ جو سَو آدمی اسپر تھے وہ بچ گئے۔ مگر مانجھی عدم کو سدھارا۔ اس نے خود کو قربان کردیا اور دوسروں کی جانیں بچالیں ؛

پیدل دستۂ فوج نمبر ۴۳ کی بہادری بھی کچھ کم نہیں تھی۔ یہ دستہ سار سنڈ نامی جہاز پر تھا جو بحر جنوبی میں سفر کر رہا تھا۔ تمام جہاز میں "آگ" کی صدا پھیل گئی اور تمام آدمی فی الفور اپنی اپنی جگہ مستعد کھڑے ہوگئے۔ بہت کوشش آگ بجھانے کی کی گئی مگر لاحاصل۔ اب صرف ایک تدبیر یہ

ہوسکتی تھی کہ جہاز کے پچھلے حصّے میں جو گولا بارود تھا وہ پھینک دیا جاتا لیکن ابھی آدمی اس کام میں لگے ہی تھے کہ یکایک دو بارود کے پیپوں کو آگ لگ گئی اور جہاز کا کچھ حصّہ اُڑ گیا۔ مگر خوش قسمتی سے اگلا حصّہ جہاز کا بچ رہا۔ چنانچہ سب نے ملکر یہاں پر آگ کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کی کشتیاں تیار کی گئیں اور عورتیں اور بچے ان پر سوار کر دیئے گئے۔ اور تمام سپاہی اس طرح باقاعدہ پرا باندھکر تختۂ جہاز پر کھڑے ہو گئے جس طرح گویا یہ کسی پریڈ میں کھڑے تھے ؛

نہایت ہی انتھک کوشش اور ہمت سے یہ دو روز تک آگ کا مقابلہ کرتے رہے اور بالآخر اسکو زک دی۔ مگر اس اثناء میں جہاز بھی نیم غرقاب ہو چکا تھا۔ ہوا تند ہونے لگی۔ سمندر لہریں مارنے لگا اور ایسا معلوم ہوا کہ آج یہ سمندر جہاز کو نہ چھوڑیگا۔ مگر سپاہی اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔ اور یہاں تک جانتوڑ کوشش کی کہ آخر کار ہوا موافق ہو گئی۔ سمندر درست ہو گیا اور آٹھ روز کے بعد یہ نیم غرقاب جہاز بغیر کسی جان کے نقصان کے مالٹا میں جا پہونچا ؛

جب کوئی سیاح نارچ کھتڈریل میں پہونچتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ بوسیدہ جھنڈے یہاں کیسے لٹکے ہیں۔ تو محافظِ کھتڈریل نہایت فخر سے جواب دیتا ہے کہ نمبر ۵۴ پیدل فوج کے فلاں دستہ کے ہیں۔ اور گو اس فوج کی جنگی بہادریاں بھی بڑی بڑی ہیں۔ مگر ان کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں آتا۔ دراصل یہ ان کی بحری بہادری ہے جو ان کی توقیر اور عزت کا منبع ہے۔ خدا اسکو برقرار رکھے ؛

ایک اور موقعہ پر جب ایک جنگی جہاز میں آگ لگ گئی اور ۲۸۰۔ آدمی موت کا لقمہ بننے لگے۔ ایک ناکتخدا افسر نے جسکو قرعہ پھینکنے سے ایک کشتی میں جگہ ملی تھی اپنی جگہ اپنی رضامندی اور خوشنودی سے ایک دوسرے افسر کو دیدی جسکے بال بچے تھے۔ یہ افسر صحیح و سالم کنارے پر پہنچ گیا اور ناکتخدا افسر اُن لوگوں کے ساتھ جہاز پر رہا جو اس دنیا سے عدم کو سدھار رہے تھے۔ یہ مثال ہے سچی بہادری کی کہ یہ شخص اپنے ایک ہمعصر بھائی کی خاطر مرنے کو مستعد ہو گیا کیونکہ اس ہمعصر کی ذمہ داری زیادہ تھی اور اسیواسطے بہ نسبت اُسکے اسکا زندہ رہنا زیادہ ضروری تھا ؛

طوفانی سمندر اور ہوا کی تیزی ہی جہاز کی تباہ کنندہ نہیں ہے بلکہ خطرناک سنگین ساحل بھی۔ جب کوئی جہاز خوب مضبوط بنا ہوا ہو۔ وزن بھی معقول اسپر ہو۔ اور اسکے چلانے والے بھی ہوشیار اور کارآزمودہ ہوں تو یہ کھلے سمندر میں اسی طرح سلامت ہے جیسیکہ خشک بندرگاہ میں ایسی گھڑی کہ اسکو خطرہ ہو شدید وہ ہوتی ہے جب یہ ساحل بحر سے چلتا ہے اور کسی خطرناک پتھریلی چٹان کا خوف نظر آتا ہے۔ اور اسیواسطے انگلستان کے گرد روشنی کے مینار بنائے گئے ہیں تاکہ انگلستان کے آنے والے جہازوں کو

اپنے منزل مقصود کی خبر ہو جائے۔ کوئی شخص بھی بجز اس کے اِن روشنی کے میناروں کی قدر نہیں جان سکتا جو کبھی اپنے وطن کو جا رہا ہو اور رات کا وقت ہو۔ آسمان پر ایک تارہ بھی نہ ہو مطلع کسی طرح صاف نہو۔ اور سمندر کی لہریں زور مار رہی ہوں۔ جب جہاز ران روشنی کے مینار پر سے روشنی کے رنگ یا کسی اَور علامت سے جان جاتا ہے کہ فلاں سمت میں قریب ہی کوئی پتھر کی چٹان ہے جسکی طرف جانے سے جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے۔ اور فلاں جانب سے منزل مقصود پر جہاز پہونچ جائیگا اس وقت جہاز ران کے دل کی کیفیت کچھ نہ پوچھیے ؛

روشنی کے میناروں کی تعمیر تمام بحری خطرات میں سب سے بڑھکر ہے۔ پہلے جو مینار روشنی کے انگلستان کے جنوبی ساحلوں پر بنے تھے وہ لکڑی کے تھے۔ چنانچہ سمالس اور دو ایڈیسٹن کے روشنی کے مینار بھی لکڑی ہی کے تھے۔ سمالس برسٹل چینل میں ایک چھوٹا سا چٹان ہے اور اسکی وجہ سے بہت عرصے تک آوان یا سیورن کی جانیوالی کشتیاں غرقاب ہوئی تھیں۔ سالوا پر بہت سی کارنش کان کن جمع ہوئے۔ سالوا اس چٹان سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ ایک کشتی میں بیٹھکر اس چٹان کو چلے۔ اور اِن کا منشأ یہ تھا کہ روشنی رکھنے کے واسطے آہنی لوہے کی سلاخیں ڈالی جائیں چنانچہ یہ لوگ کشتی پر سے اُترے اور ایک بڑی لمبی سلاخ اس چٹان میں ڈال بھی دی۔ لیکن موسم یکبارگی طوفانی ہوگیا اور اسواسطے کشتی کو چٹان کے پاس سے دور کرنا پڑا کہ مبادا یہ ٹکرکھا کر ٹوٹ جائے۔ جو لوگ چٹان پر تھے وہ اس لوہے کی سلاخ سے چپٹ گئے۔ اور اب انسانی تحمل اور بحری قوت میں جنگ شروع ہوئی شام سے لیکر صبح تک اس سے چپٹے رہے۔ یہاں تک کہ تیسرے دن طوفان کا زور گھٹا اور انکی جان بچگئی۔ یہ لوگ پھر اپنے کام میں مصروف ہوئے۔ یہاں تک کہ جو ان کا منشا تھا وہ پورا ہوگیا۔ اور یہ روشنی کا مینار جہاز رانوں کی خبرداری کیواسطے کوئی ۱۰۰ سال تک اسیطرح کھڑا رہا یہاں تک کہ پھر بجائے اسکے ایک سنگ مرمر کا مینار بنایا جوکہ قریباً ہمیشہ کے واسطے کافی ہوگیا ؛

مگر ونسٹنلے۔ رڈیارڈ۔ اور **سمیٹن** نے بھی **ایڈیسٹن** کے روشنی کے مینا بنانے میں کچھ کم دلیری اور بہادری ظاہر نہ کی۔ دو مینار جو پہلے بنے تھے وہ دونوں برباد ہوگئے تھے یعنی ایک تو طوفان کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں ۲۶ - نومبر ۱۷۰۳ء کو بہ گیا اور دوسرا آگ سے جل گیا کیونکہ دونوں لکڑی کے تھے اب سمیٹن نکلا اور اس نے ارادہ کیا کہ روشنی کا مینار پتھر اور سنگ مرمر کا بنے۔ اور گو بعض نے مزاحمت کی اور اصرار کیا کہ ایڈیسٹن پر لکڑی کے مینار سے بڑھکر اَور مینار کوئی نہ ٹھہر سکیگا۔ مگر سمیٹن اپنے قول پر ثابت قدم رہا ؛

سمیٹن پلے متھ کو گیا تاکہ اپنی مجوزہ عمارت کی جائے تعمیر دیکھے۔ سمندر بڑے جوش خروش سے لہریں مار رہا تھا لہذا اسکا چٹان پر اترنا محال تھا۔ مگر ۳ دن بعد یہ اڈیسٹن پر اترنے میں کامیاب ہوا۔ اسنے تین مرتبہ چٹان پر پہونچنے کی کوشش کی مگر تینوں مرتبہ ناکام پھرنا پڑا۔ مگر آخر کار یہ ایک جگہ کم پانی میں اترا۔ اور یہاں اس نے اپنے مجوزہ مینار کیواسطے پیمائش کی ہم ان مشکلات اور مصائب کا تذکرہ اس موقع پر فضول سمجھتے ہیں جن کا اس انجنیئر کو سامنا کرنا پڑتا۔ ایک موقع پر تو سمیٹن اور اسکے آدمی قریباً غرقاب ہی ہو چکے تھے۔ جب یہ پلے متھ کو واپس آرہا تھا ہوا تیز چلنے لگی اور پورے پورے طوفان کا سماں بندھ گیا۔ جس کشتی میں یہ بیٹھا ہوا تھا وہ ہوا کے جھونکے کے باعث قابو سے نکل گئی۔ زمین نظر سے غائب ہو گئی اور یہاں تک کہ یہ خلیج بسکے کی طرف بہنے لگی۔ غرض اس طرح چار روز تک ہوا سے ادھر ادھر بہکر اتفاقیہ ایک روز یہ بندرگاہ پلے متھ میں آ پہونچی +

سمیٹن نے تمام مینار کی تعمیر کا بخوبی اہتمام کیا۔ اگر کبھی کوئی خطرناک جگہ ایسی آجاتی جہاں جانے سے لوگ خوف زدہ ہونے لگتے تو یہ خود سب سے آگے وہاں پہنچکر کھڑا ہو جاتا۔ ایکبار یہ پتھر پر گر پڑا اور اسکا انگوٹھا اتر گیا۔ مگر اس نے فی الفور خود ہی جھٹکا دیکر اسکو چڑھا لیا۔ اور مینار کا بنیادی پتھر رکھنے کو آگے بڑھا تعمیر نہایت مستعدی سے جاری رہی یہاں تک کہ یہ مکمل ہو گئی۔ سمیٹن کا ارادہ تھا کہ اس اپنے مجوزہ مینار کو دائمی بنادے۔ اس نے بیان کیا "اس قسم کی مفید عام چیز کے بنانے میں میرا ارادہ ہے کہ اسکی مضبوطی دو یا تین صدیوں تک ہی کافی نہو بلکہ ابدالآباد تک" افسوس انسانی خواہشیں کیسی فضول ہوتی ہیں! گو اس روشنی کے مینار نے ۱۲۰ سال تک طوفان اور سمندر کی لہروں کا مقابلہ کیا مگر اب یہ قریباً شکستہ ہو رہا ہے اور اسکی جگہ دوسرا تعمیر ہو رہا ہے۔ گو یہ پتھر کی طرح مضبوط رہا۔ نہیں بلکہ پتھر سے بھی بڑھکر مگر پھر بھی پانی نے اپنا کام کیا۔ اور اسکی بجائے دوسرے مینار کی ضرورت پیش آئی۔ مگر پھر بھی سمیٹن نے ایک کار عظیم کیا۔ اور جس قدر بحری روشنی کے مینار اس کے بعد تعمیر ہوئے سب اس کی تقلید کے نمونے ہیں +

اسکی بجائے نئے مینار کی بنیاد ۱۹ اگست ۱۸۷۹ء کو رکھی گئی۔ اور مسٹر ڈاوگلاس سمیٹن کی بہادری اور عظمت کا جانشین ہوا۔ یہ شخص اسی کی طرح بہادر اور ہوشیار ہے۔ اس نے روشنی کے میناروں کی بنیادیں رکھتے وقت بہت خطرات کا سامنا کیا ہے۔ اور سمیٹن کی طرح یہ کبھی خطرے سے نہیں لرزتا اس نئے مینار کی بنیاد رکھنے سے چند روز قبل لوگ کام میں مصروف تھے اور سمندر میں طوفان برپا تھا۔ اتفاقیہ ایک ایسی لہر آئی کہ یہ قریباً بہ گئے ہوتے مگر خیریت گذری کہ آخر کار یہ گرتے پڑتے بچ نکلے +

مرحوم جیمس واکر سِوِل انجنیئر نے مسٹر ڈاوگلس کی ڈیوک آف ولنگٹن سے معرفی کرائی اور کہا "یہ ایک شخص ہے جس نے اسقدر لڑائیاں لڑیں ہیں جس قدر آنجناب نے۔ مگر اِس نے خون ایک بھی نہ کیا"! اسمیں تو کچھ شک نہیں کہ خونریزیاں ہوں۔ ان میں کامیابی ہو۔ لڑائیاں ہوں اور ان میں فتح حاصل ہو۔ مگر تمام فوج کے آدمیوں اور افسروں سے بڑھکر دن بدن انجنیئر کو زیادہ خوف و خطرے اور جان جوکھم سے مقابلہ پڑتا ہے چیف انجنیئر ایسی مہم میں ہنما ہوتا ہے۔ یہ سب سے پہلے چٹان پر کود کر پہونچتا ہے۔ اور سبکے بعد یہاں سے جاتا ہے۔ یہ خود اپنی تمثیل سے اپنے ادنےٰ درجہ کے آدمیوں میں بہادری اور دلیری کوٹ کوٹ کر بھر دیتا ہے۔ یہ آدمی اسکی تجویز کو مکمل کرتے ہیں اور اسکی تقلید سے دم بدم خطرے کے زیادہ عادی ہوتے جاتے ہیں ٭

کوئی چالیس سال گذرے زمانہ حال کے نہایت بہادرانہ کاموں میں سکرووَر کے مینار روشنی کی تعمیر تھی۔ جس چٹان پر یہ مینار بنا ہے وہ جزیرہ ٹائری کے مقابل سکاٹ لنڈ کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ یہاں بہت سے جہاز غرق آب ہو گئے تھے اور بجز ان کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑوں کے اَور کچھ کنارے پر نہ پہونچا تھا۔ اسپر یہ ارادہ ہوا کہ یہاں روشنی کا ایک مینار بنایا جائے۔ مسٹر ایلین سٹیونسن کو ہدایت کی گئی کہ اس مقام کی پیمائش کرے چنانچہ ۱۸۳۵ء میں اسکی پیمائش ختم ہوئی۔ اور پہلے پہل اسپر ایک چھوٹی سی بارک بنائی گئی۔ مگر ابھی مینار بننا شروع ہی ہوا تھا کہ ایک شب تمام عمارت بہ گئی۔ چنانچہ دوسرے سال پھر کام شروع ہوا۔ ۱۸۴۰ء میں بارک دوبارہ بنائی گئی اور یہاں انجنیئر اور اُسکے آدمیوں نے بود و باش اختیار کی ٭

یہ بہادر انجنیئر کہتا ہے "یہاں پہلے مہینے میں ہمکو اپنے کمرے بہ جانے سے بہت تکلیف اُٹھانی پڑتی۔ ایک موقع پر چودہ روز تک ساحل بحر اور ہم میں رسل و رسائل بالکل بند رہی۔ اور اس اثنا میں جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی ہمکو بجز جھینے کے ایک میدان کے اَور کچھ نظر نہ آیا۔ اور ہمارے کانوں میں ہوا اور لہریں شائیں شائیں کرتیں اور ایک موقع پر تو اسقدر شور تھا کہ ہم ایک دوسرے کی بات بھی نہ سن سکتے تھے۔ اس حالت میں اس بارک کو دیکھکر جو پچھلے سال بہ گئی تھی اور جو کہ کوئی بیس گز کے فاصلہ پر تھی ہمارے دل میں مایوسی اور خوف بیٹھتا جاتا تھا۔ اور مجھکو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک روز رات کو مَیں بے خبر سو رہا تھا کہ یکایک اس زور سے ایک لہر سمندر کی آکر بارک سے ٹکرائی کہ میری چارپائی ہلنے لگی۔ اسوقت جو خیالات میرے دل پر طاری ہوئی وہ ناگفتہ بہ ہے۔ نیچے سے مَیں نے آدمیوں کے چیخنے کی آواز سنی جس سے کہ میں اَور بھی ہکا بکا رہ گیا۔ اور ہم سب نکلکر اِس خیال سے بھاگے کہ تمام عمارت بہ گئی ہے" ٭

طوفان ختم ہوگیا اور انجنیروں نے جو بالکل فاقہ کشی کی حالت کو پہونچ گئے تھے پھر اپنی خوراک جمع کی اور کام میں مصروف ہوئے۔ غرض ۶ سال کی جانفشانی اور عرقریزی کے بعد یہ مینار مکمل ہوا اور یکم فروری ۱۸۴۴ء کو پہلی مرتبہ جہازرانوں کیواسطے روشنی کی گئی ٭

یہ روشنی کے مینار بھی اُن چیزوں میں سے ہیں جن کی اسوقت جہازرانوں کو ضرورت پیش آتی ہے جب یہ اپنے وطن کو واپس آرہے ہوں اور طوفان کا سمندر پر عمل ہو۔ سمندر کی لہریں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور چٹانوں سے اس طرح ٹکراتی ہیں کہ توپ کی آواز بھی اُن کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی ٭

۱۸۷۹ء میں **نیوکاسل** کی کشتی **ایڈونچر** **ٹائن** کے دہانے کے پاس ٹوٹ گئی۔ ابھی یہ کشتی یہاں کھڑی تھی کہ اسکے مسافروں نے نیچے کودنا شروع کیا۔ کنارہ یہاں سے ۳۰۰ گز دور تھا۔ اسوقت دریا کے کنارے کوئی ۳۰۰۰ تماشہ دیکھنے والے کھڑے تھے مگر ان میں سے ایک کو بھی اتنی جرأت نہوتی تھی کہ اُن کی مدد کو پہونچے۔ یہاں موقع ایسا تھا کہ کوئی معمولی کشتی یا بجرہ ٹھہر نہ سکتا تھا۔ اس مصیبت کے نظارے نے لوگوں میں جوش بھڑکا دیا اور ایک کمیٹی قایم ہوئی جس نے اشتہار دیا کہ جو شخص ایسی کشتی ایجاد کریگا جس سے یہ تمام دقت رفع ہوجائیگی وہ انعام کا مستحق ہوگا۔ تمام تجویزوں میں سے دو تجویزیں کمیٹی نے منظور کیں۔ ایک **ولیم وڈ ہیو** کی اور دوسری **ہنری گریٹ ہیڈ** کی۔ گریٹ ہیڈ کو انعام دیا گیا۔ مگر وڈ ہیو کی تجویز سے اکثر نکتے لیکر کشتی مکمل ہوئی۔ اب دراصل اس کشتی میں وڈ ہیو کی تجویز بہت کچھ شامل ہے اور اسکو بھی انعام ملنا چاہیئے تھا۔ وڈ ہیو پہلے رنگساز تھا اور بعد میں **سنٹ ہلڈا** کے گرجا کا منشی بن گیا۔ قبرستان میں اس کا ایک بُت رکھا گیا ہے اور یہاں اسکی مجوزہ کشتی کا نمونہ بھی ہے اس بت کے نیچے کتبہ پر کندہ ہے کہ "یہ شخص بنی آدم کیواسطے بے بہا بابرکت چیز لائف بوٹ کا موجد ہے" گریٹ ہیڈ نے جو وڈ ہیو کی تجویز سے نکات لیکر لائف بوٹ بنایا اس سے ٹائن کے دہانے پر کوئی ۲۰۰ بندگان خدا کی جانیں بچگئیں۔ **ڈیوک آف نارتھمبرلنڈ** نے ایک اور کشتی کے بنانے کا حکم دیا اور اسکی مرمت کیواسطے سالانہ خرچ بھی دینا منظور کیا۔ ڈیوک نے اپورٹو کے واسطے بھی ایک لائف بوٹ کے بنانے کا حکم دیا۔ اور مسٹر ڈمپسٹر نے **سنٹ انڈریوز** کیواسطے ایک لائف بوٹ بنوایا جہاں اس سے ہزاروں آدمیوں کی جانیں بچیں۔ اواخر ۱۸۵۳ء میں مسٹر گریٹ ہیڈ نے کوئی ۳۱ لائف بوٹ بنائے یعنی پانچ سکاٹ لنڈ کیواسطے۔ ۸ غیر ممالک کیواسطے۔ اور ۱۸۔ انگلستان کیواسطے۔ مسٹر گریٹ ہیڈ کا سب سے پرانا لائف بوٹ جو فی الحال مستعمل ہے وہ ۱۸۰۲ء میں بنا تھا۔ یہ ریڈکار کے جہازرانوں کے قبضہ میں ہے

اور ریڈکار وہ مقام ہے جو ہر طرف سے نہایت ہی خطرناک چٹانوں سے محصور ہے۔ چنانچہ اسطرح بہت سی جانیں بچگئی ہیں اور صرف کشتی کی عمدگی سے نہیں بلکہ اہل جہاز کی بہادری سے بھی ؛

لائف بوٹ سوسائٹی اب ایک شاہی اور قومی مجلس ہوگئی ہے۔ یہ ہر سال سینکڑوں جہازرانوں کی جان بچاتی ہے۔ اس مجلس کے تصرف میں اسوقت ۳۰۰ کشتیاں انسانوں کی جان بچانے کے واسطے ہیں اور ۲۵۰۰۰ بہادر آدمی ان کو چلاتے ہیں۔ جب سے یہ قائم ہوئی ہے اس نے کوئی ۲۷۰۰۰ سے زاید بندگان خدا کو غرقاب ہونے سے بچایا ہے۔ بھلا خیال تو کرو جو لوگ جانبر ہوئے ہونگے ان کے بال بچوں کو کیسی خوشی ہوئی ہوگی! ؛

یہ ناممکن ہے کہ جو جو خدمات اس مجلس سے ظہور میں آئیں اُن کا مفصل تذکرہ کیا جائے۔ اس مجلس کی کشتیوں میں ایک کشتی **وان کُک** ہے جسکو **اِی ڈبلیو کُک** نے نذر کیا ہے۔ اسکا نام وان کُک اسوجہ سے پڑگیا کہ اسکا مالک جرمن تھا۔ یہ ۱۸۶۵ء میں ڈیل میں تھی اور ابتک اس نے ۱۶۱ آدمیوں کو اور کئی کشتیوں کو غرقاب ہونے سے بچایا ہے۔ جس وقت اس کا ضعیف مالک اپنے بستر مرگ پر تھا اسکی کشتی پر اسکے آدمی نہایت ہی بہادرانہ کام کر رہے تھے ؛

۲۸۔ دسمبر ۱۸۷۹ء کو اتوار کے دن ایک بجے گوڈون سے جو ڈیل سے ۷ میل تھا توپ کی آواز آئی جس سے معلوم ہوا کہ کوئی جہاز مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اسوقت ہوا نہایت تیز چل رہی تھی۔ لوگ گرجا سے نکلے تھے اور ہوا کی شدت کا یہ حال تھا کہ انکی چھتریاں دوہری ہوئی جاتی تھیں اور یہ مکان پر جلد پہونچنے کے واسطے قدم اُٹھائے بھاگے جاتے تھے۔ لائف بوٹ کے تیار کرنے کے واسطے گھنٹہ بجا اور کشتی بان نہایت بہادری سے اپنی اپنی جگہ جا پہونچے۔ ۱۴ کشتیبانوں نے باوجود سمندر کے جوش و خروش اور ہوا کی تیزی کے نہایت دلیری سے کشتی پانی میں چھوڑی اور لوگوں کے "مرحبا" اور "شاباش" کے نعروں میں یہ چل پڑے ؛

یہاں گوڈون سنڈ میں تین کشتیاں تھیں۔ ایک کشتی کے مسافر مارگیٹ میں بیٹھ گئے۔ اور کشتی کو پیچھے ڈوبنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ایک اور چھوٹا سا جہاز تھا یہ مع مسافروں کے غرق ہوگیا۔ اور جو جہاز باقی رہا وہ لیڈا نامی جرمنی کا تھا۔ اسپر مٹی کا تیل لدا ہوا تھا اور یہ نیویارک کو جارہا تھا۔ وان کُک کے کشتیبانوں نے یہاں پہونچکر جہاز کو چاروں طرف سے نہایت ہی خطرناک لہروں میں گھرا ہوا دیکھا۔ مگر انھوں نے اسکی مطلق پرواہ نہ کی اور بیخوف جہاز کے پاس جا پہونچے ؛

لیکن ایک اور خرابی یہ تھی کہ اگر قریب تر ہونے کی حالت میں لائف بوٹ جہاز سے ٹکرا جاتا تو ایک متنفس بھی زندہ نہ بچتا۔ مگر لائف بوٹ کے آدمیوں نے ٹھانی "ہمارا فرض ہے کہ اُن کو بچائیں اور تمام انسانی جرأت کو کام میں

لائیں"۔ چنانچہ انہوں نے بقدر کوشش کی کہ کشتی کو اسقدر قریب لے آئے کہ جہاز پر رسیاں پھینک سکیں مگر ایک ایسی لہر زور کی آئی کہ لائف بوٹ پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن یہ دوبارہ پھر اسکو بمشکل تمام واپس کر لائے اور ایک ایک دو دو کر کے تمام مسافر کشتی پر آ گئے۔ غرض اس طرح ۳۴ بندگان خدا کو لیکر وان ٹُک کنارے کو چلا۔ اور یہاں لوگوں نے نہایت کشادہ دلی سے ان شکر گزار اہل جرمنی کی مدارات کی۔ وان ٹُک اسوقت اپنی عالیحوصلگی کے عوض "مرحبا" کا نعرہ سننے کو زندہ تھا۔ مگر سات روز بعد یہ اس جہان سے کُوچ کر گیا لیکن اسکے نیک کام سے اُسکے بعد آدمیوں کی جانیں بچتی ہیں۔ اور یہ کام اس کا دوسروں کے واسطے ایک تمثیل کا کام دیگا ٭

انگلستان کے ساحل بحر کے لائف بوٹ اور جہازرانوں سے ہزاروں اس قسم کی بہادری کے کارنمایاں ظہور میں آتے ہیں۔ جسدم ان کو کوئی کشتی یا جہاز خواہ یہ مچھووں کی ہو یا کسی کی سمندر میں پھنسی نظر آتی ہے فی الفور اسکی مدد کو مستعد ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنی کشتی سمندر میں چھوڑتے ہیں۔ اور ہوا کے جھونکے انکو کنارے پر پھینک دیتے ہیں۔ یہ پھر کوشش کرتے ہیں اور بالآخر اپنی بے نظیر بہادری سے اپنی منزل مقصود پر پہونچ جاتے ہیں بعض اوقات کشتی کسی چٹان سے ٹکرا بھی جاتی ہے۔ مگر پھر درست ہو کر یہ اپنے اہم کام کو جاتی ہے۔ ابھی حال کا ذکر ہے کہ اینڈکار لائف بوٹ ایک مرتبہ کنارہ سے چار میل تک ایک جہاز کی مدد کو گیا اور بامراد واپس آیا ٭

اسی سال فریزبرگ میں یہ لائف بوٹ جہاز **اگسٹا** نامی کی مدد کو پہونچا۔ جو بندرگاہ سے کچھ فاصلے پر ایک چٹان سے ٹکرا گیا تھا جس وقت مسافر لائف بوٹ میں سوار ہو گئے جہاز غرق ہو گیا۔ مگر ابھی ایک اَور مشکل تھی۔ کیونکہ فی الفور یہ معلوم ہوا کہ ہوا مخالف تھی اور کشتیبان اس قابل نہ تھے کہ کشتی کو بندرگاہ کی طرف لیجا سکیں لنگر گرایا گیا مگر کشتی نہ ٹھہری۔ یہ چٹان سے ٹکرائی اور اب بجز اسکے کچھ چارہ نہ سوجھا کہ تمام مسافر چٹان پر اُتر پڑیں چنانچہ یہی ہوا اور اس طرح ایک جان کا بھی نقصان نہوا ٭

ہم ایک اَور مثال نہایت موثر اشیار کی دیتے ہیں۔ مارچ کے مہینے میں ایک روز اتوار کی شام کو جب لوگ **گریٹ یارمتھ** کی گرجا سے نکل رہے تھے۔ گرانی لینڈ سے ایک جہاز پر سے توپ کی آواز سُنائی دی یہ جہاز ریت میں پھنس گیا تھا اور لہریں اسکو محصور کیئے ہوئے تھیں۔ جہازران فی الفور کنارے پر جا پہونچے اور ایک کشتی تیار کی۔ ابھی کشتی جانے لگی تھی کہ ایک نوجوان کشتیبان دوڑا۔ ایک دوسرے کشتیبان کو کشتی میں سے اپنی جگہ پر سے کھینچکر اُٹھا لیا اور کہنے لگا "جیک۔ یہ ٹھیک نہیں تم اب تک میری جگہ تین مرتبہ جا چکے ہو کیونکہ میری شادی تھی۔ مگر اب میری باری ہے"۔ کشتی چل پڑی مگر تھوڑی دُور پہنچکر ایک لہر ایسی آئی

کہ یہ بالکل اُلٹ پڑی - تین کشتیاں ڈوب گئے - اور ان میں ایک وہ نوجوان بھی تھا جس نے اپنے ہمراہی کی اپنے بجائے بھیجنا پسند نہ کیا تھا - اسی دم دوسری کشتی تیار ہو کر چلی - مگر افسوس کہ وقت گذر گیا تھا - یہ جہاز جو ریت میں پھنس گیا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا ؞

باب ہشتم

سپاہی

مَیں بحیثیت ایک حاکم کے ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں - میں اس شخص سے کہتا ہوں چلا جا اور وہ چلا جاتا ہے - اُس شخص سے کہتا ہوں آجا اور وہ آجاتا ہے - اور مَیں اپنے نوکر سے کہتا ہوں یہ کام کر اور وہ کرتا ہے ؞

(متی میں سنچورین[1] کا احوال)

میں اسپر تعینات ہوں کہ یہ میرا فرض ہے - ہم میں اعلےٰ سے اعلےٰ بھی ایک سپاہی ہے جو کہ اپنے پہرہ پر کھڑا ہے ؞

(وھائٹ ملوائل)

اگر کوئی شخص ہمارے خاندان کی خاطر - ہمارے احباب کی خاطر - ہمارے خالق اکرم کی خاطر - ہمارے ملک کی خاطر - ہمارے اپنے خاطر جان سے جائے تو اُس کا خون حلال ہے - اور اس سے علاوہ شیخی ہے اور جرم ہے ؞

(ہیوک)

میں یہاں اپنا فرض ادا کرنے آیا ہوں - اور بجز اپنے وطن کا فرض بجالانے کے مَیں نہ کسی چیز میں اطمینان کا لطف اُٹھا سکتا ہوں اور نہ اُٹھاتا ہوں ؞

(ولنگٹن پرتگال میں)

ایک سپاہی کی زندگی فرض کی زندگی ہے - اسکے واسطے ضروری ہے کہ فرمانبردار رہے - باقاعدہ رہے اور ہمیشہ مستعد رہے اور جس وقت بگل بجے یہ فوراً حاضر ہو - جب کسی خطرناک مہم پر جانے کا حکم ملے فی الفور جائے - اسمیں کسی دلیل یا عذر کی گنجائش نہیں - اسکو بالضرور حکم بجالانا پڑتا ہے خواہ توپ کے مونھ میں ہی کیوں نہ جانا پڑے ؞

---

[1] سنچورین - اہل روما میں سو سواروں پر افسر ہوتا تھا - م

مطابعت - فرمانبرداری - قواعد اور دلیری - یہ چیزیں ہیں جو انسان کو انسان بناتی ہیں - اور یہی چیزیں ہیں جو کسی شخص کو سچا سپاہی بناتی ہیں - سپاہی اور اسکے جس قدر افسر ہوں ان میں باہم ایک دوسرے پر اعتبار اور اعتماد ضروری ہے - **رسکن** کا مقولہ ہے :۔ "یہ سپاہ کی قواعد ہی ہے جس سے نکمے اور سُست الوجود نفس میں بھی پوری طاقت یا قوت پیدا ہو جاتی ہے - وہ آدمی جو کسی دیگر گوں حالت میں کاہلی یا عیاشی کا لقمہ بن جاتے شریفانہ زندگی کی گود میں اس خدمت کے وسیلہ سے پہونچ گئے ہیں جو دفعتاً اُن کو پکار لیتی ہے اور اُن کے ٹولی کو مرتب کرتی ہے" ۔

خواہ شکست ہو یا فتح - سپاہی کو اپنے پہرے پر رہنا لازم ہے - اور نہایت ضروری ہے کہ خبردار اور ہوشیار رہے - اگر رات کو پہرے پر ہو تو اسے نیند کو پاس نہ بھٹکنے دینا چاہیئے - ایک لحظہ کی غفلت سے اس تمام فوج کی تباہی کا احتمال ہے جسپر یہ تعینات ہے - سپاہی کو ہر وقت اپنے اہل وطن کے واسطے اپنی جان دینے پر مستعد رہنا چاہیئے - اگر پہرے پر یہ سو گیا تو بس موت نے آ دبایا ۔

سپاہی کو چست اور چالاک بھی ہونا ضروری ہے - اسکو ہمیشہ مستعد رہنا چاہیئے - لارڈ لارنس کے زبان زد تھا کہ :۔ "مستعد ہو" **ہنری چہارم** کی دلیری اور چالاکی نے اسکی تمام تجویزوں کو سرانجام کر دیا تھا - ۵۰۰۰ - آدمیوں کے ساتھ اس نے **ڈوک ڈی مین** کا سامنا کیا جو ۲۵۰۰۰ آدمیوں سے اسکا پیچھا کر رہا تھا - اور باوجود کمئی فوج کے اس نے آرکس کی لڑائی میں فتح حاصل کی - اس عجیب نتیجہ کی وجہ غالباً بہت کچھ دونوں فوجوں کے سپہ سالاروں کا مختلف ذاتی چال چلن بھی تھی - مین کاہل اور سست الوجود تھا - حالانکہ کہتے ہیں ہنری نے سونے میں بھی اتنا وقت صرف نہ کیا جسقدر مین نے دسترخوان پر - ایک شخص ہنری کے سامنے مین کی ہوشیاری اور دلیری کی مدح خوانی کر رہا تھا - اسپر ہنری نے کہا :۔ "تم سچ کہتے ہو - وہ بڑا بہادر ہے - مگر ہمیشہ میں اس سے چار گھنٹہ قبل تیار ہو جاتا تھا" یعنی ہنری علے الصباح ۴ بجے جاگا کرتا تھا اور مین کوئی دس بجے - اور یہی ان دونوں میں فرق تھا ۔

مارشل ٹورین سپاہیوں کا ہیرو تھا - یہ تمام مصائب اور مشکلات میں ان کا شریک ہوا اور ان کا اسپر پورا پورا تکیہ تھا - ۱۶۷۲ء میں یہ اپنی فوج کے ساتھ جرمنی کو **ایلکٹر آف برنیڈنبرگ** سے لڑنے کو بھیجا گیا - اسوقت سخت سردی کا جاڑہ پڑ رہا تھا - اور برفانی راستہ پر چلنا نہایت تکلیفدہ اور دوبھر تھا - ایکبار جب تمام فوج ایک بڑے برفانی خطہ میں سے گذر رہی تھی چند نوجوان سپاہیوں نے کچھ شکایت کی جسپر ایک بوڑھے سپاہی نے کہا :۔ "صبر کرو - ٹورین ہم سے بڑھکر تکلیف اُٹھا رہا ہے - اسوقت وہ ہماری بھلائی کی تدبیر سوچ رہا ہے - ہم سوتے ہیں اور یہ ہماری نگہبانی کرتا ہے - یہ ہمارا ولی ہے - اور

ہمکو ایسا کبھی نہ تھکائیگا جب تک اس کے مدنظر کوئی ایسی تدبیر نہ ہو جسکو ہم مطلق نہیں سمجھ سکتے" یہ گفت گو مارشل کے کان تک بھی اتفاقاً پہونچی - اور اس نے بیان کیا کہ اس سے بڑھکر اسکو کسی امر سے زیادہ مسرت اور شادمانی نہ حاصل ہوئی تھی - ٹورین اسقدر فہیم تھا کہ جس جنرل کے مقابلہ کو یہ جاتا یہ فی الفور اسکی صفات کو جانچ لیتا - جنگ فرانڈ میں جب شاہی فوج اسکی کمان میں تھی تو کانڈے سے اس کا مقابلہ تھا - مگر اسکو خبر پہونچی کہ یہ جنرل فوج میں حاضر تھا - اور اسوقت جنگ چھڑ گئی - مگر حملہ کا طور دیکھکر ٹورین نے فی الفور سمجھ گیا کہ کانڈے واپس آگیا تھا - چنانچہ اس نے کہا "بیشک - وہ دیکھو کانڈے ہے!" اس نے دشمن کے دھاوے میں کیسی بڑے عقلمند کی دانائی دیکھ لی تھی:

جنگ فرانس و پرشیا کے بعد جرمنی کے ایک شاعر نے وان مالٹک کی ثنا وصفت میں ایک کتاب اشعار کی لکھی جسمیں اس نے خوب لن ترانیاں ہانکیں - اور لکھا کہ ہنیبال سکندر اور نپولین پرشیا کے فوجی افسروں کے مقابلہ میں فن جنگ کے حق میں طفل مکتب تھے - وان مالٹک نے کتاب تو قبول کرلی مگر اسکا جواب نہایت انکساری سے لکھا - اور اپنے مہذب بھاٹ کو سمجھایا "جو سچے اعلےٰ درجہ کے شخص ہوتے ہیں وہ مصیبت کی آزمایش سے جانچے جاتے ہیں - اسمیں شک نہیں کہ ہمکو بہت بھاری کامیابی ہوئی - مگر اس کو اتفاق - تقدیر - نصیب - یا خداوند تعالیٰ کی مرضی کہنا چاہیئے - یہ کام انسان ہی کا نہیں ہے "

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

فتوحات صرف چند اسباب ایسے ہیں کہ نہ تو اُن کو ہم پیدا کرسکتے ہیں اور نہ مہیا کرسکتے ہیں" نہایت ہوشیار اور ذہین مگر بدقسمت پوپ اڈرین نے ذیل کی سطریں اپنی قبر پر کندہ کرانے کی وصیت کی تھی:-

" اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے انسان کا کام بھی اس وقت کے مقابلے میں کیسا مختلف ہے جسمیں زندگی بسر کرتا ہے! کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ بڑے بڑے لائق ناکام ہوگئے ہیں - اور ناکام بھی ہوئے صرف چند اسباب کی اجنبیت قوت کے سبب - حالانکہ اسکے برعکس کم لائق اور کم ہوشیار آدمیوں کے سر پر فتح و نصرت کا تاج رکھا گیا":

سپاہی میں ایثار کی دلیری بھی ضروری ہے - ۱۷۶۰ء کے موسم خزاں میں لوئی پانزدہم نے ایک فوج جرمنی میں بھیجی - مارکوئس ڈی کاسٹریس نے ۲۵۰۰۰ جوانوں کی فوج رہین برگ کو روانہ کی - انہوں نے کلوسٹر کیمپ میں ایک نہایت موزوں اور کارآمد مقام پر ڈیرے ڈالے - ۱۵ - اکتوبر کی رات کو ایک نوجوان سپاہی شیولیر ڈی السیس آگے بھیجا تاکہ راستے کی دیکھ بھال کرآئے - چنانچہ یہ تنہا

اپنی فوج سے کچھ فاصلہ پر نکل گیا۔ دفعتاً دشمنوں کے سپاہیوں نے اسے گھیر لیا۔ انہوں نے اپنے خنجر اسکے سینے پر رکھدیے اور چپکے سے ایک نے اسکے کان میں کہا "اگر ذرا بھی زبان ہلائی تو بس مُردہ پڑے ہوگئے!" اسے فی الفور اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہوگئی یعنی دشمن فرانسیسیوں پر شبخون کرنے کے واسطے جارہے تھے۔ چنانچہ جسقدر زور سے ہوسکا اس نے آواز نکال کر پکارا "یہاں ہے دشمن! یہاں آپہونچا!" ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ اس کا کام تمام ہوگیا۔ اور فی الفور اسکے ٹکڑے کردیئے گئے۔ مگر اسکی موت نے فوج کو بچالیا شبخون میں ناکامی ہوئی اور دشمن کو لوٹنا پڑا ؞

کہتے ہیں کہ تمام ممالک میں جنگ کے زمانے وہ تھے جن میں امن کے قواعد کو نہایت ترقی تھی اور جہاں علمی ذہانت کا نور نہایت ہی وفور سے پھیلا ہوا تھا۔ اسمیں کچھ کلام ہوسکتا ہے۔ مگر ہم یونان کی مثال لیتے ہیں۔ سقراط۔ ایسچیلس۔ ایکنوفن وغیرہ ایسے اشخاص تھے جو اپنے مُلک کی خاطر لڑائیاں لڑے اور پھر اس مُلک کے علم ادب پر عزت اور حرمت کا تاج رکھا۔ اور یہی حال روما میں تھا جب اسکے اقبال اور شادمانی کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ شاہ قیصر روما کے بڑے بڑے جنگجو بہادروں سے بڑھکر تھا۔ اور اسکے مصنفوں میں نہایت ذی مرتبہ تھا۔ ہوریس شاعر بھی جوانی میں سپاہی تھا۔ اور بروٹس نے ایک فوج کی کمان اسکو دی تھی ؞

یہ امر نہایت تعجب خیز ہے کہ ہم اسقدر مشہور و معروف آدمیوں کو دیکھتے ہیں جو کہ شاعر، مصنف اور عالم تھے اور جنہوں نے سپاہیانہ زندگی بسر کی۔ اور بری اور بحری لڑائیاں فتح کیں۔ اسکی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مطابعت۔ قواعد اور تربیت جو کہ سپاہیانہ زندگی کی روح ہیں ان میں چال چلن کے واسطے نہایت پُر اثر اور مجرب دباؤ ہوتا ہے۔ اور یہ ان قوت اور مادے کو مجتمع کردیتے ہیں جو ذہانت کے واسطے بہت کچھ درکار ہے ؞

جنگ کمپالڈینو میں ڈینٹ بحیثیت ایک سپاہی کے موجود تھا جسمیں یہ رسالہ گلف کی اگلی صف میں نہایت مردانگی اور دلاوری سے لڑا۔ چنانچہ یہ اور چند اور وجوہات ایسی تھیں جن کے باعث یہ فلارنس سے جلاوطن کیا گیا تھا۔ پیٹر راہب جو کہ مجتہدوں کا رہنما تھا۔ اوائل عمر میں سپاہی تھا جنگ فلانڈرس میں کاونٹ ڈی بلیون کا نوکر تھا۔ اس نے اس نوکری میں کوئی مشہور سپاہیانہ کام نہ کیا اسواسطے یہ مستعفی ہوگیا۔ شادی کرلی اور کئی بچے پیدا ہوئے۔ اپنی عورت کے انتقال کے بعد یہ ایک خانقاہ میں چلا گیا اور راہب بن گیا۔ یہ یروشلم کو مسیح کی قبر پر زیارت کو گیا۔ اور یہاں سے واپس آکر اس نے اُن مصائب کے حالات مشتہر کیے۔ جو زائروں کو اُٹھانا پڑتے تھے۔ اسنے تمام یوروپ میں

وعظ کیا- اور پہلے جہاد میں ایک لاکھ آدمی لیکر روانہ ہوا- گو اسکے بعد اور جہاد بھی ہوئے مگر تمام آدمی مسلمانوں کے مقابلے میں کام آئے ؛

انگریزی شعرا میں بھی جب ایڈورڈ سوم نے فرانس پر ۱۳۴۶ء میں حملہ کیا چاسر فوج میں ایک سپاہی تھا- یہ اثنائے جنگ میں مقام ریتن پر قید ہوگیا اور کچھ عرصہ تک قید ہی رہا- جارج لوکیپن ابھی نوجوان ہی تھا کہ سکاٹ لنڈ کی فوج میں بطور پرائیویٹ سپاہی کے بھرتی ہوا- اور حملہ قلو وآرک میں ۱۷۴۵ء میں موجود تھا- بن جانسن بھی سپاہی تھا- سر فلپ سڈنی بھی سپاہی تھا جس کا آخری دم کا شریفانہ چال چلن تواریخ کی تمام چیزوں سے بڑھکر ہے- الجرنن سڈنی کے پاس ایک رسالہ کی کمان تھی جب آئرلنڈ میں بغاوت پھوٹی- ملٹن بھی انگلستان کے زمانہ سلطنت جمہوری میں سپاہی تھا ؛

سٹیل ہارس گارڈز نامی رسالہ میں بطور ایک پرائیویٹ کے بھرتی ہوا- مگر فی الفور اسکی خوبی ظاہر ہوگئی اور یہ ایک معقول عہدے پر ممتاز کردیا گیا- اس نے خصوصاً محاصرہ نیمر اور اُسکے بعد محاصرہ ونلو میں بہت شہرت پائی- کالرج بطور ایک پرائیویٹ کے ایک رجمنٹ میں بھرتی ہوا- مگر اسکے افسر نے بجائے اسکی ترقی کرنے کے اسکے مستعفی ہونے میں مدد دی- کالرج نے اپنے دوست سے ایک بار کہا "میں بسا اوقات سٹیل سے اپنی زندگی کا مقابلہ کرتا ہوں- کیونکہ میں نے بھی تھوڑے عرصے تک ہتھیار لگائے- اور اپنے نام کے بعد "پرائیویٹ" لکھا ہوا دیکھا- اور اپنے نام کے بعد نہیں بلکہ ایک اور نام کے بعد- کیونکہ افسوس جب مجھ سے نام پوچھا گیا میں نے گھبرا کر "کمبربیک" بتلا دیا" ؛

اسکے علاوہ سوودبی دسویں رسالہ میں ایک افسر تھا پیشتر اسکے کہ یہ شاعر ہوا اور اسنے جیارجکس ورجل کا ترجمہ کیا- ولیم کابٹ مصنف ہونے سے پہلے فوج میں سرجنٹ میجر کے عہدے پر ممتاز تھا ؛

اسپین کے علمی زمانے میں بھی اس کے تمام شاعر اور بڑے بڑے مصنف سپاہی تھے جو اپنے ملک میں اور غیر ملک میں بحری اور بری لڑائیاں لڑے- لوپ ڈی ویگا اسپین کے بیڑے پر ایک سپاہی تھا- یہ اپنے ملک کو واپس گیا اور یہاں اس نے اپنی کتابیں تصنیف کیں- بڑا مشہور سروانٹیس ایک سپاہی تھا جو بحری اور بری مہموں میں شریک ہوا تھا- یہ جنگ لیپانٹو میں اپنی بہادری سے ممتاز ہوا جسمیں اسکو تین زخم شدید لگے- دو سینے پر اور ایک سر پر- اور ان زخموں نے اسے مدت العمر کیواسطے بیکار کردیا- مگر جیسا کہ بعد میں اسکا مقولہ تھا "نیزہ قلم کو بیکار نہیں کرسکتا" اس کے مطابق یہ اپنی

مشہور کتاب "ڈان کیہوٹی" کی تصنیف کے واسطے زندہ رہا ؂

کالڈرن ایک اور ہسپانیہ کا سپاہی ایک ڈراما نویس اور بعد میں پادری گذرا ہے - **منڈوزا ڈی سنٹیلانا** ایک بڑا مشہور سپاہی **جواَن ثانی** کے دربار میں ایک عالم اور نہایت فصیح مقرر سمجھا جاتا تھا - اور نیز **بوسکن** - **مونٹ میر** - **جار کلاگو** اور **ارسلا** سپاہی بھی تھے - اور بڑے بڑے مصنف بھی ؂

سروینٹس فخر اسپین اور **کموئنس** فخر پرتگال میں بہت کچھ مشابہت تھی - سروینٹس کا لڑائی میں بائماں ہاتھ کام آیا - اور کموئنس کی دہنی آنکھ - یہ دونوں شخص اسوقت بخوبی مشہور ہوئے جب ان کی ہڈیاں خاک ہوگئیں - یہ ابتک نہ معلوم ہوا کہ سروینٹس کہاں پیدا ہوا تھا - **میڈرڈ** - **اسکیوویاس** - **سویلی** اور **لیوسنا** سب اسکے مولد بننے کا فخر کرتے ہیں - مگر اس کا کچھ مضائقہ نہیں - یہ بیچارہ نہایت مفلسی میں عالم کو سدھارا - یہ ایک ایسی جگہ دفن ہوا - جو اب کسی کو بھی نہیں معلوم - اور اس طرح اسکی خاک کی عزت نہوئی ؂

ابھی حال کا ذکر ہے کہ اہل پرتگال نے کموئنس اپنے مشہور شاعر کی وفات کے تین سو برس بعد خوشی منائی - اس تقریب پر لزبن میں عام جلوس تھا - باجہ بجتا تھا اور بازاروں میں جھنڈے لگے تھے تاہم تین سو برس اس سے پیشتر کموئنس بھوکا اس دنیا سے سدھارا تھا اور اسحالت میں کہ ایک ٹکڑا کپڑے کا بھی نہیں تھا جس سے اس کا بدن چھپایا جاتا - کیوں ایسا ہوا ؟ کموئنس ایک بڑا جوانمرد سپاہی اور نہایت لائق اور ہوشیار شاعر تھا - سیوٹا میں جب یہ فوج میں تھا اس نے بڑی بہادری دکھلائی - مگر جبرالٹر میں ایک بحری جنگ میں اسکی ایک آنکھ جاتی رہی - لیکن نہ تو اسپر اسے کچھ انعام ملا نہ ترقی ہوئی - لزبن واپس آکر یہ ہندوستان کو چلا اور "لوسیاڈ" کی تصنیف میں اپنا وقت صرف کرنے لگا - ہندوستان سے یہ مکاؤ پہونچا - مگر گوا کو واپس آتے وقت اسکا جہاز دریائے میکن کے دہانہ پر غرق ہوگیا - یہ کنارے کو تیرتا ہوا چلا - اسکے ایک ہاتھ میں اپنی کتاب کا قلمی نسخہ تھا اور دوسرے ہاتھ سے شناوری کر رہا تھا - جو کچھ اسکے پاس مال و متاع تھا سب جاتا رہا - جب لزبن کو واپس آیا تو یہاں وبا پھیلی ہوئی تھی - اسوقت بھی یہ اپنے حسب معمول بہت ہی مفلس تھا - دو سال بعد اس نے اپنی کتاب "لوسیاڈ" شائع کی جسکی بہت قدر ہوئی اور بادشاہ نے کئی پونڈ اسکی پنشن بھی مقرر کر دی - مگر کموئنس بیمار ہوگیا - اسکی پنشن نہ ملی - بادشاہ اسے بھول گیا اور اب اسے لوگوں کی خیرات پر گزارہ کرنا پڑا - اسکا اسوقت اگر کوئی دوست تھا تو اسکا وفادار نوکر ہی تھا - یہ رات کو چپکے نکل جاتا اور گداگری کرتا - ۱۵۸۰ع میں کموئنس ایک ہسپتال میں مرگیا اور اسکی

لاش سنٹا انا میں دفن کیگئی ⁂

جوزف جوڈس توسیاڈ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:- "ہمارے دل پر کیسا صدمہ گزرتا ہے جب ہم ایسے ذہین اور لائق و فائق شخص کا یہ صلہ دیکھتے ہیں جو اُسے ملا! میں نے اُسے آزٹن کے ہسپتال میں مرتے ہوئے دیکھا۔ اسکے پاس ایک چادر بھی تھی جس سے اُسکا بدن ڈھانپا جاتا۔ یہ وہ شخص تھا جو ہندوستان کو اس فتح و نصرت سے گیا اور ۵۰۰۰ فرسنگ مسافت طے کی اور اُن لوگوں کیواسطے یہ ایک خبرداری ہے جو دن رات اسطرح مطالعہ میں بغیر کسی نفع کے غرق رہتے ہیں جس طرح کہ مکڑی جو کھیوں کا شکار کرنے کے واسطے اپنا جالا بُنتی ہے۔" یہ وہ شخص تھا جس کے نام کی آزٹن میں ۱۰ جون ۱۸۸۰ء کو بہت کچھ عزت و حرمت کیگئی ⁂

اگنیٹیس لویولا اسپین کا ایک سپاہی تھا جس کا حال تواریخ میں بہت مؤثر ہے۔ محاصرہ پمپلونا میں اسکے پیر میں ایک ایسا زخم لگا جس سے اُسے ایک عرصہ تک بستر پر پڑا رہنا پڑا۔ "لائوز آف دی سینٹس" نامی کتاب اسکے ہاتھ لگ گئی جسکو اس نے اول سے آخر تک نہایت غور سے دل لگا کر پڑھا اور اسیدم سے ایک نئی طرز زندگی کی صورت دیکھکر اسکا دل بیدار ہوا۔ یہ **مانسٹریاٹ** کی خانقاہ کو گیا اور کچھ عرصے تک یہاں رہا۔ ایک شب یہ اس خانقاہ کے گرجا میں حسب دستور اپنے ہتیاروں کی حفاظت کرتا تھا کہ اسکے ذہن نشین ہوگیا کہ یہ **ورجن** کا **نائٹ** بن گیا تھا۔ یہ یہاں سے نکلا اور "**کمپنی آف جیزس**" (ہمراہیان حضرت مسیح) کے فرقے کا بانی ہوا۔ اور خواہ اس فرقہ کے بارے میں کچھ بھی رائے ہو مگر یہ وہ لوگ ہیں جو بیکار فرصت اور فضول عیاشی اور شادمانی سے متنفر رہتے ہیں ⁂

فرانسیسیوں میں ایک نہایت مشہور سپاہی **رینے ڈسکارٹس** گزرا ہے۔ یہ ٹورین میں ۱۵۹۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ اسکے مکان کے پاس ایک کالج **جیسوائسٹ** (ایک عیسائی فرقہ) کا تھا اور اسمیں اس نے تعلیم پائی تھی۔ مشہور و معروف راہب **مارسینی** سے اسکی دوستی ہوگئی جس نے ڈسکارٹس کی ریاضی اور فلسفہ کی مطالعہ میں مدد کی۔ اسکو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اپنے خیالات کو پہلی مرتبہ شائع کرتا۔ مگر چونکہ تھا طبیعت کا اشراف اسواسطے جنگی ملازمت اس نے اختیار کی۔ پہلے تو اس نے ہالنڈ میں جو فرانسیسی فوج تھی اسمیں والنٹیری کی۔ اور بعد **ڈیوک آف بویریا** کے تحت نوکری کی۔ یہ ۱۶۲۰ء میں جنگ پراگ میں موجود تھا جسمیں خود اس نے بہت کچھ جوانمردی دکھلائی۔ ابھی اس نوکری کے دوران میں یہ اپنا فرصت کا وقت ریاضی اور منطق کے مطالعہ میں صرف کرتا۔ یہ بریڈا میں اپنی رجمنٹ میں تھا کہ اُس نے ایک دن بہت سے لوگوں کو ایک جگہ کھڑے ہوئے ایک اشتہار پڑھتے دیکھا۔ یہ فلیمش زبان میں لکھا ہوا

تھا جسکو مطلق نہ سمجھ سکتا تھا۔ لہذا اُس نے ایک شخص سے اسکا مطلب دریافت کیا جس پر اُسے معلوم ہوا کہ یہ ایک ریاضی کے سوال کے حل کرنے کا تھا جس شخص نے یہ اُسے بتلایا وہ **بیکمین ڈورٹ کالج** کا پرنسپل تھا جسکو نہایت حیرت ہوئی یہ دیکھکر کہ ایک نوجوان سپاہی ریاضی میں اسقدر دلچسپی رکھتا تھا۔ غرض ڈسکارٹس نے اس سے اسکے حل کرنے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز علی الصباح اس پرنسپل کو یہ سوال حل کرکے بھیجدیا۔

معرکۂ نوبریا کے بعد اسکی رجمنٹ ڈینیوب پر نیوبرگ میں مقام کرنے کو گئی۔ اور یہاں ابھی ۲۳ سال کی ہی عمر تھی کہ ڈسکارٹس نے نہایت بہادری سے مروجہ فلسفہ کی مکمل اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا۔ چنانچہ اسکے تھوڑے عرصہ بعد اپنی فوج کو چھوڑ کر اسنے تمام یوروپ میں سفر کیا۔ اور بترتیب ہالینڈ۔ فرانس۔ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کی سیر کی۔ اس سیاحی کے بعد اس نے ارادہ کیا کہ اپنا تمام وقت ریاضی اور فلسفہ کی تحقیقات میں صرف کردے۔ اور اگر ممکن ہو تو تمام طبقۂ علوم میں قطع برید کرے۔ اسکو شاہ فرانس کا ظلم اچھی طرح معلوم تھا۔ اسواسطے اس نے اپنی میراثی جائیداد کچھ فرانس میں فروخت کردی اور آپ ہالینڈ چلا گیا۔ مگر یہاں بھی اسکی تصانیف اسپر بہت کچھ رنگ لائیں۔ اسکے منطقی کفر کے مقابلہ پر کلیسیا ہتیار باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسکے بعد اس نے **کرسٹینا** ملکۂ سویڈن کی دعوت قبول کرلی اور یہ سٹاک ہالم کو اپنے ارادے پورے کرنے اور اپنی زندگی کے دن گزارنے کو روانہ ہوا۔ چنانچہ جو اس نے ارادہ کیا تھا اُسے پورا کر دکھایا۔ اور فلسفہ۔ ریاضی اور علم بصر میں قریبًا ایک طور کا انقلاب پیدا کردیا۔

اور بھی فرانسیسی سپاہی گذرے ہیں جو اپنی عالمانہ زندگی کے واسطے مشہور تھے۔ **مایرٹوس** حالانکہ فوج کا کپتان تھا۔ مگر ریاضی کے مطالعہ میں مصروف رہا۔ اور بعد میں اسی میں اس نے شہرت پائی۔ **مالس** جو کہ محکمۂ جنگ میں انجنیئر تھا اپنے فرصت کے وقت میں علم بصر کا مطالعہ کیا کرتا۔ **نیپیک** فرانسیسی فوج میں لفٹنٹ تھا جب اس نے علم کیمیا کا مطالعہ شروع کیا۔ اور بعد میں خاص طور پر روشنی کے عمل کیمیائی کا جس سے کہ بعد میں اُس نے عکسی مصوری ایجاد کی۔ **لامارک** عالم علم الاشیاء بہت عرصے تک فرانسیسی فوج میں سپاہی رہا اور **مارشل بروجلی** کے ماتحت اس نے بہت کچھ بہادری اور مردانگی میں شہرت پائی۔ مگر چونکہ جنگ میں یہ زخمی ہوا اور اسکی تندرستی میں فرق آنے لگا تھا۔ اسکو مجبورًا فوج سے علیحدہ ہونا پڑا جس کے بعد یہ علم کے مطالعہ میں اتنے مصروف ہوا کہ یہیں بھی اس کا نام بہت کچھ مشہور ہو گیا۔ اور ایک ایسی کتاب لکھی جو علم الاشیاء میں اس کا نام ابتک چمکا رہی ہے۔

فرانسیسی عالموں میں سے **ڈی لا روشے فوکالڈ** جوانی میں سپاہی تھا اور محاصرۂ بورڈو اور

جنگ سنٹ انٹونیو دونوں میں اسے زخم شدید لگے تھے - پال لوئی کوریر "سمپل ڈسکورس" کا مصنف
راٹن کی جمہوریت میں سپاہی تھا - اور بعد میں اٹلی کے توپخانے میں افسر بن گیا - اپنے خطوں میں یہ لکھتا ہے
"جب میں یونانی زبان کے مطالعہ میں مصروف تھا مجھکو نہایت ہی رنج والم ہوا جب میں نے سُنا کہ میری
عدم موجودگی میں آسٹرین سپاہی میری کتاب "ہومر" لُوٹ لیگئے"۔

تمام زمانوں میں یہ دستور رہا ہے کہ لڑائی کے ساتھ بیرحمی ضروری ہوتی ہے فتح کے مجنونانہ ہنگامے میں
شہر تباہ ہوگئے ہیں ملک ویران ہوگئے ہیں - اور لاانتہا بندگان خدا کے سر قلم ہوگئے ہیں - زمانہ وسطی میں
بہادری کا قانون اسواسطے مرتب ہوا تھا کہ بیقدر جنگ کے خطرات کا انسداد ہو - اسکے پہلے عہدہ کے
واسطے ایک شخص کو بچپن سے فرمانبردار اور خوش خلق ہونا پڑتا تھا - اسکو گھوڑے کی سواری اور نیزہ بازی کی
مشق کرائی جاتی تھی اور مستورات کی صحبت میں یہ حلم - شرافت - حیا اور بردباری سیکھتا تھا - سن بلوغ کو پہنچنے
پر اسکو نائٹ (سوار) کا عہدہ دیا جاتا تھا - اور مذہب کی پابندی لازمی تھی - اور اسیوجہ سے روزہ رکھنے -
گرجا میں شب بیداری کرنے - بپتسمہ پانے - گناہوں کا مرتے دم تک مقر ہونے اور عشائے ربانی کا اچھی طرح خیال
کیا جاتا تھا - چنانچہ اسطرح بہادری اور سچی شرافت کا اعلےٰ معیار مقرر ہوگیا تھا۔

شولیبے یارڈ عام طور پر نہایت سچا اور شریف بہادر مشہور ہے - بے یارڈ ۱۴۷۶ء میں چیٹو
بے یارڈ مقام ڈافنی میں پیدا ہوا تھا - اس نے فن سپاہگری کو پسند کیا - اور اسیواسطے بادشاہ کی خدمت میں
جانے سے پہلے سپہگری کی تمام شرائط پوری کرتی تھیں - ہم اُن حالات کا مفصل بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے
جن میں اُس نے اپنا چلن ایک سچے سپاہی کی طرح ظاہر کیا - اسنے اٹلی میں **فرینسس اول** کے
زیر فرمان ٹورنووا - میلان - جینوا - پاڈوا - ویرونا - لابسٹیا اور بریسکیا میں بڑے بڑے کارنمایاں کیئے -
آخرالذکر مقام کے محاصرے میں اس نے دشمن کا خوب مقابلہ کیا - فصیل پر چڑھ گیا اور اسکی ران میں ایک نیزہ
ایسا کاری لگا کہ انی ٹوٹ کر گوشت میں ہی رہگئی - اسوقت اس نے کہا "شہر تو فتح ہوگیا - مگر مجھہ کو
اسمیں جانا نصیب ہوگا - مجھہ کو ہلاکت زخم لگا ہے" جسوقت **ڈیوک آف نیمورس** نے سُنا
کہ پہلا شہر فتح ہوگیا تھا - مگر بے یارڈ زخمی ہوا تھا اسکو اسقدر صدمہ گذرا کہ گویا خود اسکو زخم لگا تھا - چنانچہ اسنے
کہا "میرے رفیقو - چلو ہم اپنے بے نظیر بہادر سپاہی کا بدلا لیں" بریسکیا پر قبضہ کیا گیا اور اہل وینس
شہر بدر کردیئے گئے۔

جس وقت فرانسیسی شہر کی تاخت وتاراج میں مصروف ہوئے - بے یارڈ مُردوں کے ڈھیر سے نیم جان
اُٹھا کر ایک قریب کے مکان پر لیجایا گیا - یہ مکان ایک سودہ حال شریف آدمی کا تھا جو اپنی عورت اور

دو نوجوان بیٹیوں کو خدا کے حوالے کر کے بھاگ گیا تھا۔ عورت نے خود آکر دروازہ کھولا۔ اور بے یارڈ کو اندر لیگئی۔ گو لوگوں نے بے یارڈ کو لب مرگ سمجھا تھا مگر اسمیں اسقدر طاقت ابھی باقی تھی کہ اس نے سپاہیوں کو مکان کے لوٹنے سے سخت ممانعت کی ؛

یہ عورت بے یارڈ کو ایک معقول کمرے میں لیگئی جہاں یہ دو زانو ہو کر اسکے قدموں پر جھک گئی اور کہنے لگی "جناب من میں یہ تمام مکان مع اسکے اسباب کے آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ کیونکہ جنگی قوانین کے مطابق یہ سب آپکا ہے میں صرف آپ سے ایک عنایت کی ملتجی ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میری اور میری دونوں بیٹیوں کی عزت اور جان میں کسی طرح کا خلل نہ آئے" بے یارڈ گو بہت ناتوان تھا مگر بمشکل تمام اس نے کہا "میں نہیں جانتا کہ آیا مجھکو صحت ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ مجھکو زخم کاری لگا ہے۔ مگر میں جب تک زندہ رہوں گا تمکو یا تمہاری بیٹیوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہونچے گا۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ حتی الوسع میں تمہارے ساتھ شفقت اور ادب سے پیش آؤں گا۔ مگر مجھکو سب سے بڑھکر جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ میرے زخم کا کسی طرح جس قدر جلد ہو سکے علاج کیا جائے" ؛

یہ عورت ایک سپاہی کو ہمراہ لیکر ڈاکٹر کی تلاش میں گئی۔ چنانچہ ڈاکٹر نے اس زخم کو دیکھا مگر خوش قسمتی سے اس نے کہا کہ یہ مہلک نہ تھا۔ فی الفور اسکی مرہم پٹی کی گئی۔ اور بے یارڈ کو آرام ہونے لگا۔ اسی اثنا میں اس نے عورت سے اسکے خاوند کے بارے میں استفسار کیا۔ اس عورت نے زار زار روکر جواب دیا "مجھکو معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ مگر مجھکو یقین ہے کہ وہ خانقاہ میں پناہ گزین ہوگا" جس وقت یہ معلوم ہوا بے یارڈ نے دو سپاہی بھیجکر اُسے مکان پر واپس بلوایا۔ اور پھر اسکی سلامتی اور حفاظت کی طرف سے اُسے بے غم کر دیا گیا ؛

جب ڈاکٹر نے بیان کیا کہ زخم کو بہت جلد آرام ہو جائیگا۔ تب یارڈ نے اُسے اپنی معمولی کشادہ دلی سے بہت کچھ انعام دیا۔ اور دو روز بعد اپنی فوج میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اب صاحب خانہ اور اُسکی عورت کو خیال آیا کہ ان کیواسطے بے یارڈ کو نذر دینا ضروری تھی۔ انہوں نے فی الفور تمام نقد و جنس جمع کیا اور کل رقم ۲۵۰۰ ڈیوکیٹس بنی۔ انہوں نے اسے ایک عمدہ کشتی میں رکھکر بے یارڈ کے کمرے میں جاکر اسکے سامنے پیش کیا اور عورت اسکے قدموں پر دو زانو دست بستہ جھک گئی۔ اس بہادر نے اسکو اُٹھانا چاہا مگر یہ نہ اُٹھی ؛

اس عورت نے کہا "عالیجاہا میں تمام عمر اپنے پروردگار کی مشکور ہونگی۔ کہ اُس نے ہمارے شہر کے محاصرے میں محض اپنی عنایت بے پایاں سے آپ جیسے کشادہ دل اور عالیحوصلہ بہادر کو ہمارے مکان تک پہنچایا اور میرا خاوند اور بیٹیاں تمام عمر آپکو اپنے حق میں خدا کی رحمت کا فرشتہ سمجھینگے کیونکہ صرف آپ کی ہی بدولت

ہماری جان و مال وعزت اور آبرو پر حرف آیا۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم آپکے قیدی ہیں۔ یہ مکان اور جو کچھ اسمیں مال و اسباب ہے حق فتح سے آپکی ملکیت ہے۔ مگر آپ نے ہمپر اسقدر نوازش اور عنایت مبذول فرمائی ہے کہ میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ ہمپر رحم کریں اور اس حقیر نذر کو جس کے آپکی خدمت میں پیش کرنے کا فخر اسوقت مجھکو حاصل ہے قبول فرمائیں" ؀

اسکے بعد عورت نے کشتی سامنے کرکے اوپر سے اسکا سرپوش اُتار لیا۔ بے یارڈ نے اسکی طرف دیکھکر پوچھا کیا بس یہی آپکے پاس ہے؟" عورت نے جواب دیا "جنابعالی۔ ۲۵۰۰ ڈیوکٹس ہیں لیکن اگر آپ کو منظور نہیں تو جسقدر رقم آپ چاہتے ہیں آپ بتلائیے اور ہم اسکے مہیا کرنے کی تدبیر کرینگے" بے یارڈ جسکو سونے چاندی کا مطلق خیال نہ تھا کہنے لگا "اگر آپ مجھکو ایک لاکھ ڈیوکٹس دیتیں تو وہ میری نظر میں کچھ قیمت بھی نہ پاتے اس مہربانی اور شفقت کے مقابلہ میں جو آپکے ہاتھوں مجھکو نصیب ہوئی۔ اور آپ اور آپکے تمام کنبے نے جو میرے ساتھ سلوک کیا" ؀

عورت پھر دوزانو ہوگئی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر اس نذر کے قبول کرنے پر اس سے اصرار کیا۔ اور کہا "میں دنیا میں اپنے آپکو بدتر سے بدتر بدنصیب اور ناشاد سمجھونگی اگر آپ اسکے قبول فرمانے میں عار سمجھینگے یا انکار کرینگے" بے یارڈ نے جواب دیا "اچھا اگر آپکی یہی مرضی ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں مگر ابھی اپنی دونوں بیٹیوں کو میرے پاس براہ عنایت بھیجیے تاکہ میں اُن سے رخصت ہو لوں" بے یارڈ نے ان ۲۵۰۰ ڈیوکٹس کو تین جگہ تقسیم کیا۔ دو حصے علیحدہ علیحدہ ایک ایک ہزار کے اور ایک ۵۰۰ کا۔ جس وقت لڑکیاں آئیں وہ دونوں اسکے سامنے دوزانو جھک گئیں ؀

ان میں جو بڑی تھی وہ بولی "جنابعالی۔ آپ کے سامنے اسوقت وہ دو لڑکیاں حاضر ہیں جن کی عزت اور جان صرف آپ کی بدولت سلامت رہی ہے۔ ہمکو بہت افسوس ہے کہ بجز اسکے اور کسی طرح اپنا شکریہ ہم ادا کرنے کے قابل نہیں کہ خدا کی درگاہ میں سربسجود ہوں اور آپکے جان و مال کی دعا مانگیں اور اُس سے ملتجی ہوں کہ وہ آپکو یہاں اور وہاں دونوں جگہ اس کار خیر کا صلہ دے" ؀

بے یارڈ ایسا متاثر ہوا کہ اسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اس نے انکی مہربانی اور عنایت کا شکریہ ادا کیا اور کہا "تم جانتی ہو کہ عموماً سپاہیوں کے پاس زیور وغیرہ کی قسم سے کچھ بھی نہیں ہوتا جو وہ نوجوان لیڈیوں کو بطور تحفہ کے دیں۔ مگر ابھی تمہاری والدہ نے یہ ۲۵۰۰ ڈیوکٹس لینے پر مجھکو مجبور کیا ہے جو یہ سامنے رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ایک ہزار تم میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تمہاری شادی کے جہیز کے طور پر دیتا ہوں۔ اور باقی پانسو میری مرضی ہے کہ کسی خانقاہ میں اُن غریبوں کی امداد کیواسطے بھیجدیے جائیں

جنہوں نے اس محاصرے اور لوٹ کی مصائب اُٹھائی ہیں" ۞

غرض اس طرح یہ معاملہ سرانجام کو پہونچا - تمام خاندان کی آنکھوں میں شکریے کے آنسو بھرے ہوئے تھے اور بے یارڈ جس وقت اس مکان سے چلا اسوقت ایک بہادر سپاہی کی شادمانی نیکبختی اور شرافت اسکے ہمراہ تھی ۞

قریباً انھیں ایام میں **پوپ جیولیس** نے بے یارڈ کو کلیسیا کا کپتان جنرل بنانا چاہا مگر اس تجویز کا بے یارڈ نے جواب دیا "میرا صرف ایک مالک آسمان میں ہے اور وہ رب العالمین ہے - اور ایک مالک زمین پر ہے یعنی شاہ فرانس - اور اسکے سوا میں کسی کی خدمت نہیں کرتا" ۞

بے یارڈ بہت سی لڑائیاں لڑا اور مہمیں فتح کیں جنمیں اُس نے اپنی نمک حلالی اور وفاداری پرلے درجہ کی ظاہر کی - اور آخرکار ریبک میں میلان کے قریب اسکو آخری زخم لگا - امیر البحر **بانویٹ** نے جو **فرینسس اول** کا بہت مونھ چڑھا تھا اُسکو ایک نہایت خطرناک مقام پر شاید حسد سے کھڑا کیا یہ بہادر اپنی جگہ پر کھڑا تھا کہ اہل اسپین نے اسپر ایک باڑہ ماری - ایک گولی اسکی کمر کے پار ہوگئی اور اسکی پسلیاں چھید دیں - جس وقت گولی لگی بے یارڈ چلا اُٹھا "خدایا میں مر گیا" پھر اس نے اپنی تلوار کے صلیب نما قبضے پر بطور صلیب کے بوسہ دیا ۞

اسکے ہمراہیوں کی مرضی ہوئی کہ ایسے جنگ و جدل میں سے اسے نکال لیجائیں مگر اُسنے کہا "نہیں میں نہیں چاہتا کہ آخری وقت میں اپنی تمام عمر میں پہلی مرتبہ دشمن کو پیٹھ دکھلاؤں" اس نے خود کو ایک درخت کے نیچے لیجانے کا حکم دیا - ابھی اسقدر اسمیں طاقت تھی کہ یہ چلا کر حکم دیتا تھا "باڑہ مارو!" اس نے اسوقت کہا "مجھکو دشمن کے سامنے مونھ کرکے مرنے دو" اس کے ماتحت اسکے اردگرد بیٹھے آنسوؤں کا دریا بہا رہے تھے - اس نے کہا "یہ خدا کی مرضی ہے کہ وہ مجھکو اپنے پاس بلاتا ہے - اس نے مجھکو مدت دراز تک اس دنیا میں رکھا - اور وہ عنایت اور بخشش مجھپر کی کہ جسکے میں لائق نہ تھا ...... میں تم سب سے ملتجی ہوں کہ مجھکو چھوڑکر چلے جاؤ کیونکہ ایسا نہ کرنے میں مبادا قید ہو جاؤ - اور پھر یہ ایک اور صدمہ میرے دل پر گذریگا میں مر رہا ہوں - تم اس بارے میں میرے کچھ کام نہیں آسکتے" ۞

اسکے بعد اہل اسپین اسے قید کرنے کو آگے بڑھے - **مارکوئس آف پیسکا** نے اسکے قریب آکر کہا "لارڈ بے یارڈ کیا یہ ممکن تھا کہ خدا مجھکو اس قابل کر دیتا کہ بغیر جان جانے کے تمام خون میرا بہہ جاتا اور میں آپکو تندرستی میں گرفتار کر سکتا - جب سے میں نے سپہگری کے ہتیار باندھے مجھکو آپکا ثانی نہ ملا" مارکوئس اس ایک بہادر سے نہایت خوش خلقی اور ادب سے پیش آیا - مگر جب **کانسٹبل آف**

بوربون آگے بڑھا - اور یہ وہ کانسٹبل تھا جو اپنے ملک اور بادشاہ کو چھوڑ کر شاہ اسپین کی خدمت میں چلا آیا تھا - اس نے بے یارڈ کو مخاطب کرکے کہا : " اخاہ ! بے یارڈ - مجھ کو آپ پر بہت افسوس ہے ! "

بے یارڈ نے اسپر اپنے بستر پر سے اُٹھکر مستقل آواز میں جواب دیا : " جنابمن میں آپ کا مشکور ہوں - مجھکو خود پر افسوس نہیں - میں ایک متدین شخص کی موت مرتا ہوں - اور اپنے بادشاہ کی خدمت میں جان سے گزرتا ہوں - لیکن آپ وہ شخص ہیں جو قابل افسوس ہیں کیونکہ آپنے اپنے بادشاہ - اپنے ملک - اور اپنے حلف کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائے - اسکے بعد فی الفور یہ جان بحق تسلیم ہوا *

بے یارڈ کے انتقال کے بعد فرینسس اول کو اس جوانمرد کی قدر آئی جو ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا فرینسس نے اپنی تمام فوج کی کمان اپنے مونچھ چڑھوں کو دیدی تھی - اور ایسے متدین اور شریف آدمی کا مطلق خیال نہ کیا تھا - پادشاہ نے کہا مگر بعد از وقت " ہمنے ایک نہایت باعظمت شخص کو کھودیا جسکے صرف نام سے ہماری فوج کی عزت ہوتی تھی اور لوگوں کے دلوں پر خوف چھاتا تھا - اسمیں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ اسکی عزت کیگئی یا اُسے عہدے ملے اُن سے بڑھکر عہدوں اور انعاموں کا یہ مستحق تھا " جنگ پاویا کے بعد جسمیں فرینسس کے ہاتھ سے بجز عزت کے سب کچھ نکل گیا اسکے دل پر بے یارڈ کی وفات کا بہت جانگداز صدمہ ہوا - چنانچہ اس نے کہا : " کاش نائٹ بے یارڈ جو بے نظیر بہادر اور تجربہ کار تھا زندہ ہوتا - اور میرے پاس ہوتا تو اسکی موجودگی میرے پاس سو فوج کے کپتانوں سے بڑھکر تھی - ہائے نائٹ بے یارڈ ! تو مجھ کو کیسا یاد ہوتا ہے ! اگر تو زندہ ہوتا تو میں کیوں یہاں ہوتا ! " مگر بادشاہ کا پچھتانا بعد از وقت تھا - بے یارڈ عدم کو سدھارا اور خود بادشاہ قید ہوگیا !

بے یارڈ نہایت جوانمرد - شریف اور نیکبخت تھا - اسکی زندگی بے داغ تھی اور خود یہ نڈر تھا - اسمیں انصاف - صداقت - فیاضی اور رحم پرلے درجہ کا تھا - اور جس قدر مصائب کا سخت مرحلہ اسکو طے کرنا ہوتا اُسیقدر اسکی دلیری اور ہمت زیادہ ہوجاتی - اگر کوئی شخص متمول ہوتا مگر نیکبخت نہ ہوتا یہ اس سے نفرت کرتا اور اُسے حقیر سمجھتا - جو روپیہ اسے ملتا یہ اُسے تقسیم کر دیتا - اس نے کبھی اپنے ہمسایہ کی معاونت سے پہلوتہی نہ کی - خواہ یہ زر سے ہوتی یا زبان سے - اور یہ فعل اس سے ہمیشہ پردے اور شفقت کی آڑ میں سرزد ہوتا - کہتے ہیں کہ اس نے کوئی سو سے زاید یتیم لڑکیوں کی شادی کی اور ان کے جہیز دیئے - بیوہ عورتوں کو اسکے ہاتھوں معاونت ملنے کا کلی یقین تھا - اور جو شخص اسکے ماتحت ہوتے یہ ان سے نہایت مہربانی سے پیش آتا - اس کا چال تھا کہ کبھی ایک معزول کو بحال کر دیتا - دوسرے کو اپنے کپڑے بدن سے اُتار کر دیدیتا - اور تیسرے کو اُسکے قرض سے سبکدوش کر دیتا - جس مفتوحہ ملک میں یہ پہونچا اور کسی مکان میں رہا

اس نے جب تک اپنا اور اپنے آدمیوں کا کرایہ نہ دے لیا یہاں سے نہ ہلا۔ یہ چاپلوسوں اور جھوٹے بہتان لگانے والوں کا جانی دشمن تھا۔ اسکی نیکبختی نے بچپن ہی میں ظہور پایا تھا۔ مگر جوں جوں یہ بڑھتا گیا توں توں یہ مکمل ہوتی گئی۔ اس نے اپنے سر پر وہ بقائے دوام کا تاج پہنا جسکی نسلاً بعد نسلٍ عزت اور تعریف ہوگئی ؛

اگر ملک کی حمایت میں جنگ کیجائے تو وہ ہمیشہ معزز سمجھی جاتی ہے۔ مگر برعکس اسکی فتح کی خاطر جو جنگ ہو وہ بہت کچھ معیوب سمجھی جاتی ہے۔ مگر تاہم زمانہ حال کی مروجہ تہذیب اور شائستگی کی آڑ میں یہ بھی مباح ہے! ایسی حالت میں جو سب سے بڑھکر قصاب یعنی ظالم ہو اسکا پلہ بھاری رہتا ہے۔ حب الوطنی ایک اصول ہے جو اعلٰے جذبات اور شریفانہ خیالات سے پُر ہوتا ہے۔ وہ کون شخص ہے جو آرنالڈ وان ونکلر کی اُس بہادری کی جو اُس نے سمپاک میں ظاہر کی۔ اور بروس کی اُس جوانمردی کی جو اُسنے بنکبرن میں دکھلائی تعریف نہیں کرتا؟ ان کے یہ کارنمایاں شریفانہ تھے۔ اور انکی تمثیل کے نرے خیال ہی نے اُن کے اہل ملک کے دلوں میں علو ہمتی پھونک دی۔ انہوں نے اپنے بعد فرض کا ایک ایسا خیال چھوڑا ہے جو کبھی فراموش نہیں ہوسکتا ؛

مروجہ عالم نفع خلائق کے مقابلہ میں بھی حب الوطنی کسی طرح کم نہیں۔ وہ شخص جس کا دل وطن اور آبائی ملک کے تعلقات سے جکڑا ہوا ہے۔ اسمیں زیادہ صاف باطنی ہے۔ زیادہ گرمجوش ہمدردی ہے اور زیادہ کوشش کا مادہ ہے بنسبت اُس شخص کے جسکے خیالات اپنے ہی نفس تک محدود ہیں۔ اور وہ اپنا وقت لہو و لعب۔ عیاشی اور اوباشی میں صرف کردیتا ہے۔ ہر ایک شخص کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ سلسلہ مخلوقات کی صرف ایک کڑی ہے۔ اور باوجود اپنی حب الوطنی کے تمام دنیا کا میدان اسکی سخاوت اور نیک عملی کی جولانگاہ ہے ؛

حب الوطنی۔ شرافت اور سپہگری **واشنگٹن** کی زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ یہ واشنگٹن تھا جس نے اپنے ملک کو آزاد کیا اور اُسکا رہبر بنا۔ اٹھارھویں صدی میں یہ شخص سب سے بڑھکر باعظمت گذرا ہے۔ اور بہت کچھ اپنی ذہانت سے نہیں بلکہ صاف باطنی اور اعتماد دلی سے۔ اسکے والدین نہایت شریف اور نیکبخت تھے۔ اسکے آباؤ اجداد پہلے پہل ڈرہم میں آئے اور پھر یہاں سے امریکہ کو چلے گئے جہاں ورجنیا میں ۱۶۵۷ء میں انھوں نے بود و باش اختیار کی ؛

جارج واشنگٹن کا چال چلن ایسا تھا کہ کم سنی ہی میں اسکو نہایت اعتماد اور اعتبار کی جگہ ملی۔ ۱۹ سال کی عمر میں یہ ورجنیا میں میجر ہوگیا اور اس نے کبھی اُن لوگوں کو دھوکا نہ دیا جنھوں نے اسپر تکیہ کیا

ہمیشہ مستعد - فرمانبردار - اور فرض کا پابند رہا - ۲۳ سال کی عمر میں یہ کرنل بن گیا - اور جس قدر فوج وہ جینا بھر کی ہوئی اسکا کمانڈر انچیف مقرر ہوا - اسکی صرف کامیابی میں تربیت نہوئی تھی بلکہ ناکامی میں جس نے اس کے جوش اور مردانگی کو بھڑکا دیا ؛

واشنگٹن کی سوانح عمری بہت لوگوں نے لکھی ہے - لہذا یہاں بجز اسکے اور کچھ بیان کرنا چنداں ضروری نہیں کہ اسمیں دیانت داری - ایثار کا مادہ - اور نیک نیتی کس قدر تھی جس سے اس نے اپنے ملک کو آزادی کی تکمیل کا تاج پہنایا - نہ تو کوئی شخص اس سے بڑھکر صاف باطن تھا نہ نیک نیت تھا - فتح کے وقت اسمیں خود ضبطی موجود ہوتی اور شکست کے وقت یہ پہاڑ کی طرح مضبوط رہتا - اپنی تمام عمر میں یہ کشادہ دل - فیاض اور نیکبخت رہا - واشنگٹن میں یہ بات دریافت کرنا مشکل ہے کہ کونسی چیز زیادہ قابل تعریف ہے اسکے چال چلن کی شرافت - حب الوطنی کا جوش یا نیک نیتی ؛

جس وقت یہ کمانڈر انچیف کے عہدے سے مستعفی ہوا - اس نے چند ریاستوں کے گورنروں کے سامنے تقریر کی جسکے اختتام پر اس نے کہا :- "میں شب و روز یہ دعا کرتا رہتا ہوں - خداوند تعالی آپکا اور جس ریاست پر آپ حکمران ہیں اُس کا نگہبان رہے - وہ میرے اہل ملک کے دل متابعت اور حاکموں کی فرمانبرداری سے پُر کردے - ایک دوسرے کے دل میں عموماً تمام اپنے اہل وطن باشندگان ریاست ہائے متحدہ اور خصوصاً اپنے اُن برادروں کی محبت پیدا کردے جو ان کے واسطے میدان جنگ میں کام آئے - اور آخر میں وہ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں انصاف کی طاقت دے - رحم کی محبت ہم میں ڈالے - اور ہم میں وہ سخاوت - انکساری - اور بردباری کا مادہ پیدا کرے جو ہمارے آسمانی رہنما میں موجود تھا - اور ان چیزوں کی تصدیق کے بغیر ہم کبھی شادمان قوم بننے کی اُمید نہیں کرسکتے" - کس قدر سادے سچے اور دلپسند واشنگٹن کے یہ الفاظ ہیں !

سپہگری کا ذکر کرتے وقت ہم **ڈیوک آف ولنگٹن** کا نام لینے سے بھی پہلو تہی نہیں کرسکتے - یہ شخص گویا انگلستان کا نپولین بونا پارٹ تھا - اسکی زبان سے جو سب سے پہلا لفظ نکلا اور وہ جو سب کے بعد نکلا فرض تھا - یہی سکی تمام زندگی کا اصول رہنمائی تھا - دنیا میں صرف ایک ہی خیال اسکے دل میں تھا کہ جہاں تک ہوسکے اپنی لیاقت اور ہوشیاری سے ملک کو نفع پہونچائے - معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور عزت کی خواہش نے ہرگز اسکو تحریک نہ کی - اسمیں کسی قسم کی ذاتی غرض نہ تھی - یہ صرف اسی پر قانع تھا کہ فرض ادا کردے ؛

اسکا پہلا کام یہ تھا کہ رجمنٹ کی افسری کا کام سیکھے - اور ابھی یہ افسر مقرر ہوا ہی تھا کہ اسکی رجمنٹ سب سے بڑھکر قواعد دان اور ہوشیار مشہور ہوگئی - جو حکم اسکو دیا جاتا یہ اسے نہایت محنت اور پابندئی وقت سے بجا لاتا - یہ سمجھتا تھا کہ وقت ایک ایسا زمانہ ہے جس میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے اور وہ بھی ہوشیاری اور غور سے

ایک امر جس میں یہ ممتاز تھا فرمانبرداری تھی۔ جب یہ اُس ہندوستان سے انگلستان کو واپس گیا جہاں اس نے بڑی بڑی فوجوں پر افسری کی تھی اسے سسکس میں ایک پلٹن کی کمان ملی۔ اسکی زبان سے ایک لفظ بھی شکایت کا نہ نکلا۔ اور جب کسی نے اسکی اس تغیر حالت پر ہنسی میں کچھ کہا تو اس نے جواب دیا: "میں نے بادشاہ کا نمک کھایا ہے اور جو وہ مجھکو حکم دیگا اُسکی بجاآوری میرا فرض ہے"۔

اسکی دلیری کا ذکر کرنا ہی لاحاصل ہے۔ فی زمانا تو کسی پلٹن یا رسالہ کے جنرل کیواسطے یہ ضروری نہیں کہ وہ خطرے کا سامنا کرے۔ اسکو صرف فوج کے آگے چلنا ہوتا ہے جیسے لف تلوار ہاتھ میں لیئے ہوئے چلنیا لوالم کی سپاہ میں گیا تھا۔ غرض پھر بھی جہاں تک کسی خطرے کے موقع پر یا حملہ کے وقت اسکی موجودگی سب سے آگے ضروری تھی۔ یہ بہادری سے سینہ سپر ہوا۔ معرکہ اسٹی میں دو گھوڑے اسکے نیچے مر گئے۔ ڈورو میں ایک موقع پر یہ ایک فرانسیسی دستہ میں گھر گیا۔ مگر اس نے تلوار ہاتھ میں لی اور ان کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ سلیمانکا میں ران میں اسکی زخم آیا اور ایک گولی اسکی ٹوپی کے پار ہو گئی۔ سر ولیم نیپیر کا بیان ہے: "میں نے جنگ سلیمانکا کی شام کو اسکو اسوقت دیکھا جب توپوں کے گولوں سے ل ہل رہے تھے اور جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی بجز آگ کے شعلوں کے اور کچھ نہ نظر آتا تھا۔ ڈیوک آف ولنگٹن تھا اسکی پیشانی پر فتح کا ستارہ چمک رہا تھا۔ اسکی نگاہ تیز اور تیر رسان تھی۔ مگر اسکی آواز نہایت مطمئن اور خوش الحان تھی"۔

ڈیوک کا تحمل نہایت ہی عجیب تھا۔ جب ٹورس ویڈراس میں ۱۸۱۰ء میں فوج میسینا نے اسکو بہت تنگ کیا تو اسکے اپنے ماتحت افسر بعض اوقات بغاوت پر اسکے برخلاف آمادہ ہو گئے۔ یہ لوگ انگلستان جانے کے واسطے رخصت مانگتے تھے۔ اس نے کہا: "اسوقت سات جنرل ہیں۔ جو یا تو انگلستان کو چلے گئے یا چلے جارہے ہیں۔ اور بجز میرے اور جنرل کمپبل کے کوئی بھی اتنا نہیں جو فوج کو لیجائے۔ ان افسروں کی عدم موجودگی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ جنگ کے موقعہ پر مجھکو مجبوراً کبھی تو رسالہ کا اور کبھی ہراول کا جنرل بننا پڑتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک ہی دن میں دو دو اور تین تین ستوں کے آگے چلنا پڑتا ہے"۔

انگلستان میں اخبارات نے ڈیوک کی مخالفت پر قلم اٹھائے۔ اور اسکی توہین کی۔ "اسکو جنگ کی جرأت ہی نہیں ہے!" اور پھر ایسے ایسے عجیب آدمیوں نے یعنی لارڈ میئر اور شہر کی لنڈن مجلس عام نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ڈیوک کے چال چلن کی تحقیقات کیجائے۔ ہاؤس آف کامنس نے شکایت کی زبان کھولی۔ وزارت میں ہل چل مچگئی۔ تاہم ولنگٹن اپنے کام پر ٹورس ویڈراس میں مستعد رہا۔ اسکے پاس صرف انگریزی فوج ہی درکو تھی۔ کیونکہ پرتگیز قریباً بیکار بیٹھے رہتے تھے۔ اور انگریزی اخبارات میں جو اسپر الزام لگائے گئے ان کے بارے میں اس نے کہا: "مجھکو امید ہے کہ برطانیہ میں لوگوں کی آرائے اخبارات کی زبان سے متأثر نہ ہونگی

اور اسکے علاوہ اِن اخبارات میں بھی کبھی عوام النّاس کی رائے کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ اسواسطے میں (جبکہ میرے پاس ایسے ہتک آمیز مضامین کا شاکی بننے کے واسطے بہ نسبت کسی اَور کے چند در چند وجوہات ہیں) ان اخبارات پر مطلق خیال نہیں کرتا اور نہ یہ پرواہ کرتا ہوں کہ ایسے بہتان اور لچر اعتراضات کا جواب دوں۔ جو میرے احکام پر کیئے گئے" اور لارڈ مے یر کی دھمکی پر اس نے صرف اتنا کہا "جو یہ چاہیں کریں۔ جب تک جنگ جاری ہے میں اس سے دست کش نہیں ہوسکتا" فوج برطانیہ نے ٹورس ویڈراس میں فرانسیسیوں کے مونھ پھیر دیئے اور بالآخر ان کو مراجعت کرنی پڑی۔ ڈیوک نے اسکا تعاقب کیا۔ فرانسیسیوں نے اپنی بہت سی توپیں اور گولی بارود ضائع کردی تاکہ آسانی سے نکل جائیں۔ انہوں نے جس طرح ان کا دل چاہا دہقانوں اور زمینداروں کے سر کاٹے۔ بہت سے دہقان سڑک کے کنارے رسیوں سے لٹکے ہوئے ملے صرف اس قصور پر کہ یہ فرانسیسی حملہ آوروں سے دوستانہ طور پر نہ پیش آئے تھے۔ جن گاؤں سے فرانسیسی فوج گذری تھی وہاں سے دھواں اٹھنے پر فی الفور ان کی سخت رفتار معلوم ہوجاتی تھی۔ ڈیوک نے میسینا کی فوج کو جا پکڑا اور اسکو شکست فاش دی۔ اسکے بعد اس نے المیڈیا پر قبضہ کرلیا۔ بڈاجوز کو اڑا دیا۔ اور مارموٹ کو سلیمانکا پر شکست دیکر یہ میڈرڈ میں داخل ہوا۔ یہ بات عجیب ہے کہ حالانکہ سپین کے بریگیڈیر منڈا کے پاس ۴۴ ایڈیکانگ تھے اور گو ولنگٹن میڈرڈ میں فتح کا تاج رکھکر ہوپنچا مگر اسکے پاس بجز ایک افسر لارڈ فٹزرائے سامرسٹ کے اَور کوئی بھی نہ تھا!

ولنگٹن جس ملک میں سے گذرتا یہاں کے لوگوں سے نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آتا۔ اہل اسپین انگریزی فوج سے بڑھکر اپنی فوجوں سے ڈرتے تھے۔ کیونکہ اہل سپین کا جدھر گذر ہوتا یہ تاخت و تاراج میں مصروف ہوجاتے حالانکہ انگریزی فوج کو اسکی سخت ممانعت کی گئی تھی۔ مگر آخرالذکر بیچارے زر اور روزمرہ کی مستعمل چیزوں کی طرف سے بہت تنگ تھے۔ جب ولنگٹن کی فوج میسینا کا پیچھا کر رہی تھی سپاہیوں نے کاونٹ کوسٹیلو ملھور کی زمین پر سے کچھ لکڑیاں جلانے کے واسطے اٹھائیں۔ ڈیوک نے اپنی جیب سے اس لکڑی کی قیمت دیدی اور کہا "جس قدر مجھکو فوج کی بہتری اور عمدگی کا خیال تھا اسمیں بدقسمت باشندوں کا تاسف بھی پیدا ہوگیا کہ ان سے کھانے پینے کی چیزیں یا دانہ گھاس ہرگز نہ لیا جائے"۔

جب سپین کی سپاہ نے مختلف طور پر اور خصوصاً تالویرا کی لڑائی کے بعد انگریزوں سے دشمنی اور عداوت کا اظہار کیا۔ ڈیوک نے یہ حکم دیا کہ باامن لوگوں سے جہانتک ہوسکے شفقت اور مہربانی سے سلوک کیا جائے۔ جب سپین کی فوجیں فرانس میں پہونچیں انہوں نے فی الفور قتل اور لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ یہ دیکھکر ڈیوک نے اسیدم اسپین کو واپس جانے کا حکم دیا اور بغیر انکے جنگ آرتھز میں شریک ہوا۔ بعد میں ڈیوک نے ڈان فریری سے

کہا: ”میں ایسا کمینہ نہیں ہوں کہ لوٹ مار اور کشت و خون کی اجازت دوں اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے آدمی لوٹ مار کریں تو اُن کو کسی اَور شخص کی کمان میں بھیجئے“۔

ولنگٹن کی اِس مُلک میں اچھی طرح توقیر نہ ہوتی تھی۔ اسکو کچھ اختیار بھی نہ تھا کہ کسی بہادر سپاہی کو اُسکی جوانمردی اور دلیری کا صلہ دے اور اِس طرح اس کا دل بڑھائے۔ فرانسیسی افسر اپنی سپاہ کا دل اُسکو عہدوں کی ترقی کے لالچ سے بڑھاتے تھے مگر ولنگٹن اپنے ماتحت بہادروں کیواسطے کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ جو کچھ ترقیاں ملنی تھیں وہ انگلستان ہی میں ملتی تھیں۔ اور وہ افسر جنھوں نے انگلستان سے کبھی قدم بھی باہر نہ نکالا تھا بڑے بڑے اعلےٰ مراتب پر پہونچ گئے! ولنگٹن کے ماتحت افسروں اور سپاہیوں نے بڑے کارنمایاں کیئے۔ اعلےٰ درجہ کی دلیری اور مردانگی دکھلائی اور یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی دریغ نہ کیا۔ مگر پھر بھی ولنگٹن ان کی قیمتی خدمات کی رپورٹ انگلستان کو کرتا رہا۔

اسکی سپاہ نے انکی بہتری کیواسطے اسکی اَن تھک کوششوں کی بہت قدر کی۔ اور انکی جان کی حفاظت کا جو اسے خیال تھا اس سے بہت متاثر ہوئی۔ یہ اسکی بے لاگی۔ راستبازی۔ انصاف اور دیانتداری کے قائل تھے۔ اس نے افسروں و نیز سپاہیوں میں لا انتہا اعتماد بھر دیا۔ یہ معاف بہت زیادہ کرتا اور سزا بہت کم دیتا۔ یہ ضروری تھا کہ فوج کی قواعد برقرار رکھی جائے۔ لیکن جب کبھی خطرے کا سامنا ہوتا تو یہ اسکا کسیقدر کم لحاظ کرتا۔ ایک بار ایک افسر سے دشمن کے مقابلے میں کوئی امر بیجا سرزد ہوا۔ اسپر ڈیوک نے بجائے اُسے کورٹ مارشل میں بھیجنے کے مستعفی ہونے کی خواہش کی۔ چنانچہ اس نے کہا: ”میں تمام دنیا میں اسے بدنام ہونے سے اسکے مستعفی ہونیکو ترجیح دیتا ہوں“۔ ایک بار ایک سارجنٹ ایک کمپنی کی تنخواہ لیکر علیحدہ ہوگیا۔ یہ ایک عورت پر فریفتہ تھا اور اسکے عشق میں اندھا بن کر اِس جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ اور اِس سے پیشتر اس سارجنٹ کا چال چلن قابل تعریف تھا۔ ڈیوک نے اسے معاف کر دیا اور پھر نوکر رکھ لیا جسکے بعد اُس نے پنِنشولر وار میں خوب مردانگی دکھلائی۔

ولنگٹن اپنے ماتحتوں سے نہایت ہی خوش خلقی سے پیش آتا۔ اسمیں اعلےٰ درجہ کا اطمینان خلق اور آداب و اطوار کی عمدگی پائی جاتی تھی جو کہ یا تو شریف النسلی کی وجہ سے تھی یا چال چلن کی عمدگی اور بے دماغی کی وجہ سے۔ اس نے کبھی نہ کہا: ”میں حکم دیتا ہوں“ بلکہ ”میں یہ خواہش کرتا ہوں۔ یہ التجا کرتا ہوں“۔ اپنے ماتحت افسروں سے گفتگو کرتے وقت یہ ان کو سپاہیوں سے سخت کلامی کرنے سے منع کرتا۔ اسکا مقولہ تھا: ”ایسے کلام کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس سے انسان کا دل زخمی ہوتا ہے مگر کبھی نفع نہیں پہونچتا“۔

خواہ لڑائی کیسی ہی زور شور کی ہو اسکو اپنی سپاہ سے نہایت ہی اعلےٰ درجہ کی ہمدردی ہوتی۔ نیپیر کا بیان ہے: ”بیڈاجوز کے محاصرے میں جس وقت خبر پہونچی کہ رات کو دو ہزار سپاہی کام آئے میں نے ڈیوک کو

گریہ وزاری میں دیکھا۔ صبحکو جب ڈاکٹر ہیوم ڈیوک کے کمرے میں اُن آدمیوں کی رپورٹ کرنے آیا جو جنگ واٹرلو میں کام آئے تھے یا زخمی ہوئے تھے۔ اس نے ڈیوک کو بے خبر اپنے تن بدن سے بالکل غافل پڑا ہوا پایا۔ اس کے بعد ڈیوک اُٹھکر بیٹھا اور فہرست پڑھی گئی۔ یہ فہرست بڑی لمبی تھی اور جب ڈاکٹر نے سر اٹھاکر ولنگٹن کی طرف دیکھا تو اسکے دونوں ہاتھ موتھ پر تھے اور آنسو رخساروں پر بہ رہے تھے۔" اسی روز اس نے اپنے دوست **مارشل بیریسفورڈ** کو کہا "ہمارے نقصان نے میری کمر توڑدی اور مجھکو اس فائدے کی کچھ پرواہ نہیں جو ہمکو حاصل ہوا ہے مَیں خدا سے دست بدعا ہوں کہ وہ آیندہ مجھکو اس قسم کی جنگ سے بچائے۔ کیونکہ اسقدر اپنے دوستوں و رہمراہیوں کے نقصان سے مَیں شکستہ دل ہورہا ہوں"۔ اس کے بعد اس نے **لارڈ ابرڈین** کو لکھا "اس قسم کی شادمانی میرے واسطے کچھ بھی طمانیت نہیں"۔ اور پھر بھی اس نے ایک بڑی جنگ عظیم الشّان فتح کی تھی۔ لڑائی کے بعد جس وقت یہ میدان جنگ میں پھر رہا تھا اس نے زخمی سپاہیوں کی دلخراش آوازیں سُنیں اور اس وقت اس نے پوری پوری انسانی خیال کو ان قابل یادگار الفاظ میں ظاہر کیا "بجز شکست کے میرے خیال میں کوئی چیز بھی ایسی خوفناک نہیں جیسی فتح ہے"۔

جب ایک بار یہ ہاؤس آف لارڈز میں تقریر کررہا تھا اس نے کہا "مَیں اُن شخصوں میں سے ہوں جنھوں نے بہت لوگوں سے بڑھکر بہت کچھ اپنی زندگی لڑائی میں بسر کی اور پھر خانہ جنگی میں۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کسی صورت میں اس قابل ہوں کہ ملک میں خانہ جنگی ایک ماہ تک بھی ملتوی کر سکوں تو اس کے واسطے میں اپنی جان قربان کرنے کو مستعد ہوں"۔

ڈیوک نہایت ہی حمدل اور رقیق القلب شخص تھا۔ اس نے سپین کی رعایا کی انھیں کی سپاہ کے ظلم سے حفاظت کی۔ جنگ ٹالویرا کے بعد انگریزوں اور کوسٹا کی سپاہ میں چھڑ گئی کیونکہ انگریز ان سپاہیوں کو زخمی فرانسیسیوں کے قتل کرنے یا ستانے سے روکتے تھے۔ **مسٹر جیٹو برایانڈ** نے کہا ہے۔ "ہمارے دل میں **لارڈ ولنگٹن** کی اسقدر تعریف ہے کہ ہم اسپر اپنی خوشی کا اظہار کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ درحقیقت ہم یہاں تک متاثر ہوتے ہیں کہ ہماری آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ باعظمت شخص پرتگال سے واپس آتے وقت ہر ایک شخص کو دو گنی دینے کا وعدہ کرتا ہے اگر وہ ایک فرانسیسی نہ لائے"۔

ڈیوک کی تمام عمر شفیقانہ کاموں سے بھری ہے۔ ہندوستان میں اس نے **دوندھیا** کے بیٹے کو زخمیوں کے ڈھیر میں سے نکالا اور اسکا علاج کیا۔ اس نے **جنرل فرنیشی** کی نہایت شوق سے امداد کی اور اسکا علاج کیا جسکو اہل سپین نے ایک باغی قیدخانے میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس نے

شاہ اسپین کے ظلم کے کئی ایک شکاروں کو جن میں ایک شخص نوجوان مسکاریناس بھی تھا بچایا۔ اسنے پرتگیزوں کی تندی اور غضب کے مقابلہ میں تنہا ان فرانسیسیوں کی حمایت کی اور بچایا جو دشمن کی سپاہ سے تقدیراً اسکے ہاتھ آ لگے تھے۔ اس نے کہا "قوانین جنگ کے مطابق یہ میری حفاظت اور خبر گیری کے مستحق ہیں۔ اور میں نے اسے پورا کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔" اس نے فرانسیسی ڈاکٹر کو اجازت دیدی کہ وہ بیکھٹکے آکر ان کا علاج کرے اور فوج میں آئے جائے ۔

اسی طرح توقیر کو مدنظر رکھکر یہ دشمن سے پیش آتا۔ چنانچہ جب ہندوستان میں اسکو یہ تدبیر بتلائی گئی کہ دونتصیا سے یہ لڑائی کا اس طرح خاتمہ کرے کہ ایک خنجر اسکے مار دے۔ اسنے فی الفور اس سے انکار کیا اور اسکی تردید کی۔ اور اسی طرح جب اسپین میں سولٹ کی فوج میں بغاوت پھوٹی اور اس سے کہا گیا یہ کہ اس فوج کی معاونت کرے اس نے قطعی انکار کر دیا۔ اس نے اُس فعل کے لائق خود کو اور اُس کام کو نہ سمجھا جیکا یہ بہادر تھا کہ ایک فوجی بغاوت کے وسیلہ سے یہ وہ چیز حاصل کرنے جو در اصل لیاقت اور بہادری کا صرف صلہ ہے ۔

جب یہ ٹورس ویڈراس میں تھا شاہزادہ ایسلنگ نے انگریزی فوج کے ملاحظہ کا بہت اشتیاق ظاہر کیا۔ یہ ایک انگریزی توپخانے کی طرف بڑھا اور ایک باغ کی نیچی سی دیوار پر دوربین رکھکر اسے دیکھنے لگا۔ انگریز افسروں نے اسے دیکھ لیا اور گو یہ یکبارگی توپوں کی باڑھ سے تمام سپالار کے ہمراہیوں اور خود سپاہ سالار کا کام تمام کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے صرف ایک گولہ چلایا تاکہ شہزادہ کو اپنی حالت کی خبر ہو جائے۔ نشانہ ایسا ٹھیک تھا کہ جس دیوار پر دوربین رکھی تھی وہ گر گئی میسینا اس خوش خلقی کی اطلاع دہی کو فوراً سمجھ گیا۔ اس نے توپخانے کو سلامی دی اور اپنے گھوڑے پہ سوار ہو کر چلدیا ۔

یہی حال ولنگٹن کا واٹرلو میں تھا۔ جب ڈیوک فرانسیسی فوج کی حرکات سکنات دیکھ رہا تھا۔ توپخانے کا ایک افسر اسکے قریب پر گھوڑے پر سوار آیا اور جس جگہ نپولین معہ اپنے افسروں کے کھڑا تھا اُس طرف اشارہ کر کے کہنے لگا "میں وہاں تک آسانی سے پہونچ سکتا ہوں اور یقین ہے کہ ایک کو بندوق سے گرا بھی دوں۔" ڈیوک نے جواب دیا "نہیں نہیں۔ وہ جنرل جو ایسے عظیم معرکوں میں فوج پر حاکم ہوں انھیں ایک دوسرے کے گولی مارنے کے علاوہ کچھ اور بھی کرنا ہوتا ہے۔"

جب نپولین کو شکست ملی تو ڈیوک نے نہایت متنفر ہو کر اس تجویز کی تردید کی کہ نپولین کو جان سے مار کر اس سے مخلصی پائے۔ اس نے کہا "ایسا فعل ہمکو نسلوں تک بدنام اور بے عزت کر دیگا۔ لوگ ہمکو کہینگے کہ ہم نپولین کے فاتح بننے کے قابل نہ تھے۔" اور سر چارلس سٹیوارٹ کو اس نے لکھا "بلوشر چاہتا ہے

کہ اسے مارڈالے۔ مگر میں نے اس سے کہدیا ہے کہ میں اسکی شکایت کرونگا اور اصرار کرونگا کہ کثرت رائے سے فیصلہ ہو۔ میں نے اس سے یہ بھی کہدیا ہے کہ میں اسکو دوستانہ طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے معیوب اور بدکام سے باز رہے۔ اور یہ کہ میں نے اور اُس نے ایسے ایسے کاموں میں خود کو ممتاز کیا ہے کہ جلّاد بننا نالائقی ہے۔ اور یہ کہ میرا ارادہ ہے کہ اگر تمام بادشاہ اسکے قتل پر متفق ہوں تو اُن کو چاہیئے کہ ایک جلّاد مقرر کریں مگر میں وہ جلّاد نہ بنوں گا"۔

ڈیوک نے تو نپولین کی سلامتی پر اسقدر اصرار کیا اور اسکا عوض نہایت عجیب ملا کہ نپولین نے اس شخص کو ایکہزار فرینکس دینے کا وعدہ کیا جو ولنگٹن کو قتل کر دے! ڈیوک نہایت راست باز شخص تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اسکے ماتحت بھی اسی کی طرح بن جائیں۔ ۱۸۰۹ء میں اس نے جنرل **کلرمان** کو لکھا "جب انگریزی افسر وعدہ کرتے ہیں کہ وہ بھاگنے کی کوشش نہ کرینگے تو آپ ان پر اعتماد کیجیے اور بے غم رہیئے کہ وہ اپنے وعدے پر ثابت قدم رہینگے۔ اور میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کوئی انگریز اسکے برعکس عمل کریگا تو مجھکو ہرگز تامل نہ ہوگا کہ فی الفور اُسے گرفتار کروں اور آپکے پاس واپس بھیجدوں"۔ ڈیوک نہایت کشادہ دل شخص تھا۔ نہ تو رشوت سے اسپر کوئی قابو پا سکتا تھا نہ کوئی دھمکی اسے خوف زدہ کر سکتی تھی۔ جب ایک کمتر عہدہ اُسے ملنے لگا اس نے کہا "آپ مجھکو حکم دیجیے اور میں اسے بجالاؤں گا"۔ اسمیں فرمانبرداری۔ وفاداری اور صداقت مکمل تھیں۔ اسکو مطلق اپنا خیال نہ تھا بلکہ دوسروں کا۔ اور حسد کا تو اسمیں نام تک نہ تھا۔ اس نے کبھی دوسروں کی شہرت کی مخالفت نہ کی اس غرض سے کہ اسکی شہرت زیادہ ہوجائے۔ جسقدر اسکو اپنی شہرت کا خیال تھا اُسیقدر اپنے ماتحت افسروں کی شہرت کا تھا۔ جب کوئی خرابی آپڑتی جیسا کہ برگوس میں ہوا یہ تمام الزام خود پر لے لیتا۔ اس نے وہ تمام الزام خود پر لے لیئے جو گریہم۔ ہل اور کرافورڈ پر انگلستان میں لگائے گئے۔ اسمیں وہ کامل اعتقادی اور روحانی برتری تھی جو ناانصافی اور بہتان سے سخت متنفر تھی۔ جب میڈرڈ کی میونسپلٹی نے اسکی تعریف اور مدح سرائی کی اس نے اپنی خدمت کا کچھ فخر نہ کیا اور نہ تعریف کی بلکہ کہا "جنگ کا نتیجہ اُس قادر مطلق کے ہاتھ ہے"۔

مگر ولنگٹن کے چال چلن کی سب سے بڑھکر صفت فرض کی بجا آوری کا اسکا خیال تھا۔ یہی صفت اسکے چال چلن کی منتہا تھی۔ اور یہ وہ فرمانروائی اور شاہنشاہی کا مادہ تھا جسکے تمام چیزیں زیر فرمان ہیں۔ اسکی متواتر یہ خواہش تھی اور پختہ ارادہ تھا کہ جس کام کو یہ فرض سمجھے اُسے ایمانداری اور وفاداری سے کرے کیونکہ یہ فرض تھا۔ یہ ایک چیز کے واسطے دنیا میں زندہ رہا کہ بطور ایک سپاہی کے اپنا فرض ادا کرے۔ اُسے اپنی تمام طاقت صرف کر کے کرے۔ اُسے جانثار کر کرے۔ اُسے نہایت ہی عمدہ طور پر کرے جہاں تک

اسکی لیاقت کا دسترس ہو - جہاں تک اُسکی تجاویز کا دسترس ہو - اور اسطرح کرے کہ بعد میں کامیابی نصیب ہو - اس مشاہدہ سے ایک طور کی تعلیم ملتی ہے کہ کیسی یکتائی کیسی سادگی اور کیسی قوت کسی اصول کے اچھی طرح سمجھنے اور دائمی اسکی پیروی کرنے سے چال چلن کو حاصل ہو سکتی ہے - بر پالمسٹ اپنے آخری ایام میں کہتا ہے " ولنگٹن سب سے بڑھکر باعظمت تھا کیونکہ یہ زمانہ حال میں سب سے بڑھکر راست باز تھا - ہر اُن تمام شخصوں سے بڑھکر دانا اور وفادار تھا جنھوں نے سلطنت برطانیہ کی خدمت کی اور اسکی رعایا تھے " ؏

ہم ذیل میں ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم با اقتدار اور متفق بن گئی - جب پرشیا نپولین کے پیروں میں پائمال ہو رہا تھا - اسکی سلطنت کا نام بھی نہ تھا اور یہ سلطنت فرانس کا صرف ایک صوبہ تھا - ون سٹین اپنے ملک کی رہائی کو آگے نکلا - اکتوبر سنہ ۱۸۰۷ء میں سٹین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو آزادی ملنے سے ملک کی رہائی کی تدبیر ہو سکتی ہے - اسکی تجویز کا لب لباب یہ مؤثر الفاظ تھے " جو کچھ کسی سلطنت کا اسکی عظمت کی وسعت میں نقصان ہوتا ہے اسے قوت کی زیادتی سے پورا ہونا چاہیئے " اسکا قول تھا کہ کسی سلطنت کی سچی قوت امارت میں نہیں ہوتی بلکہ تمام قوم میں " کسی قوم کو ترقی کی منزل پر تنزل سے پہونچانے کیواسطے یہ ضروری ہے کہ اسکو آزادی دیجائے - غلامی دور کیجائے مظلوموں کو مال و متاع دیا جائے - اور قانون کی وسعت سب لوگوں تک یکساں پہونچائی جائے - ہمکو دہقانوں اور زمینداروں کو آزاد کرنا چاہیئے - کیونکہ آزادانہ محنت ہی کسی قوم کو مؤثر طور پر قائم رکھ سکتی ہے - دہقان کو وہ مزرعہ دیدیا جائے جسے یہ کاشت کرتا ہے - کیونکہ خود مختار مالک زمین تو صرف اپنے گھر بار کی ہی حفاظت کرسکتا ہے - باشندوں کو عام آزادی دو کیونکہ اسی آزادی نے جرمنی والوں کو مفتخر جگہ پر پہونچا دیا ہے جسکے یہ نازاں ہیں - دولتمند زمینداروں کو سمجھاؤ کہ امارت کا جائز مرتبہ صرف ملک کی بے لاگ خدمت سے برقرار رہ سکتا ہے - اور اسکی جڑ کھوکھلی ہو جاتی ہے ناجائز حقوق حاصل کرنے اور محصول کی ادائیگی سے بری ہوتے ہیں " ؏

غرض یہ تجویز تھی جب سٹین کاربند ہوا - امیروں کا انسداد کرنے سے بد معاشی مفقود ہو گئی - قانونی نگاہ میں خصوصیت نہ رہی - انتظام کا میونسپل طریقہ قائم ہوا - پرشیا کے نوجوانوں کو بتدریج مگر عام طور پر آلات حرب کے استعمال کی تعلیم ملنے لگی - اسی اثنا میں نپولین نے ایک شخص سٹین نامی کا حال سنا جو پرشیا کی تغیر حالت میں مصروف تھا - اور اب سنہ ۱۸۰۸ء میں بیچارے کو مجبوراً اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر آسٹریا میں پناہ گزین ہونا پڑا - مگر اسکی تجاویز پر اسکا جانشین کاؤنٹ وان ہارڈنبرگ نہایت جانفشانی

عمل کر رہا تھا - اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جنگ لیپزگ شروع ہوئی جسمیں نپولین کی فوج فرانس کو بھگا دی گئی - سٹین کی بعض تجاویز پر عملدرآمد ہوا - اور وہ قومی نمونہ جو اُس نے تجویز کیا تھا کسی آیندہ وقت کے واسطے ملتوی کیا گیا تاہم بدمعاشی کی بیخ کنی ہو گئی تھی اور پرشیا کی آیندہ ترقی کی بنیاد رکھدی گئی تھی سٹین ۱۸۳۱ء میں فوت ہو گیا مگر اپنے بعد پرشیا کا سب سے بڑھکر ثابت چلن اور باعظمت مدبر سلطنت ہونے کی شہرت چھوڑ گیا *

کوئی تین سال گذرنے جب سٹین کے یادگاری بُت کا نقاب برلن میں اُٹھایا گیا - ڈاکٹر فلیسٹ فاضل قوانین نے لوگوں کا خیال اُن بڑے بڑے نمایاں کاموں کی طرف متوجہ کیا جو اس بہادر نے پرشیا کیواسطے کیے تھے - اس نے بیان کیا کہ سٹین نے مذہب کو ہی اخلاقی زندگی کی بنیاد قرار دیا تھا - اور اسکے نزدیک خواہشات نفسانی - کاہلی - اور زر کی محبت بجز حب الوطنی اور اپنے ہمسایہ کی محبت کے دور نہیں ہو سکتیں - اور جب تک آزادی موجود ہو فرمانروائی کے طریقے بالکل قابل خیال نہیں " وہ شخص جس کے ہم اس تعلیم کے باعث ممنون ہیں صاحب اقوال نہ تھا بلکہ صاحب افعال - اور وہ افعال جن کی بنیاد اس چال چلن پر ہے جو حب الوطنی - ہمت - صداقت اور ایمانداری سے بھرا ہوا ہے - چونکہ خدا کا خوف اسمیں پہلے درجہ کا تھا - لہذا تمام انسانی خطرات سے یہ نڈر تھا - اعلےٰ سے اعلیٰ مدعا اسکی زیر نظر تھے - جن کے حصول میں مشکلات اور مصائب کے مونہہ میں جانے میں اسے مطلق تامل نہ تھا - یہ صرف اصولوں کی ہی بنیاد رکھنے پر قانع رہا - اور ان کا عملدرآمد اور جزواری دوسروں کی پسندیدگی اور وسائل پر چھوڑ گیا - بے ہمتی - خود غرضی اور ریاکاری کی طرف سے اسکے دل میں شریفانہ تعصب تھا - عرصہ حلیہ بازی اور رعونت جہاں حد کا یہتی وہاں اُس نے نہایت بہادری سے حسد اور متروک سوات کا مقابلہ کیا یہ خدا تعالیٰ کی محض رحیمی اور کریمی تھی کہ یہ شریف سٹین - یہ ہماری اتفاق اور یگانگت کا قیمتی لعل - ایک تراشیدہ ہیرا تھا - جیکے چال چلن میں قوت اور باکلام قدرت اصلاح کی کوٹ کوٹ کر بھری تھی - اسکی بھی چنداں ضرورت نہیں کہ ہم اس بچھڑے ہوئے مدبر کی یادگار رکھنے سے خوش ہوں - کیونکہ تمام جرمنی پر اسکے جذبات دلی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے - اور نہ ہمکو اسپر فخر کرنیکی ضرورت ہے کہ یہ یادگار خوشی کی ایک نشانی ہے - خوشی کا تو صرف خیال ہی لیا تھا جس سے اسکی صاف روح متنفر تھی اور روح ہی نہیں بلکہ اسکی تحریر اور فعل اور قول سب - جیسا کہ اس کی یادگار پر کندہ ہے " یہ خوشی کی نشانی نہیں ہے بلکہ شکرگزاری کی فتح اور نصرت کی یادگار نہیں بلکہ احسانمندی کی " *

ہم نے جو کہ اسوقت زندہ ہیں اپنی آنکھوں کے سامنے ایک قوم کو ترقی کے زینے پر چڑھتے دیکھ لیا - چالیس برس گذرے کہ اٹلی کے بڑے بڑے گرمجوش ہواخواہوں کو اسکی سیاہ بختی حد سے بڑھکر دکھلائی دیتی تھی - وہ

خود حکمرانی کی لیاقت جو کچھ عرصے تک اٹالین جمہور کی باعث ناز تھی - اس کا چراغ گل معلوم ہوتا تھا - لوگوں کا خیال تھا کہ تمام قوم کے ہاتھ سے پرانی صفات مدبری نکل گئیں - جب نپولین کو ادبار نے گھیرا اسوقت اٹلی کا تمام ملک چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں منقسم تھا اور ان کے فرمانروا انپر نہایت سختی اور جبر سے فرمانروائی کرتے تھے - ۱۸۴۸ء میں **چارلس البرٹ** شاہ سارڈینیا نہایت بہادری سے آگے نکلا اور اس نے قومی حکومت کے اصول سمجھائے - اس زمانے میں تمام یوروپ میں ایک بڑی انقلابی جنگ برپا تھی - پیرس کی سڑکوں کے ناکے رک گئے تھے - اور **لوئی فلپ** انگلستان میں بھاگ آیا تھا - برلن میں فوج اور رعایا میں خونریزی کا بازار گرم تھا - پولنڈ میں بغاوت پھوٹی جو بہت کچھ کشت و خون سے فرو کی گئی - ہنگری نے آسٹریا کے برخلاف علم بغاوت بلند کیا - شاہ **نیپلز** نے میسینا پر گولی باری کی - پوپ گیٹا کو بھاگ گیا اور ایک رومن جمہوری سلطنت قائم ہو گئی - میلان کے لوگ آسٹریا والوں کے مقابلہ پر اٹھ کھڑے ہوئے - اور ان کو شہر سے نکال باہر کیا - وینس نے بھی میلان کی تقلید کی - اور ڈینیل مینین کے زیر حکم ایک عارضی سلطنت قائم ہو گئی ؂

چارلس البرٹ اہل میلان کی امداد کو پہونچا - آسٹریا والوں نے جن کی طاقت بہت بڑھکر تھی اسکو ٹورن تک پیچھے ہٹا دیا - اور نوارا پر اسکو شکست دیکر باغی شہر پر پھر قابض ہو گئے - بادشاہ نے اپنے بیٹے **وکٹر ایمینول** کو تخت دیا اور خود امور سلطنت سے دستکش ہو گیا - جس وقت جوان بادشاہ نے تاج سر پر رکھا انہی بہت کچھ آسٹریا والوں کے زک دینے کا دعویٰ کیا - اسوقت یہ ایک شیخی باز معلوم ہوا - مگر تاہم جو اس نے کہا تھا وہ پورا ہوا - **مارشل ریڈٹسکی** نے اسے صلاح دی کہ یہ قومی آزادی جو اسکے والد نے لوگوں کو دی تھی منسوخ کردے - اور آسٹریا والوں کے ظالمانہ اور جابرانہ طریق حکومت کی پیروی کرے - جوان بادشاہ نے اس صلاح کی تردید کی اور کہا "میں نسبت اپنی تجویز پر کاربند ہونے کے بہت جلد ایک تاج تو درکنار ہزار تاجوں پر تھوکتا ہوں - خاندان سیوائے کو جلا وطنی کا راستہ معلوم ہے مگر بے عزتی اور بے حرمتی کا راستہ نہیں معلوم ہے" ریڈٹسکی گو فاتح تھا پھر بھی اس نے نوجوان بادشاہ کی عظمت کو تسلیم کر لیا اور کہا "یہ شخص نہایت شریف آدمی ہے - یہ ہمسے بہت کچھ کام لیگا" ؂

بڑے بڑے مدبران سلطنت نے بادشاہ کی مدد اور تائید کی - جو دن غم و رنج اور مصیبت کا نوا میر آگیا کیوَر نے اسکے بارے میں کہا "جو دن گذرے وہی غنیمت ہے" جب روس سے جنگ چھڑی تو شاہ سارڈینیا کی پندرہ ہزار فوج کریمیا پہ بھیجنے سے بڑی مدد ملی اور بہادری ثابت ہوئی - جب کیوَر سے کہا گیا کہ سارڈینیا کی فوج خندقوں میں خراب خستہ ہو رہی تھی - اس نے کہا "کچھ پرواہ نہیں - اسی خرابی و خستگی سے اٹلی کی

برتری و بہتری ہوگی" بادشاہ کی اس طاقت کی زیادتی پر آسٹریا کو بہت غصہ آیا اور اُس نے سارڈینیا کو فوری جنگ کی دھمکی دیکر ہتیار رکھنے کا حکم دیا۔ **وکٹر امینول** نے ایک اشتہار شایع کیا جسمیں لکھا "آسٹریا سرحد پر فوجیں جمع کر رہی ہے اور ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی دھمکی دے رہی ہے کیونکہ یہاں حکومت کے ساتھ آزادی کا عمل ہے۔ کیونکہ یہاں رعایا اور حاکم میں اتفاق اور یگانگت پیدا ہو چلی ہے۔ کیونکہ اٹلی کے آہ و نالے یہاں گونجتے ہیں۔ اور آسٹریا کو اسقدر جرأت ہوئی ہے کہ ہمکو جو ہم نے صرف اپنی حفاظت کیواسطے ہتیار باندھے ہیں حکم دیتی ہے کہ ہم ہتیار رکھدیں اور اُسکی فرمانروائی کی متابعت کریں۔ اس گستاخانہ اعتراض کا شافی اور شایاں جواب مل گیا ہے میں نے نہایت حقارت سے اسکی تردید کی ہے .... سپاہیو! مستعد ہو"

شاہنشاہ نپولین نے اپنے معاون شاہ سارڈینیا کی طرفداری کی۔ اور آسٹریا کے مقابلے پر بیہ آمادہ ہوا۔ لڑائی شروع ہوئی اور آسٹریا والوں کو کئی مقامات پر زک ملی۔ تمام ریاستیں متفق ہوگئیں۔ جنگ پر جنگ فتح ہوئی۔ اور کبھی کسی سلطنت کو ایسی نصرت نہ میسر ہوئی تھی۔ مگر زمانہ اچھا تھا اور لوگ اٹلی کے اتفاق کے طرفدار تھے ۔

اٹلی میں علیحدہ ایک سلطنت بن گئی۔ اور اتفاق نے اُسے ایک نئی قوم بنا دیا۔ آجکل یہ بھی یوروپ کی بڑی بڑی طاقتوں میں سے ہے۔ اور آئندہ کی عظمت و شان و شوکت کیواسطے ہونہار معلوم ہوتی ہے قومیں ایک دن میں پیدا نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ یہاں ایک ایسی قوم کی تمثیل ہے جو نسلاً بعد نسلٍ اسواسطے تیار ہو رہی ہے کہ اپنے اعلےٰ حقوق کی دعویدار بنے۔ اور اسکی طاقت اور استحکام کو متفق سمجھے ۔

ہم کو سپاہی اور محب وطن کی تمثیلیں دینے میں جنگ کے مصائب اور خطرناکی بھی فراموش نہیں ہوئی۔ یوروپ میں مستقل فوجیں بھری ہوئی ہیں۔ علم کچھ عرصے سے انسانی خونریزی کے وسائل پیدا کرنے میں مصروف رہا۔ رفل دار توپیں۔ ہنری مارٹنی بندوقیں۔ تارپیڈو اور اور آلات حرب ایجاد ہو گئے ہیں۔ ہر ایک قوم دوسری قوم کو تاکتی رہتی ہے۔ اور ذرا سی بھڑکی پر بدلے کی خاطر اور آزادی یا فتح کی خاطر مستعد اور کربستہ ہیں۔ اور جرمنی۔ فرانس اور روس میں بھی یہی حال ہوا ہے۔ یوروپ میں سب سے آخری لڑائی روسیوں کا ترکوں پر حملہ تھی۔ اور بہت سی خطرناک جنگ کے بعد ترک قسطنطنیہ تک بھگا دیئے گئے۔ اب ہم لڑائی کے بعد میدان جنگ کا سماں دکھلاتے ہیں۔ مئی ۱۸۷۹ء میں مسٹر روز **جنرل سکوبلاف** کو ہمراہ لیکر درۂ شپکا میں گئے۔ مسٹر روز کا بیان ہے "شپکا کے موضع کے پاس جنرل سکوبلاف اپنے خیمہ سے نکلا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو لیکر ہم انتظام کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

ہم ابھی چند قدم چلے ہونگے کہ ایک چوبی صلیب ہمکو نظر پڑی جو ایک شاہ بلوط کے درخت کے نیچے تھی۔ جنرل نے فی الفور سر سے ٹوپی اتار لی جسکی سب نے تقلید کی۔ اور تھوڑی دیر تک یہ خاموش عالم سکوت میں کھڑا رہا۔ پھر یہاں سے ہم نے قدم اٹھائے۔ اور جنرل نے کہا "یہ ایک شجاع کی قبر ہے۔ اور خصوصاً جنگ کے روز میں نے حکم دیا تھا کہ ایک چوبی صلیب اسکی قبر کے نشان کیواسطے یہاں کھڑی کی جائے۔ یہ شجاع ایک پندرہ سولہ سال کا روسی لڑکا اشرف والدین کا بیٹا تھا۔ اثناء جنگ میں اسکے دل میں دلیری اور مردانگی نے جوش مارا۔ چنانچہ یہ سکول اور گھر بار چھوڑ کر بھاگا اور میدان جنگ میں آموجود ہوا میں نے اسے بطور والنٹیر کے بھرتی کر لیا اور یہ نہایت بہادری اور شجاعت سے لڑا اور بعد میں **عثمان پاشا** کے قلعہ کے سر کرنے میں شریک ہوا۔ یہ ایک چھوٹے سے دستہ کا افسر تھا۔ یہ اپنی سپاہ کو لیکر مگر اپنے ہمراہیوں سے کچھ دور آگے چلکر گولیوں سے بچنے کے لیئے فصیل کے نیچے جا پہونچا۔ لیکن یہاں خنجر نے اس کا کام تمام کیا گو اسکی زندگی تھوڑی سی تھی۔ مگر بہادرانہ تھی!"

بہادری کا تو یہ حال ہوا۔ اب نتیجہ سنو "ندی کو عبور کر کے ہم قلعہ میں پہونچے۔ مگر ہائے کیسا سماں ہماری آنکھوں نے دیکھا! سب طرف ٹوٹے ہوئے پیپے۔ گولوں کے ٹکڑے اور وردیوں کے چیتھڑے اس طرح پڑے ہوئے تھے گویا لڑائی چند ہی روز پہلے ختم ہوئی ہو۔ مگر اس ہولناک نظارے نے میرا دل ہلا دیا۔ کئی سو آدمی جلدی میں یہاں دفن کر دیئے گئے تھے۔ مگر بارش اور برف نے مٹی ان پر سے دھو ڈالی تھی۔ باقی بھیڑیوں اور کتوں نے کام تمام کیا تھا۔ اور دور دور تک چاروں طرف انسان کی ہڈیوں کا ایک ذخیرہ تھا۔ بانہوں اور پیروں وغیرہ کی ہڈیاں کچھ عجیب ہی طور پر کھوپڑیوں میں ملی ہوئی پڑی تھیں" "دیکھو کس طرح اس بے جان ڈھیر میں زندگی کے دم کے حالات نکلے ہوئے ہیں! دیکھو کسقدر نفرت اور حقارت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی یہ وہی ہیں جو تم تھے"۔ جس وقت ہمنے مردوں کی ہڈیاں رکھنے کے مکان کی طرف نگاہ کی جنرل سکوبلاف نے مجھسے کہا "اور اسکا نام شادمانی ہے!" مینے جواب دیا "بیشک" مگر پھر بھی جنرل۔

کسی کی آنکھ کا صرف ایک ہی آنسو گرانے سے
بہت ہے نیک نامی خون کے دریا بہانے سے

اسنے جواب دیا "آپ بجا فرماتے ہیں۔ مگر تاہم میں صرف ایک سپاہی ہوں اور بس"۔

باب نہم

نیک عملی میں بہادری

جو کوشش کرتا ہے غالب آتا ہے ٭

(سکاٹ لنڈ کی ضرب المثل)

اِس دنیا میں فرض کا راستہ دوسری دنیا میں نجات کی سڑک ہے ٭

(یہودی قول)

نہ تو کوئی ہم میں سے اپنے واسطے زندہ رہتا ہے۔ اور نہ کوئی ہم میں سے اپنے واسطے مرتا ہے ٭

(حضرت پولوس)

زمانہ قدیم میں بہادری اور نیکی مترادف الفاظ تھے۔ قدیم اہل روما کی بہادری بڑی بیش قیمت تھی۔ یہ تھی قوت۔ طاقت جو کہ شریفانہ اغراض کیواسطے حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ شخص جو اپنے اہل مُلک کی سب سے بڑھکر خدمت کرتا ہے۔ وہ شخص جوان کو بلند پایہ بناتا ہے۔ وہ شخص جو انکی حفاظت کرتا ہے سب سے بڑھکر بہادر اور جوانمرد ہے ٭

انسان میں ایک اندرونی بہادری ہے یعنی ضمیر ممیزہ کی دیانت کی۔ ایثار کی۔ خود انکاری کی اور اُس حق کام کرنے کی جسکی تمام دنیا خواہ تضحیک کرے۔ اسکی سب سے بڑی علامت اعلےٰ درجہ کی دشمنی ہے بُردباری اور روح کی دگنی بیش قیمتی یعنی بہادری ہیں ٭

وہ بہادری جس کا اکھاڑہ میدان جنگ ہے۔ اعلےٰ ترین درجہ کی نہیں تلواروں کی چھاچاق اور توپوں کی گولہ باری میں انسان دلیری سے پُرجوش ہو جاتا ہے۔ اور اپنے مُلک کے نفع کے واسطے اپنی جان سے گذر نے کو کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اور سب اُسکی عزت کرتے ہیں ؛

عورتیں جنکا خاصہ تحمل اور بردباری معلوم ہوتا ہے۔ مردوں ہی کی طرح بُردبار ہوتی ہیں۔ جنگ کے خونی افسانوں میں شاید اُس عورت سے بڑھکر کسی چیز میں ہمکو زیادہ دلچسپی اور لطف نہیں حاصل تھا جو زرہ بکتر لگا کر میدانِ جنگ میں اپنے عاشق کے ہمراہ گئی۔ اور جب یہ مارا گیا تو اسکے پاس کھڑی رہی۔ اور اپنے

عاشق کے مردہ جسم سے کنارہ نہ کرنے کی خاطر اُسنے موت کا سامنا کیا - بھلا دنیا میں کسقدر ایسے سپاہی ہیں جو ہمیشہ ہستی کی جنگ میں مشغول ہیں - مرتبہ اور منصب کیواسطے اور کچھ بھی نہیں مثلاً کبھی تو ضرورت کا بوجھ ان کے پیر اکھاڑتا ہے کبھی رُک جاتے ہیں - ہراساں ہوتے ہیں - چاروں طرف بجز مایوسی اور ناامیدی کے کچھ بھی نہیں دکھلائی دیتا - مگر پھر بھی ثابت قدم ہیں!

مذہبی شجاع کو کسی سپاہی شجاع کی طرح دلیرانہ کاموں کی تحریک نہیں کیجاتی جس اکھاڑے میں اس کا دنگل ہوتا ہے وہ جاہ و منصب کا نہیں ہوتا - بلکہ مصیبت اور ایثار کا - نہ تو اسکے سینے پر کوئی شاہی نشان ہوتا ہے - نہ اسکے سر پر کوئی علم لہراتا ہے - اور جیسا کہ اکثر ہوتا ہے - جب یہ اپنے فرض کی بجاآوری میں گرتا ہے تو اسکے سر پر کوئی قومی سہرا نہیں ہوتا - نہ کسی کو وقت اسکا ماتم ہوتا ہے - بلکہ لوگ جاتے ہیں اور پیچھے اسکی گور پر آنسو بہا کر چلے آتے ہیں ٭

انسان نہ تو دنیا میں شہرت کے واسطے پیدا ہوا ہے - نہ شادمانی کے واسطے اور نہ کامیابی کیواسطے بلکہ جو کچھ دنیا مہیا کر سکتی ہے اس سے بڑھکر کسی اعلےٰ اور عظیم الشان امر کے واسطے - جرمنی شیلر کا قول ہے "خدا نے انسان کو اس دنیا میں بہت تھوڑا عرصہ دیا ہے - اور پھر بھی اسی تھوڑے سے عرصے پر ابد کا دارومدار ہے - ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سے دشمنوں پر ہمکو غالب آنا ہے - بہت سی مشکلات کا مرحلہ طے کرنا ہے - بہت سی برائیوں کو روکنا ہے - بہت سے خطروں میں پڑنا ہے - بہت سی ضروریات کو مہیا کرنا ہے اور بہت نیک کام کرنے ہیں" ٭

مذہب کیواسطے ایثار سب سے مقدم ہے - عمدہ ترین مرد اور عورتیں کبھی خود طلب نہیں ہوتیں - یہ خود کو بغیر شادمانی یا شہرت کے لحاظ کے دوسروں کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں - یہ فرض کی بجاآوری کی خود اعتمادی میں اپنا صلہ حاصل کر لیتے ہیں - اور پھر بھی ہزاروں اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں جن کو "مرحبا!" کا لفظ بھی اُن لوگوں سے نصیب نہیں ہوتا جن کی اُنھوں نے خدمت کی ہے - "تم بھی دوسروں سے اسی طرح پیش آؤ جس طرح تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے پیش آئیں" - ایسا حکم ہے جس پر کاربند ہونا لامحدود ہے - اور پھر بھی یہ کم از کم ان کے واسطے جو بے لاگی اور بے ریاکاری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں آسان نہیں کہ اُسے کام میں لائیں ٭

اگر ہم صرف فہم و فراست سے ہی کام لیں تو کوئی چیز بھی دنیا میں غیر ضروری نہیں - اور ہمارا ایک تجربہ بھی ایسا نہیں جس میں اسکا نتیجہ لینا یا ذکر نہ ہو بشرطیکہ ہم صرف اسکو دیکھ ہی سکیں نیز مصیبت بھی اکثر انسانی ذہانت اور ہوشیاری کی اوّل درجہ کی کسوٹی ہے - جرمنی کا ایک مشہور شاعر کہتا ہے "وہ شخص جس نے

آنسو بہا کر زوال نہیں اُٹھایا - وہ شخص جس نے گریہ زاری میں رات نہیں بسر کی - آسمانی قدرت کو ہرگز نہیں جانتا جب دلخراش اور جانگداز حادثات پیش آتے ہیں تو وہ صرف ہماری آزمایش اور ثبوت کیواسطے بھیجے جاتے ہیں اگر ہم اپنی آزمایش کی گھڑی میں ثابت قدم رہیں - تو یہ ثابت قدمی دل کو سنجیدگی بخشتی ہے جس سے کہ فرض کی موافقت سے عمل کرنے میں ہمیشہ طمانیت اور تشفی حاصل ہوتی ہے ؀

نیکی کرنے کے موقعے اُن سب کو ملتے ہیں جو ایسے کرتے ہیں اور جن کی مرضی ہوتی ہے - سرگرم مادہ دوسروں کے دلوں میں اپنا راستہ نکال لیتا ہے - صبر اور استقلال سب چیزوں پر غالب آتا ہے - کسقدر زن و مرد دنیا میں بغیر لوگوں کی تحسین و آفرین کے مرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں - یہ غریبوں اور مفلسوں میں اپنی اوقات بسر کر دیتے ہیں - مریضوں کی تیمارداری کرتے ہیں - اُن کی خاطر تکلیفیں اُٹھاتے ہیں - اور پھر وہ سریع امراض ان میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کا یہ شکار بنتے ہیں - چنانچہ اسطرح بہت سی جانیں فرض اور رحم کی خاطر جاتی رہیں - بجز محبت اور اُلفت کے ان کا کوئی صلہ نہ تھا - اپنے واسطے نہیں بلکہ اگر دوسروں کیواسطے جان گنوائی جائے تو ہمیشہ اسکی تقدیس ہوتی ہے ؀

اِپی مینیڈیس جو کریٹ کا ایک شاعر اور فلسفی تھا - وبا کے انسداد کیواسطے ایتھنس کو بلایا گیا - یہ یہاں گیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا - مگر اس نے بجز اسکے کوئی صلہ نہ لیا کہ اہل ایتھنس کے دلوں میں باشندگان ناسو کی طرف سے جہاں کا یہ باشندہ تھا حسن ظن پیدا ہو جائے ؀

زمانہ قدیم میں وبا نہایت دہشت ناک آفت تھی - لوگ اسکا نام سنکر بھاگتے تھے - اور ایک دوسرے سے دور جاتے تھے - چنانچہ اکثر وبا کے مریض تنہا موت کے منہ میں چھوڑ دیے جاتے تھے - مگر پھر بھی بہت سے اشراف و حلیم الطبع زن و مرد بخوشی وبا کے انسداد کیواسطے ٹھہر جاتے تھے - کوئی تین سو برس گذرے کہ شہر میلان میں وبا پھوٹی - **کارڈنل چارلس برومیو** جو کہ آرچ بشپ تھا اسوقت (۱۵۷۶ء) لودی میں مقیم تھا - یہ فوراً اس وبائی مقام پر جانے کو تیار ہو گیا - اسکے تحت پادری نے اسے نصیحتاً کہا کہ آپ یہاں ٹھہریں جبتک مرض کم نہ ہو - مگر اس نے جواب دیا "نہیں! ایک بشپ جس کا فرض ہے کہ بنی آدم کیواسطے اپنی جان سے بھی دریغ نہ کرے - ان کو ایسی خطرناک حالت میں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا" اسپر جواب ملا "بیشک ان کے ہمراہ رہنا اور شریک حال ہونا نہایت اعلٰے کام ہے" "اچھا تو کیا ایک پادری کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ کام کرے؟" اور بعدہٗ یہ میلان کو روانہ ہوا ؀

وبا کوئی چار مہینے تک رہی - اس اثنا میں یہ مریضوں کے پاس خود جاتا - ان کے مکانوں پر پہونچتا ہسپتالوں میں اُن سے ملتا اور جہاں کہیں یہ ہوتے اُسے ہرگز جانے میں عار نہ ہوتا - یہ ان کی نگرانی کرتا - ان کو خوراک اور دوائی

دیتا۔ خدمت کرتا اور آخری وقت کی رسومات مذہبی بجا لاتا۔ اسکی تقلید کی اور پادریوں نے بھی پیروی کی۔ اور اسی کی طرح مریضوں کی تیمارداری کی۔ اور جب تک بخوبی وبا فرو نہ ہوگئی۔ یہ اپنے اس نیک کام سے دست کش نہوا ؛

اس پادری کی ایک اور وجہ سے بھی توقیر کیجاتی ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے اتوار کے دن غریبوں کے بچوں کیواسطے مدرسہ جاری کیا۔ اسکا قول تھا: "سبت انسان کیواسطے بنا ہے نہ کہ انسان سبت کے واسطے" اس روز بھی اَور دنوں کی طرح ہر طرح کا نیک کام ہوسکتا ہے" یہ پادری ہر اتوار کے سہ پہر کو شہر کے لڑکے میلان کتھڈرل میں جمع کرتا۔ اور ان کو لکھنا پڑھنا سکھلاتا۔ یہ اپنے ساتھ اپنی کاپیاں اور سلیٹیں لاتے اور جو یہ کہتا اُن پر لکھتے۔ اس کے ماتحت پادریوں نے اسے مدد دی اور مدرسہ کی بہت ترقی ہوئی۔ تین سو برس گذر گئے ہیں اور کارڈنل بارومیو کا سنڈے سکول اب تک موجود ہے۔ ۱۸۵۹ء میں مصنف نے بچشم خود دیکھا کہ لڑکے اپنی سلیٹیں اور کاپیاں لیئے ہوئے اس مدرسہ میں آکر جمع ہوئے ؛

یہ کارڈنل اپنی تمام آمدنی سکولوں اور کالجوں کی تعمیر اور خیراتی کاموں میں صرف کر دیتا۔ اسکے عہد میں شرارت اور بدمعاشی کی خوب رونق تھی اور جسقدر اس سے ہوسکا اس نے دور کرنے میں سعی کی۔ یہ پہلے اپنی ہم پیشہ جماعت سے شروع ہوا۔ اس نے پادریوں میں پہلے اصلاح کی۔ انہوں نے لڑکوں کو تعلیم دینے کے لحاظ سے اسکی ہنسی اُڑائی۔ اور اسکو سبت۔ گرجا اور پادریوں کی بے ادبی کرنے والا سمجھا۔ اسکا سنڈے سکول "ایک خطرناک رواج" سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مخالفوں نے ایک شخص کو اُجرت دیکر گرجا میں کارڈنل کے گولی مارنے کے واسطے مقرر کیا۔ چنانچہ گرجا میں یہ تھا کہ گولی اسکی پشت پر لگی۔ مگر جو ریشمی جبہ یہ پہنے تھا اس سے گولی اٹک کر زمین پر گر پڑی۔ مگر کارڈنل بڑا جوانمرد اور مستقل مزاج تھا۔ سب لوگ تو اسکے چاروں طرف مخالف تھے اور یہ اسیطرح اپنی گرمجوشی سے عبادت میں مصروف رہا ؛

انگلستان کی بھی باری آئی اور یہاں وبا پھیلی اور اس حالت میں کہ لوگوں کو ایک تو خوراک اچھی طرح دستیاب نہوتی تھی۔ دوسرے اُن کی تندرستی بہت کچھ خراب ہو رہی تھی۔ لنڈن میں اس کے ہاتھوں بہت خونریزی ہوئی۔ اس شہر کے کوچے غلیظ۔ تنگ و تاریک اور بند تھے۔ اور پانی کی بہت قلت تھی۔ آخر میں اس نے ۱۶۶۵ء میں شکل دکھلائی۔ ابھی لنڈن کی آبادی اس زمانے کی آبادی کے مقابلہ میں ½ تھی۔ مگر پھر بھی ایک لاکھ آدمی عدم کو سدھارے۔ اور وبا شہر ہی تک محدود نہ رہی بلکہ دیہات بھی اسکی لپیٹ میں آگئے۔ گو بہت سے آدمی مریضوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر پھر بھی بہت سے شریف خیال اور عالی حوصلہ رہ گئے۔ ان میں سے ایک شخص مارٹن نیو پارک کا بشپ تھا۔ اسکو اپنا مطلق خیال نہ تھا بلکہ اپنے بھائی بنی آدم کا۔ ایک ہسپتال غربا کے آرام کیواسطے

تعمیر ہوا - یہ اپنے خراب خستہ مکانوں سے نکال کر اسمیں رکھے گئے اور اچھی طرح یہاں انکا علاج معالجہ ہوا - اور گو ان کیواسطے تیمار دار ملنا مشکل تھا مگر شب یہاں موجود رہتا - یہ سپاہی کی طرح اپنے فرض پہ ثابت قدم رہا - جب ہسپتال میں خوراک کی قلت ہوتی تو یہ اپنے گاؤں میں اپنے مزرعہ پر جاتا اور گیہوں کے تھیلے گھوڑوں پر لاد کر لاتا - اور یہاں تک کہ اگر کوئی خطرناک مریض ہوتا تو اسمیں بجز اپنے اور اپنے نوکروں کی شمولیت کے کسیکا ہرگز رہنا اور نہ ہوتا - علاوہ اسکے یہ خود ہی گھوڑوں کو کستا اور کھولتا - اور مکان کی پشت پر جو دروازہ تھا اسی سے نکلتا اور اسی سے اندر آتا تاکہ اور لوگوں میں ملنے جلنے سے انمیں نہ اسکی صحبت وبا کا اثر پہنچ جائے - یہ شب پہ ایک خود نگار - فیاض - عالیحوصلہ - کشادہ دل اور نیک بخت تھا اسکی تمام عمر خدا ترسی اور نفع خلائق میں گزری ؛

لنڈن سے سٹھ ہیم اور اقویست سے ڈاکٹر فرار ہو گئے - مگر بہت سے رحمدل و شریف اشخاص باقی رہ گئے - ان میں سے ایک ڈاکٹر ہاجس تھا جو اپنے فرض پر ثابت قدم تھا - یہ لگاتار مریضوں کی خدمت میں مصروف رہا - اسکو بجز اپنی ضمیر منیرہ کی رضامندی اور خوشنودی کے اور کوئی اس ایثار یہ شفقت سے نفع نہ حاصل ہوا بیچارے کا بال بال مقروض ہو گیا - لڈگیٹ کے حوالات میں رہنا نصیب ہوا - اور آخر کار ۱۶۸۸ء میں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا ؛

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لنڈن سے ہیضہ کی ہوا دیہات میں بھی پہونچی - ابتک بعض دور دراز دیہات میں ایسی جگہ ملتی ہیں جہاں بقول یہاں کے باشندوں کے "انہوں نے ہیضے کو دفن کر دیا ہے" مثلاً ایام کے موضع میں لنڈن سے ایک بقچہ کپڑوں کا ایک درزی کے نام آیا - ابھی یہ بیچارہ ان کو چھوتا ہی سے رہا تھا کہ وبا نے آدبایا اور چوتھے روز چل بسا - وبا پھیل گئی - یہاں کے باشندے جو کل تعداد میں ۳۵۰ تھے گاؤں چھوڑ کر بھاگنے پر آمادہ ہوئے - مگر پادری ولیم ماپمپسن نے اپنی بہادری سے ان کو اس بیہودہ حرکت سے باز رکھا - اس نے ان کو سمجھایا کہ ان کے وسیلے سے وبا دور دور پھیل جائے گی - اور اسی وجہ سے انھوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ؛

مسٹر ماپمپسن نے ارادہ کیا کہ موضع کو ایک طور پر بند کر دے یعنی باہر سے لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جائے تاکہ مضافات اس آسمانی قہر سے محفوظ رہے - ارل آف ڈیون شائر نے حتی الوسع تمام ضروریات مہیا کیں یعنی خوراک - ادویات وغیرہ سب بہم پہونچائیں - اس خاطر کہ لوگ گرجا میں یکجا جمع نہوں - یہ کھلے میدان میں عبادت کراتا - اس نے ایک اونچا چٹان پسند کیا اور اسپر یہ کھڑا ہو جاتا لوگ اسکے سامنے نشیب میں بیٹھ جاتے اور اسکا کلام سنتے ؛

سات ماہ تک موت کا خوب بازار گرم رہا۔ معبدوں میں دن بدن لوگ کم ہوتے گئے۔ نیکبخت پادری
روزمرہ اپنی بیوی کے ہمراہ مریضوں کے مکان پر جاتا۔ اُن کی خدمت کرتا اور اُن کو دوا دیتا۔ آخر کار
اسکی عورت کو ہیضہ نے آدبایا اور اپنی نازک اندامی اور جفاکشی کی وجہ سے بہت جلد جاں بحق ہوئی
جس وقت وہ دفن ہوئی اس کے شوہر نے آبدیدہ ہوکر اور اسکی خدمات کو یاد کرکے اسکی قبر پر کہا:۔
"وہ شخص بابرکت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمان پر اپنی جان تصدق کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی محنت
اور جفاکشی کے بعد آرام کرتے ہیں۔" پادری بھی مرنے پر کمربستہ تھا مگر اُمید نے اسے زندہ رکھا
کوئی ۵/۶ باشندے وبا کا شکار ہوئے۔ اور ایک پہاڑی پر دفن کیے گئے۔ ایک خط میں لکھتا ہے
"ہمارا موضع تو آجکل خاصہ قبرستان بن گیا ہے .... میرے گرجا میں ۷۶ خاندان
عبادت کو آتے تھے جن میں سے ۲۹۵ آدمی عدم کو سدھارے" مسٹر ماسپینس جو اپنی معمولی عمر طبعی
تک زندہ رہا۔ اسکو لنکن کے ڈین کا عہدہ ملنے لگا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس نے یہ قبول کیا کہ اپنے
ہمراہیوں کے ساتھ موضع میں رہے اور اپنی پیاری بیوی کی قبر پر۔ اسکا ۱۷۰۸ء میں انتقال ہوا٭
تعجب ہے کہ کوئی ۵۰ سال بعد کچھ مزدور اس جگہ کو کھود رہے تھے جہاں بقول دیہاتیوں کے "انہوں نے
ہیضہ دفن کیا تھا" کہ اتفاقاً ایک کپڑا یہاں سے نکلا جو غالباً کسی مردے کا تھا۔ کپڑے کا نکلنا کہ اسکی
زہریلی ہوا پھیلی اور ان کو تپ محرقہ نے آدبایا۔ تین مزدور ان میں سے فوت ہو گئے۔ اور اسکے علاوہ
موضع میں یہ ہوا پھیلی جہاں اس نے کوئی قریباً ۷۰ آدمیوں کا کام تمام کیا۔ یہ مرض ہیضے کا جانشین معلوم
ہوتا ہے جس سے کہ ہر سال ہزارہا بندگان خدا گور کا موہنہ دیکھتے ہیں ٭

مصنف کو ایک بار جب یہ لیڈز میں تھا تو کوئی ۳۰ سال گذرے تپ محرقہ کا پھیلنا یاد ہے۔ پہلے تو یہ
مرض غرباء میں پھیلی اور پھر اُمراء میں اس نے زور پکڑا۔ ایک احاطہ میں مکانوں کے ۴۸ آدمی بیمار تھے جنمیں
سے تین کے پاس بستر تک نہ تھا۔ اور علیٰ ہذا القیاس یہی حال اَور محلوں اور مکانوں میں تھا۔ ایک مکان میں
۱۲ آدمی رہتے تھے۔ اور سب اس مہلک مرض میں مبتلا تھے۔ یہاں جو بڑے بڑے ہسپتال تھے
ان میں مریضوں کی کثرت سے تل رکھنے کو بھی جگہ نہ تھی۔ اسواسطے ایک چوبی عارضی ہسپتال مریضوں
کے آرام کیواسطے بنانا پڑا ٭

ڈاکٹر ہنک لیٹ زکاوکار اور ڈپٹی جی ہلمس روزمرہ ان مقامات پر آتے۔ اور جہاں تک ان کا
بس چلتا مریضوں کی خدمت اور علاج کرتے۔ اسکے علاوہ جو کیتھلک پادری تھے وہ ہمہ تن اس قسم کے
کار خیر میں مصروف تھے۔ یہاں پر ایسے مکان بھی تھے جن میں کثرت سے زہریلی ہوا بھری تھی اور

جہاں کہ سانس لینا فوری موت تھی - مگر یہ بے کھٹکے دل سخت ہو کر ان میں چلے جاتے - ہر وقت یا تو قریب المرگ اشخاص کے پاس جاتے یا تو مریضوں کے پاس - کوئی خطرہ اور آفت ان کی مستقل دلی کا منہ نہ پھیر سکی - ان کو موت کی شکل سامنے نظر آ رہی تھی - مگر ان کے دل میں ایک شمہ خوف کو بھی جگہ نہ ملتی تھی آخر کار یہ مہلک اِن سے بھی چھو گئی اور یکے بعد دیگرے یہ جان بحق ہوئے - سب سے پہلے پادری وا سلے کا انتقال ہوا - اسکے بعد اسکے ماتحت کا اور پھر اسطرح ہر ایک کی باری آ گئی - اور گو اسطرح جلدی جلدی یہ موت کا شکار ہو رہے تھے - مگر ان کے بعد اِن کے جانشین بلا کسی خوف و خطر کے تحمل کھڑے ہوتے - مگر اِن بیچاروں نے بھی گور کا راستہ لیا - اسپر ایک یادگار اِن کی بنائی گئی جسپر کندہ کرایا گیا "وہ لوگ جو اپنے مقدس فرائض کی بجا آوری میں ۱۸۴۷ء میں بخار سے فوت ہوئے" ؛

اسکے علاوہ ایک گرجا کا افسر بھی مرا - ایک اَور بھلا مانس جو تقوے اور پرہیزگاری کا بہت حامی تھا کوچ کر گیا - شہر کے دو ڈاکٹر بھی بیمار پڑے جنمیں سے ایک کا انتقال ہو گیا - غرض کُل ۴۰۰ - آدمی فوت ہو گئے - ڈاکٹر اور طبیب خواہ مرض کیسا ہی بیرحم ہو ہمیشہ مریضوں کے ساتھ رہتے ہیں - یہ لوگ ہر صورت سے موت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتے ہیں - اور خفیف سے بھی صلہ کی اُمید دل میں نہیں ہوتی - جہاں بلا وہاں موجود - اپنے فرض کی بجا آوری سے ذرا بھی نہیں جھجکتے اور بعض اوقات تو کوئی اِن کا شکریہ تک بھی نہیں ادا کرتا - یہ محنت اور مشقت - جانفشانی اور عرقریزی کے دامنگیر رہتے ہیں - یہاں تک کہ ان کی صحت متنزل اور دل بیمار ہونے لگتے ہیں - اور پھر جب مرض بجوبی ان کو اپنے پنجے میں پکڑ لیتا ہے یہ عدم کا راستہ لیتا ہے - ایسے شجاع چُپ چاپ سکوت میں عمر بسر کر جاتے ہیں - اور شہرت کبھی اِن تک پہونچنے بھی نہیں پاتی - مگر اصل یہ ہے کہ سب سے بڑے شجاع دنیا کے وہ ہیں جن کا عمومیت سے جہان کو علم بھی نہیں ؛

ڈاکٹر میدانِ جنگ میں بھی اپنا فرض بجا لاتے ہیں اور مکانوں میں بھی - یہ لوگ گولیوں کی بوچھاڑ میں گئے ہیں اور زخمی سپاہیوں کو معالجہ کے واسطے اُٹھا لائے ہیں - اس طور پر فرانسیسی ڈاکٹر لاری پورا پورا شجاع تھا - جب نپولین کا لشکر ماسکو سے مراجعت کر رہا تھا اس نے در اصل گولیوں کی بوچھاڑ میں اپنا فرض ادا کیا - ایک اَور مقام پر مصر کے جلتے ہوئے ریگستان میں اس ڈاکٹر نے بڑی ہمت اور دلیری کا اظہار کیا - انگریزوں کی لڑائی میں جو زخمی ہوئے ان میں جنرل سیلی بھی تھا جسکے زانو میں گولی لگی - ڈاکٹر نے دُور سے دیکھا اور یہ سوچا کہ اگر فی الفور اسکی ٹانگ نہ کاٹی گئی تو اسکا نتیجہ بہت مہلک ہوگا - فوراً اسکے پاس پہونچا - اور جنرل کی مرضی سے انگریزوں کی گولیوں کی بوچھاڑ میں اس نے ٹانگ کُل ۴ منٹ میں

کاٹ دی۔ مگر انگریزی سپاہ بڑھتا چلا آتا تھا۔ اور اس حالت کو دیکھکر ڈاکٹر اور جنرل دونوں نہایت مضطرب ہوئے لاری کی آتا ہے۔ ڈبٹن نے بمشکل تمام اتنی فرصت پائی کہ جنرل کو اٹھا کر فی الفور اپنے کاندھے پر رکھا اور بے تحاشا اپنی فوج کی طرف بھاگا۔ ہماری فوج بھی بھاگی جا رہی تھی۔ اور میں اس تک پہونچنا چاہتا تھا مجھکو آگے کئی ایک گڑھے نظر پڑے جن کو میں کود کر پھاندتا نکل گیا۔ اور انگریزوں کو مجبوراً چکر کھا کر آنا پڑا۔ غرض اس طرح میں آخرکار اپنی فوج تک پہونچ گیا۔ اور پھر اپنی فوج کے ساتھ میں اس معزز زخمی افسر کو لیکر سکندریہ میں آیا جہاں انکا اچھی طرح علاج کیا گیا ۔

اب ہم ایک اور شجاع کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ شخص ڈاکٹر سالسٹڈ وڈ ف لیس کرچن کا سیکس ملازم تھا۔ جنگ بگراہ میں ایک گولے سے اس کا پیر اڑ گیا۔ یہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ کہ اس نے چند قدم پر ہانشیر ڈی کرگ کو جو ہائیلینڈرز کا افسر تھا دیکھا ایک گولی کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اور اسکے زخم سے خون جاری ہو گیا۔ ڈاکٹر نے سوچا کہ اگر فی الفور کچھ علاج نہ کیا گیا تو یہ افسر بالضرور مر جائیگا۔ چنانچہ یہ سوچکر اس نے زمین پر رینگنا شروع کیا یہاں تک کہ افسر کے پاس پہونچ گیا۔ اور اسکا فوراً خون بند کیا اور اس طرح اسکی جان بچالی۔ مگر ڈی کرگ اس قابل بھی نہ تھا کہ اپنے محسن سے بغلگیر ہوتا۔ زخمی ڈاکٹر کو یہاں سے واپس لیگئے۔ مگر ایسا ضعیف و ناتوان ہو رہا تھا کہ چار روز بعد دنیا سے کوچ کر گیا ۔

فوج کے کوچ پر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ زخمی سپاہ کی آسایش کیواسطے گاڑیاں پیچھے رہتی ہیں۔ جب کوئی زخمی ہوتا ہے وہ ڈاکٹر کے پاس علاج کو بھیجا جاتا ہے۔ جب فوج بھاگتی ہے تو ڈاکٹروں اور زخمی سپاہیوں کو بھی بھاگنا پڑتا ہے ورنہ یہ قید ہو جائیں۔ جنگ الما کے موقع پر روسی بھاگے اور فرانسیسی اور انگریزی فوج نے ان کا تعاقب کیا مگر اتفاقاً بہت سے زخمی روسی پیچھے رہ گئے۔ کئی سو روسی میدان جنگ کے مشرقی حصے میں لائے گئے جہاں پر لب دریا ایک سایہ دار مقام پر رکھے گئے ۔

خوش نصیبی سے یہاں ایک ڈاکٹر بھی موجود تھا جس کے فرض اور دفتر کے باعث کو قوی مرضی۔ انتھک ہمت۔ اور اس انصاف اور پرہیزگاری کے اعلٰے درجہ سے معاونت پہنچتی تھی جو شاذ و نادر ہی کسی میں عملی طور پر موجود ہوتا ہے۔ یہ شخص ڈاکٹر **ٹامپسن** ۴۴ ویں رجمنٹ کا تھا۔ گو روسیوں نے تمام دیہات جلا دیئے تھے۔ مگر پھر بھی اسکو ۴۰۰ پونڈ بسکٹ اور جس قدر آدمی درکار تھے دستیاب ہو گئے۔ اس نے فی الفور زخمی سپاہیوں کو کھانا دیا کیونکہ چوبیس گھنٹے سے ایک دانہ بھی ان کو نصیب ہوا تھا۔ اسکے بعد ان کے علاج میں مصروف ہوا چنانچہ اس کام میں اسکو سات بجے صبح سے ساڑھے گیارہ بجے رات تک مطلق فرصت نہ ہوئی ۔

اس عرصے میں جس قدر انگریز زخمی تھے سب جہاز پر سوار کرا کر روانہ کرنے کے واسطے تو پاٹوریا کو بھیجے گئے اور اب ڈاکٹر ٹامپسن اور اسکا خدمتگار زخمی روسیوں میں رہ گئے۔ یہ تین شبانہ روز تک یہاں تنہا دن کی چلچلاتی دھوپ اور رات کی بشدت سردی میں رہے۔ آخر کار روسیوں کو رخصت کرنے اور صلح کا نشان دیکر روسی بندرگاہ پر روانہ کرنے کا وقت آ گیا۔ مسٹر کنگ لیک کہتے ہیں" جب آخر کار ۲۹ تاریخ کی صبح کو البین جہاز کے کپتان لوشنگٹن اتر آئے اور انہوں نے اپنے دو ہموطنوں کو اپنے مصیبت ناک فرض پر معین پایا تو ان کی بردباری اور اس ہمدردی پر عش عش کرتے رہ گئے جسکی خاطر انہوں نے تکلیف برداشت کی تھی" ٭

اسی طور پر **ڈاکٹر** کے جو بغاوت ہند میں بنارس کے ہسپتال کے ڈاکٹر تھے اپنی جان ہتیلی پر رکھکر اپنی خدمت پر قائم رہے۔ کیونکہ دشمن کی فوج انکا اور نیز ان کے مریضوں کا کام تمام کرنے کو بڑھتی چلی آتی تھی۔ ہر ایک شخص کو کانپور کا خوفناک ہنگامہ یاد ہوگا جہاں ایک ایک مرد۔ ایک ایک عورت اور ایک ایک بچہ تہ تیغ کر دیئے گئے مگر تاہم انگریز باغی سپاہ کی شمع سحری کے مقابلہ میں انجام تک ثابت قدم رہے۔ **مسٹر کالیر** ساکن نیو یارک کہتے ہیں "۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ کوئی شخص جیسا کہ قاعدہ ہے مذہب کیطرف بہ نسبت ایک عام سپاہی کے زیادہ تہیدست ہو۔ اس بیچارے کو اپنی تمام عمر میں اس کا کچھ خیال ہی رکھنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی واسطے اسمیں اسکا خیال ہوتا بھی کم ہے۔ مگر بغاوت سپاہیان ہندوستانی کے زمانے سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ بہت سے انگریزی فوج کے سپاہیوں سے کہا گیا کہ یہ عیسائیت کو ترک کردیں اور باغیوں کا مذہب اختیار کرلیں۔ ورنہ نہایت سنگدلی اور بیرحمی سے قتل کیئے جائینگے۔ لوگوں کو یقین ہے کہ یہ سب کے سب مر گئے۔ چنانچہ اب تک کوئی شہادت ایسی ہاتھ نہیں آئی کہ کوئی عام سپاہی اپنے مذہب سے منحرف ہو گیا ہو۔ ہر ایک سپاہی عیسائیت پر ایسا ثابت قدم تھا کہ نہ تو کوئی ہتیار اسکی دل کی مردانگی کو زائل کر سکتا تھا اور نہ اسکے جوش کو کم کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس طرح جہاں خوبی قریباً مفقود ہو وہاں مردانگی ہو سکتی ہے۔ ورنہ خوبی سے مراد تو وہ برتری یعنی بے لوث اور مقدس زندگی اور دیانت سے مذہب کی پابندی "۔

اب ہم دو اور افسروں کے ایثار کا حال بیان کرتے ہیں۔ یہ دونوں افسر ۳۲ ویں رجمنٹ کے ملتان میں تھے جہاں حال ہی میں ہیضہ پھوٹا تھا۔ عورتوں کی عدم موجودگی میں یہ مریضوں کی تیمارداری کرتے اور قریب المرگ اشخاص کے شریک امداد ہوتے۔ غرض اس طرح یہ وبائی ہسپتال میں دن رات مشغول رہتے۔ **کارپورل ڈربی شائر** اپنی جانفشانی اور تکان کے باعث جلد بسے مگر ان کی جگہ ایک دوسرا کھڑا ہو گیا یعنی

دوسرے افسر کارپورل ٹاپ نے بخوشی ٹوپا کے ہسپتال میں مریضوں کی خدمتگذاری قبول کی۔ اور یہاں اسکو محکمہ جنگی اور ڈاکٹری دونوں کے افسروں کی خوشنودی حاصل ہوئی۔ یہ دونوں ڈاکٹر اپنی اپنی جگہ مستعد رہتے اور ہر لحظہ ان کو موت کا سامنا رہتا۔ جس وقت کمانڈر انچیف ملتان میں آیا۔ اس نے علانیہ طور پر ڈبلی شائیر اور ٹاپر کا ان کے ہمراہیوں کے سامنے شکریہ ادا کیا۔

مگر بعض اوقات اسی قسم کی صفات حمیدہ گولوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ۱۸۱۲ء میں جب فرانسیسیوں نے کیڈز کا محاصرہ کیا۔ مرد اور عورتیں بازاروں اور مکانوں میں نہایت سنگدلی سے قتل ہوئیں۔ جس وقت دشمن کا ایک گولہ چلتا شہر کے بڑے گھنٹے کی ایک آواز سے ہی اسیدم تمام اہل شہر ہوشیار اور خبردار ہوجاتے۔ ایک روز ایک گولہ چلا اور اسپر گھنٹہ بجا۔ مگر یہ گولہ گھنٹے کو آکر لگا جس سے کئی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ مگر جو راہب گھنٹہ بجانے پر معین تھا چپ چاپ نہایت اطمینان سے گیا۔ اور دوسرا گھنٹہ بجایا۔ اور اس طرح اس نیکبخت نے موت کے خوف پر غلبہ پایا۔

مگر اسی محاصرے کے دوران میں ایک عورت نے اپنی جان سے بڑی بہادری کا کام کیا۔ ماٹاگورڈا شہر کے باہر ایک قلعہ تھا کہ جسمیں خندق تھی اور نہ گولوں سے بچنے کا کوئی سامان تھا۔ اسمیں ۱۴۰ انگریزی سپاہ فرانسیسیوں کے مقابلہ کو تعینات تھی۔ سپین کا ایک چھوٹا سا جنگی جہاز بھی اس محاصرے میں فرانسیسیوں کے مقابلہ پر تھا۔ مگر اسپر ایک گولوں کی باڑھ ایسی پڑی کہ اسے بندرگاہ کیڈز میں پناہ لینے کیواسطے آنا پڑا۔ اسپر اس چھوٹے سے قلعہ پر ۴۸ توپوں کی مار ہونے لگی۔ ایک دم میں قلعہ کے تمام کنگرے ہوا کی طرح اڑ گئے۔ اور اب ننگی فصیل اور محصور سپاہ کے جانباز دل رہ گئے۔ غرض تیس گھنٹہ کامل یہ طوفان برپا رہا اور اب ہم ماٹاگورڈا کی اس بہادر عورت کا حال بیان کرتے ہیں۔

سارجنٹ کی عورت مسمی رٹسن نیچے تہ خانہ میں ایک زخمی سپاہی کی خدمت کر رہی تھی۔ مریض پیاسا تھا اور پانی مانگ رہا تھا۔ اس عورت نے ایک باجے والے لڑکے کو بلایا۔ اور کنوئیں پر جاکر پانی لانے کو کہا۔ مگر لڑکے نے پس و پیش کیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کنوئیں پر گولوں کی بوچھاڑ پڑ رہی تھی۔ عورت نے اسکے ہاتھ سے جھٹ ڈول لے لیا اور خود کنوئیں پر گئی۔ اس نے گولہ باری کا بہادری سے سامنا کیا۔ ڈول میں پانی بھرا۔ اور گو ایک گولی کے لگنے سے ڈول کی رسی اس کے ہاتھ سے کٹ گئی۔ مگر اس نے پھر اسے اٹھا لیا۔ اپنے مریض کے پاس پہونچی۔ اور اسطرح اپنا فرض بجا لائی۔

اس قلعہ پر بڑے زور و شور سے گولہ باری ہو رہی تھی۔ سپینیالوں کا جھنڈا چھ مرتبہ گولی کھاکر ٹوٹا مگر آخر کار سر ٹامس گرہم نے یہ دیکھکر کہ مقابلہ لاحاصل تھا بہت سی کشتیاں ان سپاہیوں کے لینے کیواسطے

بھیجیں جو زندہ بچے تھے میجر لفبرے کے حکم سے ایک برج اُڑا دیا گیا مگر یہ خود کام آئے - اور یہ آخری شخص تھے جن کے خون سے اس قلعہ کے کھنڈر سرخ ہوئے تھے - اسکے بعد سپاہی کشتیوں میں سوار ہوکر کیڈز کو واپس گئے - اور ان کی ہمراہ ماٹا گورڈا کی وہ بہادر عورت بھی گئی ؎

کیا کوئی فرد بشر یقین کرسکتا ہے کہ جنگ کے موقع پر عورتیں سپاہیوں کی تیمارداری کرسکتی ہیں؟ اور تاہم یہ اسکو نہایت بہادری اور شرافت سے سرانجام کرتی ہیں - قاعدہ تھا کہ جس پایہ کی لڑکیاں رکھی جاتی تھیں - اُسی پایہ کی عورتیں تیمارداری کے واسطے مقرر ہوتی تھیں - مگر جب سے مس نائٹنگیل نے اپنی شریفانہ تخصیص کے باعث جو اُسکو مریض اور زخمی سپاہیوں کیواسطے حاصل تھی - اس کام کو اپنے واسطے تواریخ میں معزز اور یادگار جگہ دی ہے - اسوقت سے لوگوں کی آنکھ کھلی کہ تیمارداری سیکھنے کے قابل ہے - اسمیں ذہانت - رضامندی - اور قابلیت - نیز سخاوت - الفت اور انس درکار ہے - مس نائٹنگیل کہتی ہیں "بیسیوں مرتبہ یہ لکھا گیا اور کہا گیا کہ عورت نہایت عمدہ تیماردار ہوسکتی ہے - مگر اسکے برعکس مجھکو یقین ہے کہ تیمارداری کے اسباب سے ابتک لوگ ناواقف ہیں" ؎

مگر کس طرح مس نائٹنگیل نے تیمارداری کا پیشہ اختیار کیا؟ صرف اُلفت اور فرض کے خیال سے - کیونکہ اسکو کچھ ضرورت نہ تھی کہ ایسے پرمشقت اور ناگوار کام کو اختیار کرتی - یہ ایک بڑی صاحب کمال اور صاحب ثروت تھی - یہ اپنے مکان میں آسودہ حال سب کی نظروں میں عزیز تھی اور ہر ایک کی زبان پر اسکی تعریف تھی - غرض جس قدر سامان اور ضروریات زندگی ہیں وہ اسکو دنیا بخوبی میسر تھے - مگر اس نے سب سے کنارہ کشی کی اور اس راہ پر چلنے کو ترجیح دی جو مصیبت اور رنج والم کو جاتا تھا - اسکو ایک طور پر اپنے ہمجنسوں کی تربیت سے نہایت محبت تھی - چنانچہ یہ مدرسوں میں تعلیم دیتی - غریبوں سے راہ و رسم رکھتی - اور جب بیمار ہوتے تو ان کو خوراک دیتی اور ان کی تیمارداری کرتی - گو یہ انگلستان کے ایک گوشہ میں یعنی ہیمپشائر کے قصبہ ایمبلے میں رہتی تھی - مگر انسان تنگی اور وسعت دونوں میں یکساں بہت کچھ نیکی کرسکتا ہے ؎

بانکی اور رنگیلی دنیا اس کے پیش نظر تھی اور جن مشغلوں میں قصبے کی اور نوخیز عورتیں پھنسی ہوئی تھیں یہ بھی ان میں شریک ہوسکتی تھی - مگر اس کا دل ایسے کسی اور ہی طرف کھینچ رہا تھا - اسکو مصیبت زدوں - گردش ایام کے شکاروں اور زمانے کے ہاتھ سے پائمال آدمیوں میں لطف حاصل ہوتا - یہ ہسپتالوں - قیدخانوں اور اصلاحی مدرسوں میں جایا کرتی - جب اور سب یا تو اپنے تیوہار سوئٹزرلنڈ - سکاٹ لنڈ یا ساحل بحر پہ بسر کرتے جرمن کے مدرسہ تیمارداری یا ہسپتال میں اپنا وقت صرف کرتی - اس نے ابتدا سے تعلیم شروع کی یعنی پہلے اس نے جب تیمارداری کے قواعد سیکھے تو کپڑا دھونا - بستر صاف کرنا وغیرہ سیکھا تین ماہ

تک یہ برابر شب و روز مریضوں کی خدمت کرتی رہی - اور اسطرح ہسپتال کے تمام فرائض اور مشقتوں میں اس نے تجربہ بخوبی حاصل کر لیا ؂

مس نائٹنگیل جب انگلستان کو واپس آئی اس نے اپنی محنتوں کو ہاتھ سے نہ دیا - ایک ہسپتال عمدہ انتظام نہ ہونے کے باعث ٹوٹنے کو تھا کہ اسکی نگرانی اس نے اپنے ذمہ لے لی - اس نے اپنے گھر کی اُلفت اور کھلے میدانوں کی تازہ ہوا سے کنارہ کیا - اور اُس ہسپتال کی خاطر اپنا وقت وقف کر دیا جسمیں یہ مدد دیتی اور مریضوں کی تیمارداری کرتی - اور گو ہسپتال ٹوٹنے سے بچ گیا مگر اسکی صحت بوجہ یادتی کاروبار کے متنزل ہونے لگی - چنانچہ اس نے کچھ عرصے کیواسطے ہمپشائر کی طرح نسیم سحری کا راستہ لیا ؂

مگر امداد کیواسطے ایک نئی صدا بلند ہوئی - جنگ کریمیا اس وقت شروع تھی - اور ہوشیار تیماردار عورتوں کی بہت کچھ ضرورت تھی - زخمی سپاہی باسفورس کے ہسپتالوں میں قریباً لاپرواہی اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے - مس نائٹنگیل نے اپنی شریفانہ تحریک کی متابعت کی اور فی الفور یہ ان کی معاونت کو پہونچی - ایک جہاز سقوطری کو جاتا تھا - یہ اسپر سوار ہو گئی - یہ اسوقت اپنی جان ہتیلی پر رکھے ہوئے تکالیف - خطرات اور ہر قسم کے خوف میں جا رہی تھی لیکن کون شخص ہے جو جان جانے کا خیال کرتا ہے - جب فرض اسے تحریک کرتا ہے کہ وہ اپنے دل کو بہادر بنائے ؟ مس نائٹنگیل سے جو فہمائش ہوئی اس نے پوری کی - یہ انسانی مصائب کے اندر گئی - اس نے زخمی سپاہیوں اور جہازرانوں کی تیمارداری کی - تیمارداری کا طریق ترتیب کیا - اور اسکا اہتمام و انتظام اپنے ذمہ لیا ؂

اس انگریزی عورت کی صابر خبر گیری اور نگرانی سے زخمی سپاہیوں کو ناممکن البیان آرام و آسائش نصیب ہوئی - جس وقت جہازران اسکو اپنے بستر کے پاس رات کو دیکھتے اسکے واسطے خدا سے برکت کے خواستگار ہوتے - یہ اسکا نام جانتے تھے - اور اسلیے صرف "**ملکہ فانوس**" کے نام سے یاد کرتے تھے ؂

"مجروح سپاہی سو رہا ہے - اپنے گھر اور بال بچوں سے دور - اسکے دشمن اسکے قریب ہیں - مگر بیکسی اور حسرت اسپر برس رہی ہے - نہ کوئی مددگار ہے نہ معاون - نہ دوست ہے نہ رفیق - لاچاری سے ایک بیکسی اسپر چھائی ہوئی ہے - مگر یہ کون ہے جو اسپر اسطرح شفقت اور ہمدردی سے جھکا ہوا ہے ؟ خدا کا کوئی فرشتہ ہے ؟ نہیں - انسان ہے مگر ملکوتی صفت - (**مس نائیٹگل**)" ؂

یہی نہیں بلکہ سپاہی اسکی پرستش کرتے تھے - ان کی زبان سے کبھی کوئی ایسا ناشایستہ اور خلاف تہذیب لفظ نہ نکلتا جس سے اسکو کچھ آزردگی یا ناراضگی پہونچتی - جب کبھی کسی زخم کے چیرنے پھاڑنے یا کوئی عضو کاٹنے کی ضرورت پیش آتی تو یہ بغیر کچھ کہے اسکی جانکنی کو برداشت کر لیتے - اور جہاں تک ان سے ہو سکا انہوں نے اسکی نصیحت اور تمثیل کی پیروی کرنا چاہی - اور اسکی پوچھو تو یہ بھی بجائے خود عام سپاہیوں کی الفت میں

ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ صرف ان کے ذاتی آرام و آسائش کی خبر گیری نہ کرتی بلکہ انگلنڈ۔ آئرلنڈ اور دور دراز سکاٹلنڈ تک میں بھی جہاں جہاں ان کے عزیز و آشنا ہوتے وہاں ان سے خط و کتابت کرتی۔ یا ان کا روپیہ بچا کر اپنے پاس رکھتی۔ اور ہر سنیچر کی سہ پہر کو اسکا یہ کام ہوتا کہ ان کی کمائی ان کے عزیز و اقارب کو انکے وطن میں روانہ کرتی۔ سبحان اللہ! سپاہی اسکے کیسے مشکور تھے! اور اسکو ان کا کسقدر خیال تھا!

یکھتی ہے "سادہ دلیری۔ متحمل قناعت۔ نیک فہمی اور چپ چاپ مصیبت اور تکلیف کا برداشت کرنا۔ یہ چیزیں ہیں جو کوئی قوم ہے کہ اپنے عام سپاہی سے بڑھکر میدان جنگ میں دکھلا سکے؟ لوگ جو چاہیں کہیں۔ وہ شخص جو اپنا وقت۔ اپنی طاقت۔ اگر ضرورت ہو تو اپنی جان دیتا ہے۔ اپنے واسطے نہیں بلکہ اسکے واسطے جو خواہ اسکی ملکہ ہو۔ اس کا ملک ہو۔ یا اسکی فوج ہو۔ اس شخص سے کسقدر بڑھکر ہے۔ جو عبادت روزہ رکھتا ہے۔ حد درجہ کا انکسار ہمیں پایا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی گناہ یا خطا سرزد ہوئی ہے تو اسکا صاف صاف مقر ہے۔ اور یہ امر کہ کوئی شخص اپنی جان دیدے اور اسکو تصدق نہ کہے۔ فی الحقیقت بجز انگلستان کے اور کہیں نہیں ملتا" لہذا ہم ایک ادنٰے سے ادنٰے درجہ کے سپاہی کی زندگی سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں ✤

مس سٹینلے۔ مس نائٹنگیل کے پیچھے کریمیا کو روانہ ہوئی۔ ۵۰ تیماردار عورتوں کی ایک جماعت اسکے ماتحت تھی۔ یہ ان کو قسطنطنیہ لیگئی اور ۴ مہینے تک روم میں ہی۔ اس اثنا میں یہ تھراپیا کے بحری ہسپتال اور بعد میں کولالی کے جنگی ہسپتال میں مدد دیتی رہی۔ جب انکرمان سے زخمی سپاہی آئے اور اس نے دیکھا تو اپنے ایک دوست کو انگلستان میں حسب ذیل لکھا: "میں نہیں جانتی کہ کون سا نظارہ زیادہ دردناک ہے۔ آیا اس شخص کو دیکھنا جو توانا اور تندرست مگر اب گھل گیا اور جسپر موت کا عمل ہو چلا ہے۔ یا ان کو دیکھنا جو نہایت خوفناک طور پر زخمی ہوئے چلے آرہے ہیں۔ کل تمام دن میرا تو شکوں کے جوڑنے پھر ان کو دھونے اور زخموں کی مرہم پٹی کرنے میں ڈاکٹروں کو مدد دینے میں صرف ہوا۔ اور اپنے ہمجنس بنی آدم کو ۵ روز تک جہاز پر غفلت میں پڑے رہنے کے بعد آج اس حالت میں دیکھکر مجھکو کسقدر نفرت ہوئی۔ مریضوں کی گیارہ بارکیں میری نگرانی میں کی گئیں۔ جنمیں سے گیارہ آدمی جو رات آئے اسی رات مر گئے اور وجہ اسکی یہ ہوئی کہ یہ حد درجہ کے ضعیف اور کمزور تھے اور زخموں نے ان کا بخوبی کام تمام کر دیا تھا مگر میں نہایت انکساری سے کہتی ہوں کہ اگر میرے ہاتھ یہ لگتے۔ اور میں حسب ضرورت ان کی خبرگیری اور نگرانی کرتی۔ تو ہرگز ان میں سے ایک بھی نہ مرتا" جب مس سٹینلے انگلستان کو واپس آئی۔ اس نے سپاہیوں کی بیوہ عورتوں اور بیویوں کی نفع رسانی کا کام شروع کیا یعنی اس نے پارک سٹریٹ میں

ایک مکان خریدا اور یہاں کپڑے دھونے کا کارخانہ کھولا اس نے گورنمنٹ سے فوج کے کپڑوں کا ٹھیکہ لیا۔ اور اسطرح بیبس عورتوں کیواسطے اس نے نوکری کی قلت کو دور کردیا۔ اس نے نہایت ہمت سے خود کو لنڈن کی غریب عورتوں کی امداد اور تیمارداری میں مصروف کیا۔ یہ ایک ایسے مقام پر تھی جہاں بجائے ایک خدمت کے دس ہزار خدمت کی ضرورت تھی۔ مگر نیک بخت اور صادق عورت اسی کام کو اختیار کرتی ہے جو اسکے قریب ہو۔ یہ روزمرہ اپنا وقت دوسروں کی خدمت میں صرف کر دیتی۔ اور فی الحقیقت یہ ایثار مجسم تھی۔ اسکا کچھ مضائقہ نہیں کہ آیا اسکو خوشنودی عام کا ہار ملا یا نہیں بعض کو جنھوں نے اسکے قدم بقدم چلنے کی خواہش کی کہا: "ڈاکٹر ارنالڈ کو کبھی نہ بھولو۔ میں اس کے رسالہ کے آخری الفاظ ہر روز دُہرایا کرتی ہوں۔ مجھکو خدا کی رضی پر محنت کرنے دو ورنہ یہ نہ ہو کہ میں اس امر کا مشتاق رہوں کہ بجائے میرے کوئی اور کرے اگر خداوند تعالے کی رضی اسے کرانے کی ہے"۔

نیک تمثیل سے نیک فوائد ہی حاصل ہوتے ہیں۔ اور عورتیں بھی اسکے قدم بقدم چلیں۔ ان میں ایک مس فلارنس نیس بھی تھی جس نے کہ تیمارداری ہی نہ کی بلکہ دوسروں کو علمی تیمارداری کی تعلیم بھی دی۔ نہایت سخت تعجب ہے کہ کس طرح پہلے پہل نیک عملی کا شعلہ دل میں روشن ہو جاتا ہے۔ مس فلارنس کے بارے میں اسکی طبیعت بچپن میں اپنے بھائی کی موت سے بہت کچھ مؤثر ہوئی۔ یہ شخص شنگھائی کے بحری ہسپتال میں فوت ہوا تھا۔ اور اسکی بہن کو جب خیال آیا کہ چینی آدمیوں نے اسکی خدمت کی تھی تو اسکے دل میں بھی ولولہ پیدا ہوا کہ جیسے انھوں نے اسکے بھائی سے ایسا سلوک کیا تھا یہ بھی ان سے ایسا ہی سلوک کرے۔

یہ اُسوقت کا ذکر ہے جب یہ لڑکی تھی۔ اس نے بشپ آف ونچسٹر کی صلاح لی۔ مگر اس نے کہا کہ ابھی یہ اپنی کم سنی کے باعث ایسے کام کے لائق نہ تھی۔ "جب تک تمہارا دل پکا نہ ہو جائے اور تمہارا رنج والم فرو نہ ہو لے صبر کرو"۔ مگر اسکے دل میں استقلال اور ہمت بھری ہوئی تھی۔ اور مس نائٹنگیل اس کے دل کی شجاع تھی چنانچہ اس نے اسکا شروع لیا۔ اور بہت ہی محدود تصیعت اور امداد پائی۔ انجام کار تین سال بعد سینٹ ٹامس ہسپٹل میں داخل ہوئی۔ اور تیمارداری سیکھنا شروع کی۔ بعد ازاں کنگیس کالج ہسپٹل میں گئی جہاں اسکو نہایت بیش قیمت تجربہ حاصل ہوا۔ اور اپنے علم تیمارداری کی تکمیل کیواسطے اس نے کئی سال انگلنڈ۔ ڈنمارک۔ فرانس اور جرمنی میں بسر کیئے۔ جرمنی کے شہر کیسیرورتھ میں اس نے حسب دستور عملی تیمارداری سیکھی اور یہاں اسکو اسکی تحصیل کی ایک سند ملی۔ نائٹنگیل کو فرانس کے ہسپتالوں کے ڈائرکٹر جنرل کی مہربانی سے اسکو پیرس کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں کام کرنیکی اجازت مل گئی۔ یہ یہاں کیتھولک عورتوں کے تحت کام کرتی۔ اور گو ان کے اور اسکے مذہبی خیالات میں خلاف تھا مگر اس نے اس طرح ان کے ساتھ بکمال ہمدردی خوشی و خاطر کام کیا کہ ان کو بہت اطمینان حاصل ہوا۔

یہ عورتیں جو مہربانی اسپر کرتی تھیں وہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔ نسبت اس شخص کے جو ان کے خیالات مذہبی۔ مُلک اور طرز زندگی کے لحاظ سے غیر ہو اسپر یہ بہنوں سے کسیقدر بڑھکر شفقت کرتیں۔ علاوہ اس مشقی علم کے جو اسکو یہاں حاصل ہوا۔ اس نے ان سے مصائب میں بآرام خوشی و خرمی کا سبق پڑھا۔ اُمید اور اعتقاد خدائے قادر مطلق کی ذات میں اس کے ذہن نشین ہوا۔ اسکو تعلیم ملی کہ اُسوقت بھی جبکہ تمام زمانہ انسان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو۔ اور دل میں یاس اور نا اُمیدی کا دخل ہونے لگے۔ ہمکو اُسی ذات پاک پر اپنا تکیہ کرنا چاہیئے۔ یہاں اس نے یہ بھی سیکھا کہ اُن لوگوں کیواسطے مریضوں کی تیمارداری اور خدمت نیکی کی بھری ہوئی شادمانی تھی جو اس کام میں مصروف ہوتے تھے۔

مس لیس کو اپنی آخری اور نہایت بیش قیمت تعلیم جنرل لیموف فرانسیسی وزیر جنگ کی مہربانی سے ملی تھی۔ اس شخص کی بدولت فرانسیسی جنگی ہسپتال میں مشق کرنے کی اجازت مل گئی اور تعلیم میشل لیوی ڈائرکٹر جنرل کی عنایت کے باعث دوگنی مفید ثابت ہوئی۔ یہ ڈائرکٹر جنرل بقول شخصے مس نائٹنگیل کا کریمیا میں "ہمراہی" تھا۔ اور مس نائٹنگیل کی ہی طرح اس نے مس لیس کی ان تعلیموں اور مشقوں تک دسترس کرا دی جو کسی فرانسیسی تیماردار عورت کو نصیب ہونا ممکن تھیں جو عملی تعلیم اسکو مانشیر میشل لیوی کی بدولت ملی وہ اسکو اپنے جیتے جی نہ بھولی۔

ابھی یہ ایک عرصہ دراز تک تیمارداری کی مشق بہم پہونچا کر انگلستان کو واپس آئی ہی تھی کہ فرانس اور جرمنی میں لڑائی چھڑ گئی۔ اخبارات ان خونخوار مقابلوں کے نتائج سے سیاہ ہوتے تھے۔ فاتح فوج آگے دھاوا کرکے بڑھ جاتی تھی اور زخمی موت کے بس میں چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں کھلے میدان میں پڑے رہتے۔ نہ کوئی ان کی خبر لیتا نہ ان پر ترس کھاتا۔ اس تیماردار کے دل میں ہمدردی اور ترس کا شعلہ مشتعل ہو گیا۔ چنانچہ یہ فی الفور جرمنی کو روانہ ہوئی۔ تین جرمن لیڈیاں اسکے ہمراہ تھیں مگر انہوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ یہ بلجیم سے ہوکر کلون پہونچی جہاں اس نے ریلوے اسٹیشن کے چبوترے پر زخمی سپاہیوں کی قطاروں کی قطاریں پڑی ہوئی دیکھیں۔ یہاں سے یہ کابلنٹز کو گئی۔ وہاں سے ٹروز کو اور پھر میٹز کو جہاں یہ قیام کرنے کو تھی۔ جب یہ آگبوٹ سے اتری تو سفر آگے نہایت سخت تھا۔ اور اسپر طرہ یہ ہوا کہ اسکا سامان سفر جو ہمراہ لائی تھی جاتا رہا۔ اور اب یہ تنہا رہ گئی۔

مارشل بزین میٹز میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اسکے ہمراہ فرانسیسیوں کی ایک فوج کثیر تھی اور پرنس فریڈرک جرمنی اور بویرین فوج سے شہر کا محاصرہ کیئے ہوئے تھا۔ مس لیس پرنس کی فوج کے عقب میں ایک ہسپتال میں تعینات ہوئی۔ یہ ایک مزرعہ کے متعلق مکان تھا اور جسمیں کسی طرح بھی پوری پوری آرام آسائش نہ تھی

خود تیمار دار کو ایک تھیلے پر جسمیں بھس بھرا تھا سونا پڑتا تھا - اور علاوہ اسکے دوا کی کمی اور خوراک کی قلت تھی بڑی بیماری یہاں تپ محرقہ کی تھی - جو کہ زیادہ تر خندقوں کی نمی کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی - اس ہسپتال میں کل ۲۲ پلنگ مریضوں کیواسطے تھے - اور یہ بھی ہمیشہ بھرے رہتے تھے ؞

میدان جنگ کے ہسپتال میں جو تیمار داری ہوتی ہے اسکے واسطے کچھ سہل کام نہیں ہوتا - جب پہلے پہل بخار سے مرتے ہوئے مریض آتے تھے تو ان کو نہانا اور صاف کرنا ہوتا تھا جب یہ خندقوں سے آتے تو ان کے پیر ایسے کیچڑ اور غلاظت میں بھرے ہوتے کہ دھونے سے پیشتر ان کو پونچھنے کی ضرورت پیش آتی جب تھا دھو کر صاف کیئے جاتے تو پلنگ پر لٹا کر ان کا علاج شروع ہوتا - ان کے موہنہ دھونے کی ضرورت پڑتی - ان کی جسمانی صفائی کا خیال رکھنا پڑتا - بدخوابی و نیند میں غفلت کو روکنے کے واسطے ان کے سردی سے بچانا پڑتے - ان کے ہاتھ پیر دھونے ہوتے - اور بستر کی خراش سے زخم کو دور رکھنے کے واسطے بستروں کی تبدیلی کا خیال رکھنا پڑتا - اور پھر ان سب کاموں میں نہایت جانفشانی اور عرقریزی درکار تھی ؞

بعض اوقات یہ لوگ نہایت خطرناک طور پر غافل ہو جاتے مس لیس نے خود اپنی زبانی اپنی کہانی میٹنر میں سنائی ہے - ایک رات ایسی ہسپتال میں تنہا تھی - اس نے اوپر کی منزل میں کچھ شور سنا - اسنے اوپر پہونچکر دیکھا کہ ایک سپاہی غافل اور مخبوط الحواس دروازہ کھولنے کے لیئے زور لگا رہا ہے - اسکی زبانی معلوم ہوا کہ یہ اپنے گھر جانا چاہتا تھا اس نے دوسرے مریض کو اپنی مدد کیواسطے بلایا اور اسکی تسلی کر کے کہ یہ صبح گھر بھیجدیا جائیگا اسے اسکے بستر پر پھر لٹایا - نیچے کی منزل میں ایک اور سپاہی مخبوط الحواس اپنے ایک ہمراہی کے تکیہ کے نیچے چاقو ڈھونڈھ رہا تھا مس لیس نے فی الفور یہ چاقو یہاں سے نکال لیا اور اسے کسی پوشیدہ جگہ چھپا دیا مگر جب ڈاکٹر آیا اس نے اس سے التجا کی کہ آئندہ یہ رات کو ہسپتال میں تنہا نہ رکھی جائے ؞

مس لیس اس ہسپتال میں کچھ عرصے تک کام کرتی رہی - بہت سے مر گئے بعض کو آرام ہو گیا اور گھروں کو بھیجے گئے - اور کچھ اپنی اپنی نوکری پر گئے - آخرکار بیزین مطیع ہو گیا - اسکے قیدی جرمنی کو روانہ کیئے گئے اور شہزادے نے فوج کے ساتھ پیرس کے محاصرے کے واسطے کوچ کیا - اب سیڈن میں مس لیس کا کام ختم ہو چکا تھا - مگر ابھی اس کے خود اختیاری کام کا اختتام نہوا - یہ ریل پر سوار کرا کر ہامبرگ پہونچائی گئی - اور زخمی سپاہیوں کے ایک ہسپتال کا کام اسکے سپرد ہوا - یہ ہسپتال شہزادی پرشیا کے تحت تھا - یہاں پہنچتے ہی پہلی مشکل جس پر اسے غالب آنا تھا یہ تھی کہ عمدہ طور پر ہوا رسانی کا سامان کیا جائے - جرمن کے ڈاکٹر ہوا داری سے متنفر ہیں - مس لیس کوئی دریچہ کھولتی اور اسکی عدم موجودگی میں ڈاکٹر آتے اور اسے بند کرنے کا حکم دیتے - چنانچہ انجام کار اس نے شہزادی کو رپورٹ کی اور پھر اسے ہوا رسانی کا مناسب انتظام کرنیکا حکم مل گیا ؞

مس لیس کی تواریخ بیان کرنا لاحاصل ہے۔ جرمنی سے واپس آکر یہ کناڈا اور ریاست ہائے متحدہ کے سفر پر آمادہ ہوئی۔ تاکہ یہاں کے ہسپتالوں کا ملاحظہ کرے۔ یہ ارادہ اسکا ۱۸۷۳ء کے موسم سرما میں پورا ہو گیا اور جو کچھ یہ چاہتی تھی اس نے ہیلی فاکس۔ کیوبک۔ مانٹریل۔ ٹورونٹو۔ کلیولینڈ۔ نیویارک۔ بوسٹن۔ فلیڈلفیا۔ واشنگٹن میں دیکھا۔ حال میں مس لیس ویسٹمنسٹر کی مجلس تیمارداری کی ڈائرکٹرس مقرر ہوئی ہے۔ اور ابتک اپنے نیک کام پر مامور ہے ؎

بہت سی عورتیں خواہ جوان خواہ ضعیف اپنے کو ایسے کاموں میں وقف کر دیتی ہیں۔ یہ شہروں اور قصبوں کے محلوں اور گلیوں میں جاتی ہیں۔ اور ان کی مدد اور تیمارداری کرتی ہیں جو بیچارے قسمت کے مارے ہوتے ہیں جو وقت یہ اپنے برادر بنی نوع کی نفرت انگیز اور کمینی سی کمینی مصیبت میں انکی امداد کیواسطے اٹھ ڈالتی ہیں۔ ان کے ہاتھ کو کوئی دھبہ نہیں لگتا۔ کچھ ضرورت نہیں کہ ہم مسٹر واکر کا حال بیان کریں جس نے غریب اور مفلس لڑکیوں کی امداد کی اور مس آکٹیویا ہل مسٹر وکارس اور مس رانیس وغیرہ کا تذکرہ کریں۔ یہ ضروری ہے کہ ہم ان کو درجہ استثنے میں سمجھیں۔ اور اس امر کے مقر ہوں کہ ابتک دنیا میں بے یار و مددگار۔ گردش ایام کے مارے ہوئے۔ غریب و مفلس لوگ بے شمار بھرے پڑے ہیں جن کی کوئی معاونت نہیں کرتا ؎

عام طرز زندگی میں بہت کچھ بہادری ہے جو کبھی معلوم نہیں ہوئی۔ شاید امیروں سے بڑھکر غریبوں میں زیادہ بہادری ہے۔ کیونکہ آخر الذکر اپنے ہمسایوں سے زیادہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ ایک فقیر کا قول ہے کہ اسکو سب آدمیوں سے بڑھکر غریبوں کی لڑکیاں زیادہ پیسے دیتی تھیں۔ اور اصل یہ ہے کہ نیکی خواہ فقیری لباس میں ہو قابل ادب عزت ہے ؎

مسٹر ہیلپس کہتے ہیں بڑے لوگ بہادروں اور بہادری کے بارے کی باتیں کرتے ہیں۔ اور دنیا میں آخر الذکر کے اظہار کیواسطے ادنیٰ درجہ کی طرز زندگی میں بہت کچھ گنجایش ہے۔ اور بہت سے آول الذکر اشخاص دنیا میں آئے اور شریفانہ کام کر گئے۔ مگر لوگ ان سے انجان ہے۔ اعلے سے اعلے شریفوں کے حالات زندگی ہمیشہ ہی نہیں لکھے گئے۔ وہ شخص بڑے با عظمت اور شجاع گزرے ہیں جنہوں نے اپنے روزمرہ کے فرائض میں جانفشانی کی مصیبت اٹھائی۔ قربان ہوگئے۔ اور اپنی دیانت داری برقرار رکھی۔ اور وہ جنہوں نے خداوند تعالےٰ کی خدمت کی۔ اپنے عزیز و اقارب کی معاونت کی۔ اور ترقی دی۔ اور جنہوں نے اس میں جان اور دل دلیری اور نیکی کی صفات کا اظہار کیا۔ جو کہ اس قابل تھی کہ کسی بشپ۔ کسی جنرل یا کسی جج کو عزت بخشتی ؎

حال میں ایکعورت مس کارپینٹر کا نام آتا ہے جو بچپن ہی سے سخی تھی۔ اپنی عملی زندگی کے دوران میں اس نے غربا کی بہتری کا بیڑہ اٹھایا۔ اس نے برسٹل میں ایک اصلاحی مدرسہ کھولا اور اس کا اہتمام اپنے ہاتھ میں

لیا۔ اس مدرسہ کی کامیابی مُلک میں بہت کچھ ایک طور پر الہامی ثابت ہوئی۔ اپنی اغراضی نیک نیتی سے یہ مسلح ہو کر ان محلّوں اور کوچوں میں جاتی جہاں پولیس والے کی ہمت بھی مشکل سے قدم مارنے کی جرأت کر سکتی نہ کسی امر نے اسے پیچھے ہٹایا اور نہ کوئی چیز اسے متنفّر بنا سکی۔ اس نے جگہ جگہ سے اپنے مدرسوں کیواسطے بچے حاصل کیئے۔ اور درحقیقت اس نے جان ہاورڈ کے ہم پلہ کام کیا۔ اسکی قلم ہمیشہ مصروف رہتی۔ اور یہ اپنا اغراضی مضمون ہمیشہ عوام الناس کے سامنے بلاناغہ پیش کرتی رہی۔ آخر کار اسکو ایک بڑی بھاری فتح حاصل ہوئی کیونکہ گورنمنٹ نے اسکی تجویز اختیار کی۔ اور اصلاحی اور صنعت وحرفت کے مدرسے قایم ہوئے جن سے غرباء کو بہت کچھ نفع پہونچا۔ انگلستان کی بحری اور برّی فوج میں اور صنعت وحرفت کے کارخانوں میں ہزاروں اشخاص ہیں جن کے واسطے مِس کارپنٹر کے نام کو دعا دینا مناسب ہے۔ مگر عمر نے اسکی سرگرمانہ کارروائیوں کو نہ روکا۔ ۶۰ سال کی عمر میں یہ ہندوستان میں پہونچی تاکہ مشرقی دنیا میں اپنے طریق تعلیم کی تخم ریزی کرے۔ یہ کُل چار مرتبہ ہندوستان میں آئی۔ اسکی آخری آمد ۱۸۷۶ء میں تھی۔ جب اسکی عمر قریباً ۷۰ سال کی تھی۔ یہ اپنی مشقت کے اُن ثمروں کو دیکھنے کیواسطے زندہ رہی جو ہر اطراف میں پیدا ہوئے یعنی مرد و زن کی اُس نسل میں جو بغیر اسکے بدی اور گناہ کے حصار میں پڑی رہتی ایسی عورتوں اور اُن کی ایسی خود انکاری کی مشقتوں کو بجز اسکے ہم اَور کیا خیال کر سکتے ہیں کہ نسل انسان کی توقیر اور اُمید کی یہی جزو اعظم ہیں؟

مرحوم مِسٹر چِشولم نے اپنی نیکوکاری کیواسطے نیا ہی میدان اختیار کیا اس نے خود کو اُن نوجوان عورتوں کی مدد میں وقف کر دیا جو تارک الوطن ہوتی تھیں۔ اور یہ اُن کی جب تک خبرگیر رہتی جب تک ان کیواسطے مناسب بندوبست نہ ہو جاتا۔ جب یہ ایک کثیر التعداد تارک الوطنوں کی جماعت کے ساتھ ساوتھمپٹن سے روانہ ہونے کو تھی۔ یہ اور اس کا خاوند ایک ضیافت میں مدعو کیئے گئے۔ جہاں اس نے اس طریق کا حال بیان کیا جس سے اسکو اپنی مشقت کی تحریک ہوئی تھی۔ اس نے بیان کیا ”یہ زندگی کا خیال چونکہ ایک ایسا کلام ہے کہ اگر یہ خوبی سرانجام کو پہونچایا جائے تو بہشت کی ناممکن البیان مسرتوں تک لیجاتا ہے۔ یہ میں نے لیگ رچمانڈ کے زانو پر بیٹھکر سیکھا تھا جب میں بچہ ہی تھی۔ اور مجھ کو خود یاد ہے کہ اسکے بعد ایام طفلی میں میں اخروٹوں کے چھلکوں کو کشتیوں کے طور پر کھیل میں سمندر میں چھوڑا کرتی۔ اپنے خاندان کا ایک ایک آدمی فرضاً ان پر بٹھلاتی تاکہ سمندر کے کنارے سے دوسرے ملک میں جا کر یہ باہم ملیں۔ یہ بھی مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار میں نے اسی طرح اپنی کھیل میں ایک رومن کیتھلک اور ایک ویسلین پادری دونوں کو ایک کشتی میں بٹھلا کر روانہ کیا تھا۔ اس قسم کے خیالات میرے دل میں اسی وقت سے پیدا ہوئے ہونگے کہ

میری والدہ مجھ کو اس کمرے میں بٹھلاتی جسمیں ہمسائے جمع ہوتے۔ بعض ان میں سپاہی ہوتے اور بعض بڑے بڑے پرخیال آدمی جو اکثر مشنوں کا ذکر کرتے کیونکہ اسوقت عوام الناس کی زبان پر یہی ذکر پھیلا ہوا تھا۔ جسقدر میری عمر بڑھتی گئی یہ خیالات میرے ذہن نشین ہوتے گئے۔ یہ بھی میری خوش نصیبی تھی کہ والدہ ایک ایسی مجھکو ملی تھی کہ جو کچھ میرے چال چلن کی قوت ہے وہ اسی کی بدولت ہے۔ کیونکہ بار بار مجھکو یہ مسئلہ سُنایا کرتی کہ "نہ تو کبھی کوئی آنسو بہاؤ اور نہ اپنے مدعا سے کسی قسم کا خوف کھا کر پھر جاؤ" ٭

جب یہ سن بلوغ کو پہونچی یہ ہندوستان کی فوج کے ایک افسر سے گرویدہ ہوگئی۔ مگر اسکے ساتھ نسبت ہونے سے پہلے اس نے اس سے کہدیا کہ خدا کی طرف سے اسکو ایک فہمائیش ہوئی ہے کہ یہ اپنے تمام قویٰ کو انسانی مصائب کے دور کرنے میں وقف کردے جب کبھی اسکے خاوند کو باہر نوکری پر جانا پڑے۔ اس کا خاوند زیادہ تر اسکی بے داغ صاف باطنی کے باعث اسپر شیدا تھا۔ چنانچہ جو اس نے کہا اس نے مان لیا۔ بعد بہت جلد ان نو حسینوں کی شادی ہوگئی۔ اسکا خاوند نہایت وفاداری سے شادی کی شرائط پر ثابت قدم رہا۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے اسے اسکے کام میں مدد بھی دی۔ اب وہ وقت بھی آگیا جب اُن تارک الوطنوں کیواسطے سامان مہیا کرنے کی ضرورت پیش آئی جو ۱۸۳۸ء میں روانہ ہوئے۔ اور کپتان چشولم خود اپنے خرچ سے آسٹریلیا کو جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہوا۔ جانے سے پیشتر انھوں نے اپنے قلیل سرمایہ کو باہم نصف نصف تقسیم کیا اور ایک دوسرے سے جُدا ہوئے ٭

اس کے بعد مسز چشولم ہندوستان پہونچی۔ جہاں اس نے وہ مدرسہ قائم کیا جسمیں یوروپین سپاہیوں کی لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں اور جو کہ ابتک موجود ہے۔ ۱۸۳۸ء میں یہ اور اسکا خاوند دونوں تبدیل آب وہوا کیواسطے آسٹریلیا کو روانہ ہوئے ٭

یہ کہتی ہے "یہاں میں نے کمی سوتا کتخدا عورتیں بے روزگار اور جن کا کوئی خبر گیر نہ تھا اور ان سے بڑھکر اور بھی جہازوں میں آتی ہوئی دیکھیں۔ اور قریبًا سب کی سب کو جیسا کہ لازمی نتیجہ تھا بداخلاقی کی حیات بسری کا شکار ہوتے دیکھا میں نے ان بیچاریوں کی حفاظت کا کام اختیار کیا اور ان کیواسطے خدمتگاری کی نوکری کی جستجو میں مصروف ہوئی۔ سب طرف سے مجھکو مایوسی کا سامنا ہوا۔ مگر میں مستقل رہی اور اپنی تجویز میں کامیاب ہوئی۔ انجام کار گورنر نے مجھکو تارک الوطنوں کی بارکوں میں لڑکیوں کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہنے کی اجازت دیدی۔ فی الحقیقت جیسا کہ مجھ کو یہاں پہونچنے پر معلوم ہوا یہ چوہوں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر میں نے ان کو زہر دیدیا اور اپنے کام میں مصروف ہوئی۔ اور اسطرح پر میں لڑکیوں پر اپنا رعب وداب جمانے کے قابل ہوگئی۔ میں نے ایک کالج ان کی تعلیم کیواسطے قائم کیا تاکہ بش میں ان کو نوکری

ملے۔ اور کئی سو لڑکیوں کو اچھے عہدوں پر مامور کرا دیا۔ اس مدعا کی سرانجام میں مجھ کو آخر کار معلوم ہوا کہ جیش میں نوکری حاصل کرنیکے واسطے مجھ کو کثیر التعداد لڑکیاں درکار تھیں۔ اور میرے واسطے ان کے ہمراہ جانا ضروری تھا۔ چنانچہ چند سال تک یہی کرتی رہی۔ کبھی تو ۱۰۰ کی جماعت ہو جاتی کبھی ۱۵۰ کی چنانچہ بہت برسوں تک میں آسٹریلیا میں کام کرتی رہی۔ میں نے تارک الوطنوں کی آمد کے واسطے بہت سا روپیہ صرف کیا۔ مگر ایسی دیانت داری سے مجھکو اس روپیے کا عوض ملا کہ اس تمام اثنا میں کبھی مجھ کو ۲۰ پونڈ سے بڑھکر نقصان نہ ہوا۔ اور خداوند کریم کے فضل و کرم سے میں اُن کے واسطے نوکری کا وسیلہ بنی۔ بیشک جب اب اوسطاً ایکہزار عورتیں مجھکو میرے رخصت ہونے سے پہلے ملیں۔ جن میں بہت سی نوجوان عورتیں ایسی تھیں جو بدنامی کے غار میں گرنے سے بچ گئیں۔ میں ہرگز اس گرمجوشی کو نہ بھولوں گی جو بوقت میری آمد پر اظہار کیا گیا۔ اور اس مسرت کو جو میرے شوہر اور میرے بچوں کی تندرستی پر ظاہر کی گئی اور وہ بچے جن کو میں نے اس مسئلہ پر پرورش کیا کہ "خود پر اعتماد کرو اور خود اپنے واسطے مشقت کرو"۔ اور جن کو میں نے سکھلایا کہ اگر ان کو اپنی والدہ کی یادگار کا کچھ خیال ہے تو نہ تو کبھی گورنمنٹ کی سرپرستی چاہیں اور نہ اسکی تنخواہ لیں"۔ ۞

بعض کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہ بہادری کی سچی مثالیں نہیں ہیں۔ ہم ایسے مردوں اور عورتوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے اپنے کو سمندر میں جہاز کے تباہ شدہ سپاہیوں کی جانیں بچانے میں وقف کر دیا۔ چنانچہ مغربی آسٹریلیا کی ایک حکایت ہے جس میں ایک نوجوان شریف عورت مسمی **گریس ورن بسل** کے بہادرانہ کاموں کا ذکر ہے۔ جیورجیٹ نامی اگبوٹ پرتھ کے قریب ریت میں ساحل بحر کے پاس پھنس گیا۔ ایک کشتی تیار کیگئی جسپر عورتیں اور بچے سوار کیئے گئے۔ مگر موجوں نے اسکو تہ وبالا کر دیا جسقدر بیچارے اسپر سوار تھے سب پانی میں ہاتھ پیر مار رہے تھے کشتی کو چمٹے جاتے تھے۔ اور ان کی جانیں اسوقت نہایت سخت خطرے میں تھیں کہ اچانک ایک اونچے چٹان پر ایک نوجوان عورت گھوڑے پر سوار نظر آئی ۞

اسکا پہلا خیال یہ تھا کہ کسطرح ان ڈوبتے بچوں اور عورتوں کو بچائے۔ اس نے گھوڑے کو چٹان کے نیچے سرپٹ ڈالدیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس طرح اسکو دلدل میں لیگئی اور موجوں کی دوسری طرف جا کر کشتی کے پاس جا پہونچی۔ اور بچوں اور عورتوں کو کنارے پر لانے میں کامیاب ہوئی۔ مگر ایک آدمی اب بھی باقی رہ گیا۔ چنانچہ یہ دوبارہ سمندر میں گھسی اور اسکی بھی جان بچائی۔ دلدل اسقدر تھی کہ ۵۰ شخصوں کے اتارنے میں ۴ گھنٹے صرف ہو گئے۔ ان شخصوں کا کنارے پر پہونچنا تھا کہ یہ بہادر عورت سمندر کے کف میں

لتھڑی ہوئی اور تکان سے نیم بیہوش اپنے مکان کو دوڑی جو کہ ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا تاکہ اُن جانبر لوگوں کیلیئے امداد اور آسایش روانہ کرے جو ساحل بحر پر تھے۔ اب یہ کام اسکی ہمشیرہ نے اختیار کیا۔ جنگل میں ہو کر ساحل پر واپس گئی۔ اور اپنے ہمراہ چائے۔ دودھ۔ شکر اور آٹا لائی۔ دوسرے روز جو جانبر ہوئے تھے وہ اسکے مکان پر لائے گئے۔ اور جب تک ان کی بخوبی خبرگیری ہوتی رہی جبتک ان کو اسقدر آرام نہ ہولی کہ یہ اپنی اپنی منزل مقصود کو روانہ ہونے کے قابل ہوگئے۔ ہمکو یہ بیان کرتے ہوئے رنج آتا ہے کہ مِسٹر ہرکیلین اسکی ہمشیرہ کو اپنی کوششوں میں ناکام ہوگیا۔ اور دماغی بخار سے یہ ملک عدم کو سدھاری ۔

سنہ ۱۸۹۸ء میں اُس نوجوان عورت کا چلن بھی کم دلیرانہ نہیں جو اس وقت میں چند ماہی گیروں کی جانیں بچانے سمندر پر گئی جب کسی کی بجز اسکے ہمت نہ پڑی یعنی انسٹ کے دور دراز جزیرے میں ایک نہایت سخت طوفان برپا ہوا۔ اور یہ وہ وقت تھا جب یہاں کے باشندوں کا ماہی گیری کا بیڑہ جو ان کا سب سے بڑھکر روزی کا وسیلہ تھا سمندر میں تھا۔ ایک ایک کر کے کشتیاں صحیح وسالم کنارے پر پہنچ گئیں۔ مگر ایک کشتی ابھی دُور تھی اور ساحل بحر پر جو لوگ تھے ان کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ بہت مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی۔ یہ اُلٹ گئی اور ملاح پانی میں ہاتھ پیر مارتے ہوئے دکھلائی دیئے۔ اُسی دم ایک دُبلی پتلی لڑکی مسمی ہیلین پٹیری آگے بڑھی اور اس امر کی تحریک کی کہ خواہ کچھ ہو جان مارکر ان کے بچانے کی کوشش کیجائے۔ لوگوں نے کہا کہ جو لوگ ایسے طوفان میں سمندر میں جانا چاہتے تھے اُن کی موت یقینی تھی ۔

مگر پھر بھی ہیلین پٹیری بہادری سے موت کا سامنا کرنے کو تیار تھی۔ چنانچہ ایک دم میں یہ ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہوئی۔ اسکی بھاوج اسکی شریک ہوئی اور اس کا والد جو ایک ہاتھ کا ٹُنڈا تھا پتوار پر بیٹھا۔ ماہی گیری کی کشتی کے دو ملاح ابتک نظر سے غائب ہوگئے تھے۔ مگر دو باقی تھے جو اپنی الٹی ہوئی کشتی کی تہ کو لپٹے ہوئے تھے۔ اور یہی وہ ملاح تھے جن کے بچانے کو یہ عورتیں روانہ ہوئی تھیں۔ بہت کچھ سعی و کوشش کے بعد آخرکار یہ اس کشتی تک پہونچنے میں کامیاب ہوئیں۔ مگر یہ کشتی کے پاس پہونچی ہی تھیں کہ ایک ملاح بہ گیا اور یقیناً یہ ڈوب جاتا اگر ہیلین اسکو بالوں سے پکڑ کر کشتی میں نہ کھینچ لیتی۔ دوسرا ملاح بھی بچ گیا اور یہ لب ساحل بحر پر صحیح وسالم پہونچ گئے۔ ہیلین پٹیری بعد میں بطور خدمتگار کے اپنا پیٹ پالتی رہی اور ابھی اگلے دن جب اسکا انتقال ہوا اسوقت لوگوں کو اسکی سرگزشت معلوم ہوئی۔ یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں ایسے واقعات پیش آسکتے ہیں شجاع عورتوں کا بکثرت ہونا ضروری ہے ۔

اور پھر گریس ڈارلنگ! لانگس کیپٹ کے مینار روشنی کی اس شجاع عورت کو کون فراموش

کرسکتا ہے ۔ نارتھمبرلینڈ کے شمال مشرقی ساحل پر ویران جزائر فرن واقع ہیں - اور تمام سنگ موسیٰ کے سخت چٹیل سیاہ اور ویران مجموعہ ہیں جن کے آس پاس خطرناک بحر زخار موجزن ہے - بجز ان بحری پرندوں کے جو ان چٹانوں کے گرد چلاتے پھرتے ہیں یہاں کوئی باشندہ نہیں ہے - مگر اس سے آگے ایک مقام یعنی لانگس ٹیٹ کے چٹان پر ایک روشنی کا مینار ان جہازوں کی خبرداری کیواسطے تعمیر ہوا ہے جو انگلستان اور سکاٹ لینڈ کے درمیان سے گزرتے ہیں - ایک بڈھا اسکی ضعیفہ عورت اور ایک نوجوان عورت ان کی بیٹی ستمبر ۱۸۳۸ء میں ایک طوفانی رات کو اس روشنی کے مینار کے محافظ تھے ۔

فار فرشائر نامی آگبوٹ ہل سے ڈنڈی کو جا رہا تھا - جہاز کی حالت خراب تھی - اسکے پانی کے حوض ایسے ناقص تھے کہ ہل سے تھوڑی ہی دور چلکر آگ بجھانا پڑی - مگر پھر بھی یہ چلا گیا یہاں تک کہ سنٹ ابس ہیڈ کو پہونچ گیا - کہ اتنے میں ایک سخت طوفان نے اسکو پیچھے ہٹا دیا - یہ ہوا کے رخ پر تمام رات سطح سمندر پر پھرتا رہا - یہاں تک کہ علی الصباح اسکو ہارکر کی چٹانوں سے نہایت سخت ٹھوکر لگی - آگبوٹ کی پشت ٹوٹ گئی - اور اسکے دو ٹکڑے ہو گئے - ۹ مسافر ایک کشتی پر بیٹھکر اس ٹاپے میں ہوکر چلے جسکے بجز یہاں سے کوئی آمد نکاس نہ تھا - ان کو سمندر سے لوگوں نے نکالا اور شیلڈس میں لیگئے بہت سے مسافر اور ملازمان جہاز سمندر میں بہ گئے اور غرقاب ہو گئے - جہاز کا اگلا حصہ چٹان سے چپٹا رہا - اسپر ۹ شخص سوار تھے جو مدد کیواسطے چلا رہے تھے ۔

روشنی کا مینار یہاں سے دو میل تھا - گریس ڈارلنگ کے کان تک ان کی چیخیں پہونچیں طلوع آفتاب کے وقت روشنی گل کی جاتی تھی اور یہ آخری پہرہ تھا - گریس اسپر تعینات تھی - گو کہر اسوقت چھائی ہوئی تھی اور سمندر اب تک موجزن تھا - اس نے ان مسافروں کو جہاز کے اگلے حصے پر اس کل کے ساتھ چپٹے ہوئے دیکھا جس سے بار جہاز پر کھینچا جاتا تھا - اس نے اپنے والد سے التجا کی کہ ایک کشتی سمندر میں چھوڑے اور ان ڈوبتے ہوئے لوگوں کی جان بچائے - **ولیم ڈارلنگ** (اسکا والد) نے کہا کہ یہ حرکت یقینی موت تھی - مگر پھر بھی اس نے کشتی سمندر میں چھوڑی اور گریس ڈارلنگ سب سے پہلے اسپر سوار ہوئی - اسکا ضعیف والد بھی اسکے پیچھے کشتی پر پہونچا - خطرے کا تو نام ہی نہ لو - بچاؤ اور خود استقلالی کے موقعے بعید تھے - مگر خدا نے جیسی اس عورت کے دل کو تقویت دی تھی ویسی ہی اسکے بازو کو تقویت دی - اور خوف و سہم میں یہ دونوں کنارے سے چلے ۔

اسکا والد نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے آخرکار چٹان پر اترنے میں کامیاب ہوا - اس شکستہ جہاز تک پہونچا - اور گریس لہروں میں ادھر ادھر کشتی لیے پھرتی رہی تا کہ مبادا یہ ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے -

یکے بعد دیگرے یہ نو شخص کشتی پر بٹھا کر بینار روشنی پر لائے گئے۔ یہ نو دن تک یہاں رہے جب تک کہ طوفان کم نہ ہوا اور ساحل بحر پر پہنچانے کے قابل یہ نہ ہوئے ٭

اس بہادرانہ کام سے تمام قوم میں جوش پیدا ہو گیا۔ لا انتہا تحفے گریس ڈارلنگ کو بھیجے گئے مصوّر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے اسکی تصویر اُتارنے آئے۔ ورڈسورتھ شاعر نے اسپر ایک قصیدہ لکھا۔ اسکو ایک شب کے واسطے بیس پونڈ دیئے گئے تاکہ اڈیلفی کے تماشہ گاہ میں ایک جہاز کی تباہی کے موقع پر یہ جہاز میں بیٹھے۔ مگر اس نے اپنی بحری چٹان کو نہ چھوڑا۔ اور کیوں یہ اسکو چھوڑتی؟ ایسی ملکہ کے واسطے اس سے بڑھکر کونسی اَور موزوں اور مناسب جگہ ہو سکتی تھی؟ ایک شخص جس نے اس سے ملاقات کی ہے اسکی بے داغ سادگی مطمئن آداب اطوار۔ اور بے لگاؤ نیکی کا معترف ہے ٭

اس مذکور الصدر واقعہ کے ۴ سال بعد دق کی علامتیں نمایاں ہوئیں۔ اور چند ماہ میں آرام سے خوشی سے اور دینداری سے عدم کو سدھاری۔ اپنے مرنے سے کچھ عرصہ قبل بقول مسٹر فلپس اسکی ایک ہم جنس نے اس سے الوداعی ملاقات کی اور منکسر لباس میں اسکے پاس آ کر اسکے آخری سفر پر اسے خدا حافظ کہا۔ یہ عورت ڈچس آف نارتھمبرلنڈ تھی۔ اور اس کا نام اسکی اس شفقت آمیز اور مناسب الوداعی رخصت سے زیادہ چمکیگا۔ جون آف آرک کی یادگار ہے۔ کچھ مضائقہ نہیں اگر گریس آف نارتھمبریا کی کوئی نہیں۔ مگر اسکی کارروائی نامۂ اعمال میں درج ہو چکی:۔

رہیگی حشر تک محفوظ بے شک آسمانوں پہ
فرشتوں کے لیئے اس سے نیکی کی نشاں بڑھکر
ہمیشہ تاکہ ہو اس پر نزولِ رحمتِ اکبر

نارتھمبرلنڈ کے ساحل بحر پر جزائر فرن کے قریباً مقابل قلعہ بمبارا ایک بلند مثلثی چٹان پر واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ اہل سکاٹ لنڈ کے حملوں کے مقابلے میں بڑی جائے پناہ تھا اور نیز انگلستان کی خانہ جنگیوں میں یہ نہایت مشہور قلعہ تھا۔ حال میں شکستہ جہازوں کے بحری سپاہیوں کیواسطے لارڈ کریو ڈرہم کے بشپ اور آرچ ڈیکن شارپ کے ذریعے سے جائے پناہ بنا ہے۔ لارڈ کریو کی اس قلعہ کی شریفانہ پسندیدگی سے ملک میں تمام بنج کے طور کی نفع رسانی سے بڑھکر فائدہ حاصل ہوا ہے۔ ساحل بحر کے قریب اکثر جہاز ٹوٹتے ہیں اور مصیبت زدوں کو ہر قسم کی حتی الوسع مدد دی جاتی ہے۔ ۳ بحری سپاہیوں کیواسطے کمرے یہاں موجود ہیں۔ طوفانی شب کو برابر ساحل بحر پر آٹھ میل تک شب گشت کیجاتی ہے۔ اور اگر کوئی جہاز خطرے میں نظر آتا ہے۔ فی الفور لائف بوٹ روانہ کیا جاتا ہے۔ جب کہ ہوتا ہے کشتیوں کو خبردار کرنیکے واسطے

گھنٹے بجائے جاتے ہیں۔ جب کوئی جہاز مصیبت میں گھر جاتا ہے۔ ایک توپ داغی جاتی ہے۔ اور اگر جہاز ریت میں پھنس جائے یا چٹان پر ٹکرا کر ٹوٹ جائے تو دوسری داغی جاتی ہے۔ اسی دم ایک بڑا جھنڈا بلند کیا جاتا ہے تاکہ مصیبت زدوں کو معلوم ہو جائے کہ ساحل پر انکی مصائب کی خبر ہو گئی ہے۔ یہاں ہولی آئلینڈ کے ماہی گیروں کی اطلاع دہی کیلئے بھی نشانیاں ہیں تاکہ اسوقت خبر دیں سے روانہ ہوں جب کوئی کشتی کنارے سے چلکر لہروں پر سے نہ گذر سکے۔ اس قلعہ سے ہر طرح کی امداد ان کو جو خواہ خشکی پر ہوں خواہ تری پر دیجاتی ہے ؛

ولیم ہاوٹ کا قول ہے " اس طرح ایک زبردست حافظ فرشتے کی طرح یہ عمدہ قلعہ کھڑا ہے جو کہ ان طوفانی اور خطرناک سمندروں پر نگہبان ہے۔ اور یہ خدا کے مطابق سخاوت ایک زندہ مثال ہے کہ انسان کو دنیا کو چھوڑ جانے کے بعد کیا مفید خلائق اور نیک کام اس کرۂ ارض پر کرسکتا ہے۔ جب کوئی شخص اس سچی پاکیزہ سخاوت کے کچھ فاصلے سے سیر کا سبق دیکھتا ہے۔ اور وہ عمارت جو اپنی شکل اور عمل دونوں میں نفع رساں اور سود مند ہے۔ اُسے چاہئے کہ اپنے بڑی اور بڑی حد تک فوائد کو بالائے طاق رکھکر لارڈ کریو کی یادگار کو دعائے خیر دے۔ جیسا کہ ہزار ہا آدمیوں نے مفلسی کے عشق میں اور آدھی رات کی تاریکی میں ایسا کیا ہے۔ اور جب ہم اُسے گور میں لیٹا دیکھیں گے اُسوقت بھی ایسا ہی کرینگے " ؛

باب دہم

ہمدردی

" شریستہ ہمدردی۔ چاندی کی زنجیر اور ریشم کی گرہ۔ دل سے دل کو اور جگر سے جگر کو روح و رواں میں مسلسل کرتی ہے " ؛ (سکاٹ)

" میں تو صرف ایک ایسا دل چاہتا ہوں اور اس کا طالب ہوں جو دانشمندی سے میری نگاہداشت کرے۔ اور میرا ہر طرح ہمدرد بنے " ؛

" انسان انسان کو عزیز ہے۔ غریب سے غریب اور بیکس سے بیکس بھی اس تکان آور اور پر مصائب زندگی میں دل سے خواہشمند ہیں کہ کوئی ہمارا ہمدرد اور نگاہداشت کرنیوالا بنے۔ اگر ہمکو ضرورت ہو تو ہمارا شریک ہو اور غمگساری کا حق ادا کرے " ؛

ہمدردی زندگی کے بڑے بڑے اسرار میں سے ایک ہے۔ یہ بدی پر غالب آتی ہے اور نیکی کو تقویت دیتی ہے۔ یہ مزاحمت کو لاچار کر دیتی ہے۔ سنگدل سے سنگدل کو موم کر دیتی ہے۔ اور فطرت انسانی کا عمدہ ترین حصہ مکمل کرتی ہے۔ "ایک دوسرے سے محبت کرو" ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کہ دنیا از سر نو عمدہ بن سکتی ہے۔

سنٹ جان کا ذکر ہے کہ جب یہ بہت ضعیف تھا اور ایسا ضعیف کہ نہ اپنے پاؤں چل سکتا تھا اور نہ اچھی طرح بول سکتا۔ اسکے دوست اسکو اٹھا کر ایک عیسائی لڑکوں کی مجلس میں لے گئے۔ یہ اٹھا اور کہنے لگا "دو بچو۔ ایک دوسرے سے محبت کرو" اس نے پھر کہا: "ایک دوسرے سے محبت کرو" جب اس سے پوچھا گیا: "آپ کچھ اور نہ کہینگے؟" اس نے جواب دیا "میں یہی مکرر سہ کرر کہتا ہوں کیونکہ اگر تم اسپر عمل کرو گے کسی اور چیز کی تمکو ضرورت نہ ہوگی"۔

اسی صداقت کی عالمگیر موافقت ہوتی ہے۔ ہمدردی کی بنیاد محبت پر ہے۔ اور بے غرضی اور الفت کے واسطے صرف ایک دوسرا لفظ ہے۔ ہم دوسرے شخص کے دل کی حالت اختیار کر لیتے ہیں ہم اپنے آپ سے نکل جاتے ہیں اور دوسرے کے جسم میں رہائش اختیار کرتے ہیں ہم اس سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اس کی مدد کرتے ہیں اور اسے سبکدوش کرتے ہیں محبت بغیر ہمدردی کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ رحم کی طرح ہمدردی اور سخاوت سے دوگنی برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ جو کرے اسکے واسطے اور نیز جس سے کیجائے اُس کے واسطے۔ ادھر جو ہمدردی اور سخاوت کرتا ہے اسکے دل میں خوشی و مسرت کے بکثرت یہ ثمر لاتی ہے۔ اور اُدھر جس سے یہ کیجائے اُس کے دل میں مہربانی اور سخاوت کو روشنیگی بخشتی ہے۔

کانن فرار کا بیان ہے: "ہم اکثر اپنی محنتوں سے بڑھکر اپنی ہمدردی سے زیادہ نیکی کرتے ہیں اور دنیا کی ایک زیادہ باثبات اور پائدار خدمت کرتے ہیں۔ حسد اور لیاقت استعداد کی عدم موجودگی سے بہ نسبت اس کے کہ ہم ذاتی حرص کی کشمکش جدوجہد سے کرسکتے ممکن ہے کہ کسی شخص کے ہاتھ سے عہدہ۔ رعب داب دولت اور نیز تندرستی نکل جائے۔ اور تاہم وہ آرام اور آسائش سے قناعت کر کے رہ سکتا ہے۔ مگر یہاں ایک ایسی چیز ہے جسکے بغیر زندگی ایک بوجھ ہو جاتی ہے اور وہ چیز انسانی ہمدردی ہے"۔

اسمیں تو کلام نہیں کہ شفیقانہ کارگزاریوں کی ہمیشہ شکر گزاری نہیں کیجاتی۔ مگر ہمدرد معاون کو اس وجہ سے کبھی مایوس ہو کر ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔ ہماری زندگی کے ساتھ معرکے میں یہ مشکلات کا ایک مرحلہ ہے جسے طے کرنا چاہیئے۔ ادنٰے سے ادنٰے اور کمتر سے کمتر بھی باہمی معاونت کے قابل ہے جو کہ تمام بنی نوع پر یکدیگر کی فرض ہے۔ جیسا کہ **منتھم** نے بالکل سچ اور درست کہا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک شخص کی خوشی اسیقدر تمام انسانی خوشی کا ایک پورا پورا حصہ ہے جیسا کہ یہ عمدہ سے عمدہ اور شریف سے شریف انسان کا ہے

اور پھر کوئی شخص کبھی دوسروں کے حق میں نیک یا بد نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود اپنے حق میں نیک یا بد نہ ہو لے ۔

نسل انسان کی شفقتوں کے بیدار کرنے کے واسطے کوئی سبب ایسا زبردست نہیں ہے جیسا کہ ہمدردی ہے شاذ و نادر ہی اور وہ بھی نہایت ہی شکستہ اور خراب فطرت شخص ہیں جن کو یہ مؤثر نہیں کرتی ۔ یہ طاقت سے بڑھکر کام کرتی ہے ۔ ایک شفقتانہ لفظ یا مہربانی کی نظر ان پر بہت کچھ کارگر ہوگی جن پر جبر کی بے فائدہ آزمائش کی گئی ہے ۔ ہمدردی تو محبت اور رفاقت کی طرف دعوت کرتی ہے ۔ اور جبر مخالفت اور مزاحمت کو جوش میں لاتا ہے ۔ وہ شاعر سچا ہے جو یہ کہتا ہے "حلم سے خود طاقت میں نصف بھی قوت نہیں" ۔

ہمدردی کو اگر زیادہ وسعت دیجائے تو یہ عام بنی نوع انسان کی اعلیٰ شکل اختیار کرتی ہے ۔ انسان کو مؤثر کرتی ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں کو مفلسی اور مصیبت کی حالت سے نکالنے میں کوشاں ہو ۔ عموم الناس کی حالت کو ترقی دے ۔ بنی نوع میں شائستگی و تہذیب کے نتائج بخوبی رائج کرے ۔ اور بنی آدم کی بچھڑی ہوئی نسلوں کے اخوت اور امن کے تعلقات کو پیوستہ کرے ۔ اور یہ فرض ہے اس شخص کا جو مقابلتاً دوسروں سے خوش نصیب ہے ۔ جو دولت کا علم کا یا سبب معاشرت کا حظ اٹھاتا ہے جس سے کہ دوسرے محروم ہیں کہ وہ اپنی دولت اور وقت کا کچھ حصہ بہی خواہی عالم کی ترقی میں وقف کرے ۔

جو چیز ضروری ہے وہ نہ تو زر کی بہت کچھ طاقت ہے اور نہ دماغ کی ۔ روپے کی طاقت کا حد سے بڑھکر اندازہ کیا گیا ہے ۔ پولوس اور اسکے شاگردوں نے آدھی دنیا میں عیسائیت پھیلائی ۔ اور روپیہ ان کے پاس شاید ہی کچھ اس سے بڑھکر ہو جو کسی بانکے اور رنگیلے بازار میں گداگری سے مل سکتا ہو عیسائیت کے وہ بڑے مسائل جو معاشرت کے متعلق ہیں اخوت کے خیال پر مبنی ہیں "دوسروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو وہ تمہارے ساتھ کریں" ۔ ایک کو دوسرے کی مدد کرنے کا حکم ہے ۔ زبردست کو کمزور کی ۔ امیر کو غریب کی ۔ عالم کو جاہل کی ۔ اور اس کے برعکس ترتیب سے ان کو حکم ہے جن کے پاس کچھ نہیں کہ وہ ان کی امداد کریں جن کے واسطے بہت کچھ ہے ۔ یہ سب کچھ اعلیٰ درجہ کی قوت پر منحصر ہے ۔ کیونکہ نہ تو شاگرد اپنے استاد بناتے ہیں ۔ اور نہ جاہل اور لاچار ان کو جو انکی معاونت کرنے اور تعلیم دینے کو ہوتے ہیں ۔

انسان اپنی زندگی کو جیسا چاہے بنا سکتا ہے ۔ یہ اسکو ایسا ہی بیش قیمت بنا سکتا ہے اپنے واسطے اور اوروں کے واسطے جیسی کہ اسکو طاقت عطا کی گئی ہے ۔ جب اسباب اسکے مخالف نہیں ہوتے ۔ اس کا اپنی اخلاقی اور روحانی فطرت پر پورا پورا بس ہوتا ہے ۔ یہ اپنے واسطے بہت کچھ کر سکتا ہے ۔ اور جو کچھ خدا

بخشتا ہے اسکے واسطے انسان اور اسکی کوششوں میں سے گزرنا ضروری ہے اسیطرح جیسے کہ گویا یہ اسکا اپنا خاص کام ہے ؛

گو ممکن ہے کہ ہم تفریحاً اپنے حواس پر متوجہ ہوں - مگر یہ صرف محبت ہے جسپر خوشی کیواسطے ہمکو اعتماد اور تکیہ کرنا چاہیئے - اسمیں ایثار کا جوش شامل ہے - اور ہماری نیکیاں ہماری اولاد کی طرح ہمکو ایسی عزیز ہوجاتی ہیں کہ ہم اُن کیواسطے ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنے کو مستعد ہوتے ہیں - مسز فالیٹ اپنی سوانح عمری میں بیان کرتی ہے "میری والدہ کے رعب کا اثر اُن کے پرانے دوست ڈاکٹر کالٹو ننگٹن نے اچھی طرح بیان کیا ہے - اور ہم اسکو زندگی کا لب لباب کہہ سکتے ہیں - میری والدہ کی ستر سال کی عمر میں ڈاکٹر نا کو ایک خط میں اسکو لکھتے ہیں "مجھکو کبھی کوئی ایسا فرد بشر نہ ملا جسکی محبت ہر ایک کے دل میں صادق - پاکیزہ اور عالمگیر ہو جیسی کہ تمہاری ہے - اور مجھکو یقین ہے کہ اسکی وجہ وہ محبت کی گنجایش ہے جو تمہارے دل میں موجود ہے" ؛

وہ آدمی جو بہت ہی قابل ترس ہیں وہ ہیں جنکا اپنے پر کوئی اختیار نہیں - جن کے دل میں مطلق اُس فرض کا خیال نہیں جو دوسروں کا اُن پر واجب ہے - جو زندگی کے میدان میں اپنے عیش کے واسطے بھٹکتے پھرتے ہیں - یا وہ جو نیک کام کرتے بھی ہیں - تو کمینے اغراض سے - دماغی اطمینان کے خیال سے یا ضمیر کے لعن طعن کے خوف سے - اُن میں سے بعض اشخاص جو اپنی عمدہ خیالی پر نازاں ہیں - اپنے کو بدل محبت کرتے ہیں - مگر اُن کے آس پاس جو بندگان خدا ہیں اُن کا کچھ خیال بھی اُن کے دل میں نہیں - یہ غیر سوسائٹی میں بہت کچھ خوش خلقی سے پیش آتے ہیں - مگر لطف جب ہو جب ان کے مکان تک کوئی پہنچے اور دیکھے کہ کیس طرح اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب سے پیش آتے ہیں -

ڈین ہیمسی نے ایک چھوٹے لڑکے کی نہایت غمناک حالت بیان کی ہے کہ جب اُس سے بہشت کا اور وہاں بچھڑے ہوئے لوگوں کے ملنے کا ذکر کیا گیا تو اُس نے پوچھا "اور ابّا جان بھی وہاں ہوں گے؟" اور جب اُسے کہا گیا کہ "بے شک وہ وہاں ہونگے" تو اُس نے بے ساختہ کہا "تو میں نہ جاؤں گا" ؛

جھوٹی ہمدردی تو بہت عام ہے - شارپ کا بیان ہے کہ پُر زور افسانوں کی تصانیف پر جو بہت زبردست اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ اُن سے ترس یا طیش کے خیال کی طرف رجحان کا مادہ پیدا ہونے لگتا ہے - مگر درحقیقت مصیبت سے سبکدوشی یا ظلم کی مزاحمت کا نام نہیں ہوتا - اور اس طرح سے اسٹرن نے مُردہ بندر کے ساتھ ہمدردی کی اور اپنی بیوی کو فاقہ کشی میں چھوڑ دیا - ماشٹین ان کو بہت عجیب خیال کرتا ہے یعنی "جس قدر رائے زنی کی جائے اس سے بڑھکر اور جس قدر سمجھا جائے اس سے باہر"

ٹیلر کی کتاب سوال و جواب میں بے دریغ احسان و سخاوت کی دغابازیوں کی اچھی طرح گرفت کی گئی اور قلعی کھولی گئی ہے ؎

فاضل بیین کا بیان ہے کہ گوئٹے مصائب کی راہ سے بچتا رہا۔ کیونکہ اس سے اسکو غم و الم ہوتا تھا اور دل جاتا تھا۔ اس سے صاف ثابت تھا کہ اسمیں جہاں تک ممکن تھا اپنے برادر بنی نوع کی مصائب میں پڑنے کی قابلیت تھی۔ اگر جب کبھی اس غرض کیواسطے انکی خیریت پوچھی۔ یہ صاف انکار کر جاتا" ؎

سنٹ آگسٹائن۔ بیکسٹر۔ جونتھین۔ ایڈورڈس اور الگزنڈر ناکس

کی تصانیف میں ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ان کی دینداری کی صداقتوں کے عقاید میں مذہبی محبت کو کس قدر ترجیح جگہ تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس فرض کی جو بنی آدم کا ان پر واجب تھا۔ الگزنڈر ناکس کا بیان ہے:۔ "خیال میں ہمدردی سے بہت کچھ بڑھکر سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ بات کسی اور طرح سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ دل کو دل پر عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ زندہ آدمی کا خیال دل کی تمام راہ و رسم کے واسطے ضروری ہے۔" "سچی ہمدردی جب ہی موجود ہو سکتی ہے جب نیکی کی طرف اسی کی خاطر جستجو کیجائے۔ اور خواہ اسکو پاکیزہ فرض کا ایک مسلم قانون سمجھا جائے۔ خواہ نیکی کے دلفریب حسن سے اس کا خیال ہو۔ یہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانی چال چلن پر منعکس ہو کر عمل کرتی ہے" ؎

"انسان دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ اختیاری طور پر صداقت سے بہت کچھ نہیں بلکہ ربانی تحریک سے جو انسانی نیکی اور ہمدردی کی معرفت ہوتی ہے۔ یہ قدرت کی مس ہے جو تمام دنیا کو ایک کنبہ بناتی ہے۔" وہ شخص جو اپنے کو دوسرے کی ہستی میں ڈال دیتا ہے اور حتی الوسع ہر طرح سے انکی امداد میں ساعی ہوتا ہے۔ خواہ یہ امداد اخلاق کے متعلق ہو خواہ معاشرت کے خواہ مذہب کے۔ وہ ایسا ہی اثر کو کام میں لاتا ہے۔ یہ مضبوط سے مضبوط پشت پناہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ یہ خود غرضی کو دھکیل دیتا ہے اور خود اپنی آزمایش سے منکسر مگر شریف ہو کر نکلتا ہے۔ **کیپٹن موزلے** نے نہایت حاکمانہ طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ رحم اور باہمی امداد کا اصول جو کہ ایک ایسی خوشی میں متغیر ہوتا ہے جو کہ سوسائٹی کیواسطے بیشمار مفید ہے۔ اور مصیبت اور تکلیف کی تخفیف عیسائیت نے دریافت کیا تھا۔ اور یہ دریافت بطور ایک علمی نئے اصول کے تھی ؎

عمدہ ترین اور اعلے ترین اشخاص نہایت ہی ہمدرد ہوتے ہیں۔ **بشپ ولبرفورس** اپنی ہمدردی کی طاقت سے ممتاز تھا۔ میرے ایک دوست سے کسی نے پوچھا کہ "ولبرفورس کی کامیابی کا اسرار کیا ہے؟" بے ساختہ جواب ملا کہ "اسرار اسکی ہمدردی کی قوت کا ہے" کشادہ دل فیاض اور آزاد تھا۔

یہ بے دریغ سب سے آگے ہو جاتا۔ اور جو نیا یدعا اسکا ہوتا اسکی ہر ایک تجویز میں بدل و جان مصروف ہو جاتا
جو کام اسکو قابل عملدرآمد معلوم ہوا یہ اسمیں ہمیشہ سب سے پہلے رہا۔ اور نتیجہ کامیابی ہوا ؛

ہمدردی دوسروں کی باہمی مشکلات اور مصائب کے خیال کی گنجایش ہے۔ کہتے ہیں کہ نارمن مکلیوڈ کے چال چلن کی ابتدائی اور انتہائی چیز ہمدردی تھی۔ اسکو انسانیت میں اپنی دلچسپی کیواسطے بہت کچھ مل گیا۔ ایک لوہار کا بیان ہے :" جب اس نے آ کر مجھ سے ملاقات کی تو اس طرح گفتگو کی کہ گویا یہ خود آہنگر تھا۔ مگر مسیح کو میرے ذہن نشین کیئے بغیر یہ مجھ سے رخصت نہ ہوا " سب سے بڑھکر آدمی انسانی افعال کا مرکز ہے کیونکہ جو کچھ اُسمیں تھا اور جو کچھ اُسکے ہاتھ سے گیا وہ ہی صرف نہایت ہی ضروری ہے۔ جو انسان اپنی دنیاوی زندگی میں ہمدرد اور چالاک ہو وہ ہمیشہ دوسروں کے خیالات میں شامل ہو جاتا ہے " مگر پھر بھی ہم تنہا اُس راستے پر چلتے ہیں جو نہایت ہی ضروری ہے۔ اور جو کہ دنیاوی حالتوں کے بند خانوں تک جاتا ہے ؛

گلاسگو میں جب نارمن مکلیوڈ اپنے پیرش کے عہدے پر پہونچا تو اُس نے کہا :" ہمکو زندہ آدمی درکار ہیں! اور ان کی کتب اور مطالعہ نہیں ہے جو درکار ہے بلکہ یہ خود غریب اور اہل غرض تنگے اور خانہ بدر فضول خرچ اور شکستہ دل اس دنیا میں سب چیزوں سے بڑھکر دیکھ سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں۔ وہ محبت جو بیقراری سے اس آنکھ میں چمکتی ہے۔ اور اندرونی اطمینان اور روشنی کا حال بیان کرتی ہے۔ اور وہ آرام کی جگہ جسکو خستہ اور ماندہ دل دریافت کرتا ہے اور اسکا حظ اُٹھاتا ہے۔ یہ سراسر بے غرضی کو سمجھ سکتے ہیں اور اُسکی قدر کر سکتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو شاید ہی ابتک اُن کے خواب و خیال میں آئی ہو۔ اور جس سے کہ با آرام و آسایش اور شستہ مکان سے کسی بخان یا غلیظ کے گھر جانے کی تحریک ہو۔ اور جو کہ اپنے کو ان شفیقانہ الفاظ اور باُالفت مدارات میں ظاہر کرتی ہے جو اُن کی خدمات کے ہمراہ ہوتی ہیں " نارمن مکلیوڈ کے یہ الفاظ گلاسگو میں اُسکے تمام کام کے اسرار کی کنجی ہیں ؛

پھر یہ کہتا ہے :" میں نہیں خیال کرتا کہ ہماری قوم کو اگر ہوشیاری سے تربیت کیجائے تو یہ ان کو اس قابل بنا دے کہ یہ اپنے ذاتی فرائض ادا کرے۔ جیسے مستقل شفقت۔ صحت کی حفاظت۔ سنجیدگی۔ مہربانی۔ کفایت شعاری۔ پاکیزگی۔ بطور والدین کے اُن کے فرائض معاشرت۔ صداقت اور خوش خلقی کے بارے میں بحیثیت ایک سوسائٹی کے ممبر کے اُن کے فرائض۔ وعدہ وفائی۔ متابعت جو بحیثیت ایک محنتی کی آزادی سے پیوستہ ہو سلطنت کے بارے میں ان کے فرائض خواہ اس سے مراد ان کے حاکم ہوں۔ یا قانونی افسر۔ نیز ان کے مطلب کی گورنمنٹ اور تواریخ کی آگاہی۔ ایسے نکات پر ان کی تعلیم سے بہت کچھ

غفلت کی گئی ہے - اور ضرورت ہے کہ اسکو بہت وسیع ترقی دیجائے - اور سچی اصول پہ مبنی اور اس سے نتیجہ ہو "

ڈاکٹر مکلیوڈ کے الفاظ لنڈن پر بخوبی صادق آسکتے ہیں - اور لنڈن وہ شہر ہے جو تمام دنیا میں سب سے بڑھکر امیر اور سب سے بڑھکر غریب ہے - شاذونادر ہی لوگ ہیں جو لنڈن کے مشرقی حصے سے واقف ہوں اور اسکی بیحد ضروریات - شرارتوں اور کمبختیوں کو جانتے ہوں بعض تو لوگوں کی ترقی کیواسطے اپنا زر دیدیتے ہیں - مگر بہت ہی کم ہیں جو اپنا وقت یا دماغ دیں - مگر مرحوم ایڈورڈ ڈینیسن ایک استثنا تھا یہ دل وجان لنڈن شرقی کے غربا کی بہتری میں مصروف ہوا - اس نے یہ سمجھکر کہ کسی شخص کی اصلاح کی پہلی سیڑھی یہ ہوتی ہے کہ اسکی کمائی کلال خانے میں جانے سے روکی جائے اور اُسکے خاندان اور آئیندہ کیواسطے سامان مہیا کرنے کی کوئی صورت نکلے - اس نے پینی بنک لنڈن میں قائم کیئے - اس نے ایک سکول اکتب بینی کا کمرہ - اور آہنی گرجا کی تعمیر شروع کی - ایک حد تک اس نے ان لوگوں کو مصیبت سے بہتری کی منزل پر پہونچادیا - مگر اسقدر جم غفیر میں اسکی کیا نسبت تھی ؟ اسکا بیان ہے " یہ امر کیسا ہولناک ہے کہ اس ملک میں جو تمام دنیا میں سب سے بڑھکر متمول ہو - ہر سال بے شمار لوگوں کو فاقہ کشی اور موت نصیب ہو حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس عجیب ترقی کو جو بیس سال گزشتہ سے ہمکو ملی ہے قبول کرلیا - مگر جو کچھ اُس کے متعلق تھا اُسے نہ سوچا - اور نہ اپنے کو اس کوشش اور تصدق کے واسطے طیار کیا جو اُس کے سرانجام کے لیئے درکار تھی " مسٹر ڈینیسن صرف تمہید کرسکا - یہ اپنی محنت کے درخت میں ثمر آنے سے پہلے فوت ہوگیا - لیکن اگر کوئی ایسا ہو جو اسکے قدم بقدم چلنے پر راضی ہو تو اب بھی وہ فرض کا میدان موجود ہے جو اُس نے بتلادیا ہے ❊

اب جوزف ڈی میسٹر کا وہ الہ سنو جو اسکی سخت اور غمزدہ محنت کی عمر کے انجام پر اُس کے مونھ سے نکلا " میں نہیں جانتا کہ کسی دغاباز کی زندگی کیسی ہوگی - کیونکہ میں خود کبھی دغاباز نہیں بنا - مگر ایک متدین شخص کی زندگی بکروہ ہے - وہ لوگ کسقدر کم ہیں جن کا راستہ اس احمق دنیا میں درحقیقت مفید اور نیک اعمال سے ممتاز ہے - میں اس کے سامنے زمین تک جھک جاتا ہوں جسکے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ یہ نیک کام کر رہا ہے " اور جو کہ اپنے ہم مخلوقوں کو سبکدوش کرنے تسلی دینے اور تعلیم دینے میں کامیاب ہوا ہے - جس نے فی الحقیقت نیکی کرنے کی خاطر اپنے تئیں قربان کردیا ہے - اور وہ خاموش سخاوت کا شجاع جو اپنے کو چھپاتا ہے اور اس دنیا میں کچھ صلہ کی اُمید نہیں رکھتا - مگر انسان کی عام طرز حیات بسری کس سے مشابہ ہے ؟ اور ہزار آدمیوں میں سے کسقدر ہیں جو بے خوف ہو کر اپنے سے پوچھتے ہیں " میں نے

اس دنیا میں کیا کیا ہے ؟ عام کام کو بتیں نے کہاں ترقی دی ؟ اور اب بدی یا نیکی کے واسطے میرے لیے کیا رہ گیا ؟" ۔

آخری الفاظ جو جج ٹالفورڈ کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے : "اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ انگریزی سوسائٹی میں سب سے بڑی ضرورت کس چیز کی ہے تاکہ ادنے اعلےٰ سب درجہ کے آدمی باہم مل جل جائیں۔ تو میں صرف یہ دو ٹوک جواب دوں کہ "وہ ہمدردی کی ضرورت ہے"۔ ہمارے زمانے کی یہ سب سے بڑھ کر بدی ہے۔ ایک بڑی کشادہ خندق ہے جو سوسائٹی کے مختلف طبقوں میں حائل ہے۔ امیر غریب سے جھجک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور غریب امیر سے۔ ایک طبقہ اپنی ہمدردی و رہنمائی باز رکھتا ہے اور دوسرا اپنی متابعت اور عزت ۔

بجائے پرانے اصول کے کہ دنیا کی فرمانروائی شفقیانہ اور صادق محافظت سے کیجائے جسمیں دولت کی کمی بیشی قدرے قدرے ان لوگوں کی طبعی سخاوت اور الفت سے پوری ہو جو اعلےٰ النسل ہوں۔ اب فرمانروائی یہ ہے کہ خود غرضی بلا خیال غیری۔ ہماری دنیاوی جولانگاہ میں عصا کا کام دیتی ہے۔ اور جو چیز کہ ہمارے سد راہ ہو وہ ہمارے گرسنہ قدموں کے نیچے پائمال کر دیجائے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ نوکر اور آقا میں ہمدردی معدوم ہوتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے صنعتی شہروں میں آقا اور مزدور ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ اور ان کے دل میں ایکدوسرے کی مطلق ہمدردی نہیں۔ اگر مزدور زیادہ اجرت لینا چاہتے ہیں یکلم بند کر دیتے ہیں۔ اگر مالک مزدوروں کو کم اجرت دینا چاہتے ہیں کارخانہ بند کر دیا جاتا ہے۔ دونوں طرف جتھے ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک مجلس منعقد ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ بعض اوقات اچھا ہوتا ہے بعض اوقات برا۔ شورش جاری رہتی ہے۔ اور بڑی قبیح حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ بعض اوقات مالک کے گھر کو آگ لگا دی جاتی ہے۔ اسپر فوج کے دستے اور سپاہی طلب ہوتے ہیں۔ اور پھر کوئی سانس نہیں لیتا۔ مگر افسوس دونوں فریقوں کے دل اور دماغ کو کیسا ضرر پہنچتا ہے !

اور اب ہم خانگی نوکری کا کیا تذکرہ کریں ؟ ہمدردی کی ضرورت کم از کم بڑے بڑے شہروں میں کالعدم ہوتی جاتی ہے۔ ہمیشہ علے التواتر ایک انقلاب پیدا رہتا ہے۔ یعنی ایک گروہ نوکروں کا جگہ خالی کرتا ہے اور دوسرا جانشین اُن کی جگہ آموجود ہوتا ہے۔ اور پھر ہمارے خاندان صرف تبادلے کے اصول پر حیات بسری نہیں کر سکتے کیونکہ "جتنے دام اتنا کام" والا معاملہ ہے۔ ہمکو چاہیے کہ جب نوکر ہمارے گھر میں پہلے پہل قدم رکھیں ہم اُن کو اپنے خاندان کا ایک رکن سمجھیں۔ مگر اب معاملہ بالکل دگرگوں ہے۔ نوکر گو اُسکی امداد ہماری روزمرہ کی

آسائش کے واسطے ضروری ہے۔ ایک مزدور سمجھا جاتا ہے جو کہ جس قدر اُسکو تنخواہ دیجائے اُسیقدر مقررہ کام کرتا ہے یہ باورچیخانے میں رہتا ہے اور سب سے الگ سوتا ہے۔ اس کے سوا اسکو کسی جگہ سے کچھ تعلق نہیں بجز اس کے کہ جہاں اس کا کام ہو بس وہاں یہ موجود رہو۔ آقا اور نوکر میں باہم ہمدردی کا نام نہیں۔ اور بس ایسا ہے کہ گویا یہ مختلف ممالک میں رہتے ہیں۔ اور مختلف زبانیں بولتے ہیں ٭

ایک لیڈی ہمکو اپنی ملکے کا حال لکھتی ہے۔ جو کہ اپنے آقا رابرٹ ڈک کے ساتھ رہتی تھی۔ اور گو نہ تو کچھ صلہ لیتی تھی نہ اُجرت۔ مگر اس کا نام اسکی وفات کے بعد معدوم نہ ہوا۔ یہ لیڈی لکھتی ہے: "اسکی محبتانہ روح فی الحقیقت بہت قابل اور سزاوار ہے۔ اور نہایت غم ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دہقانوں اور زمینداروں میں بھی یہ کمیاب ہوتی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا حق ہے کہ جہاں یہ ہو وہاں اسکی تمنا ہو۔ کیونکہ فی زمانہ تغیر ایسا متواتر اور تیز ہے کہ تمام پرانے خیالات معکوس ہوتے جاتے ہیں۔ اس نوکر کو جو الفت اپنے آقا سے تھی جو کہ اُس کے اور اُسکی اولاد کے ساتھ کالعدم ہو گئی۔ مجھکو خوف ہے کہ اب جو نسل دنیا میں قدم رکھیگی بالکل اس سے نابلد ہوگی۔ میں اکثر بہت پیچ و تاب کھاتی ہوں۔ جب آقاؤں اور نوکروں میں باہم ہمدردی کی مفقودی سنتی ہوں یا اسکے بارے میں کسی کی رائے پڑھتی ہوں۔ گویا۔ ریل۔ آگبوٹ۔ اور قدرے علم کی شُدبُد اس تغیر کو برقرار رکھینگے جو ہماری طرف سے نوکروں کے دل نشین ہوتا جاتا ہے۔ یہ تغیر کے آرزو مند ہیں اور بغیر اسکے مطمئن نہیں ہو سکتے ٭"

ہمدردی کی ضرورت سوسائٹی میں پھیلتی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہمکو چاہیئے۔ نہ تو ہم ایک دوسری کو جانتے ہیں۔ اور نہ ایک دوسرے کی کچھ پرواہ کرتے ہیں۔ خود غرضی کی جڑ ہمارے دل کی تہ میں بیٹھی ہوئی ہے شادمانی یا دولت کا شائق بننے سے انسان سخت اور بے پرواہ ہوتا جاتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنے راہ جانے کا خواہاں ہے اور دوسروں کے خیالات کی اُسے مطلق پرواہ نہیں ہم یہ ہرگز نہیں خیال کرتے کہ ان کو مدد دیجائے جن کے بوجھ ہمارے بوجھ سے زیادہ وزنی ہیں۔ مرحوم ٹالفورڈس کے آخری الفاظ نے اس قسم کی حالت کی مضرت خوب سمجھا دی ہے! یہ انسان کو جرم اور دغابازی سے لاپرواہ کر دیتی ہے۔ اُخوت تسلی کو مطلق نہ سمجھکر یہ محض خود غرضی سے اور تنگ نظری سے اپنی سودمندی کے درپئے ہوتے ہیں۔ نہ تو کسی بدن کا خیال ہے نہ کسی روح کا۔ نہ کسی کی جان کا اور نہ کسی کے مال کا ٭

کاہل اور خود غرض شخص دنیا کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ یہ لاچار یا مفلس کی امداد کیواسطے کچھ نہیں کرتا۔ یہ کہتا ہے "مجھکو ان سے کیا غرض؟ یہ جانیں انکا کام جانے میں کیوں ان کی مدد کروں؟ انہوں نے تو میرے واسطے کچھ کیا نہیں! یہ مصیبت میں ہیں؟ یہ ہمیشہ دنیا میں مصیبت بھگتیں گے جس کا کچھ چارہ نہیں اسے برداشت

کرنا چاہیے۔ خواہ سینکڑوں برس گزر جائیں۔ ہنوز روز اوّل !"

وہ شخص جس کا مقولہ ہے "کچھ پرواہ نہ کرو" شاید ہی اُس مرض میں کبھی آواز سے جان پڑے۔ اپنی ہمیشہ عشرت۔ اپنے کاروبار۔ یا اپنی سستی میں ایسا پھنستا ہے کہ وہ دوسروں کی پُرزور دعاوی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ مفلسی۔ جہالت یا مصیبت کی بحث سے یہ دق ہوتا ہے۔ یہ کہتا ہے "اُن کو خود کام کرنے دو"۔ اسمیں شک نہیں کہ اگر سلاتھ (ایک قسم ہے بندر کی جو سستی میں ضرب المثل ہے) کا اس شخص سے مقابلہ کیا جائے جس کا مسئلہ "کچھ پرواہ نہ کرو" ہے تو اوّل الذکر چست و چالاک نکلے۔

مگر اُس شخص کو بھی جو "کچھ پرواہ نہ کرو" پر کاربند ہے ایسی آسانی نہیں ہوتی جیسی یہ خیال کرتا ہے۔ وہ شخص جو دوسروں کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ شخص جو دوسروں کی نہ معاونت کرتا ہے نہ اُن سے ہمدردی کرتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہی صلہ پاتا ہے۔ وہ اس وبائی ہوا کی پرواہ نہیں کرتا جو اُس کے مکان سے دو چار کوچے نکلکر لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ مگر وہ بخار وہاں پھیلتا ہے۔ وہ اس کے مکان تک بھی پہونچ جاتا ہے۔ اور ان کا شکار کرتا ہے جو سب سے بڑھکر اس دنیا میں اسکے پیارے اور آرام جان ہیں۔ یہ مفلسی۔ اس جہالت اور اُس گنہگاری کی پرواہ نہیں کرتا جو وہاں جمع ہوتی ہے۔ مگر چور اور لٹیرے اسکی گوشہ نشینی میں بھی اسکو آ دباتے ہیں۔ یہ غریبی کی پرواہ نہیں کرتا۔ مگر غریب خانے کا ششماہی چندہ[۱] اسکو دینا پڑتا ہے۔ یہ معاملات سلطنت کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ مگر جنگ کا ٹیکس لگتا ہے اور وہ اُسے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر بعد میں اسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ "کچھ پرواہ مت کرو" بھی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اور یہ کوئی سستی حکمت عملی نہیں۔

"کچھ پرواہ نہ کرو" وہ شخص تھا جس پر ذیل کا مشہور الزام عائد ہوتا ہے:۔

"اک کیل کے نہونے سے گھوڑے کا تھا جو نعل
بدقسمتی سے راہ میں ایکجا اتر گیا
گھوڑا عدم کو راہی ہوا نال گرنے سے
مرکب چلا عدم کو تو راکب بھی مر گیا"

گیلیو ایک ایسا شخص تھا جو "کچھ پرواہ مت کرو" کا بندہ تھا اور جسکی بابت کہتے ہیں کہ "وہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرتا تھا"۔ اصل یہ ہے کہ عموماً وہ شخص جو گیلیو کی طرح "کچھ پرواہ نہ کرو" کے بندے ہیں

[۱] لندن میں متمول غریب خانے بعض چندہ بطور ٹیکس کے ادا کرتے ہیں۔

بد انجام کو پہونچتے ہیں ٭

وہ شخص جو سیاست مدن سے بہرہ ور ہیں کہتے ہیں کہ نوکر اور آقا کا تعلق صرف ایک قسم کا تبادلہ زر ہے یعنی "جتنے دام اُتنا کام" علم سیاست مدن میں تو شک نہیں کہ ان کو اس تفرقہ کی تمیز کرنا لازمی ہے لیکن عالم اخلاق ۔ فلسفی ۔ مدبر اور انسان کو آقا اور نوکر کے تعلقات کو ایک معاشرت کے سلسلے سے پیوستہ تسلیم کرنا چاہیئے جس سے کہ ہر دو فریق بہ حیثیت بنی نوع کے وہ فرائض اور شفقتیں واجب ہیں جو عام ہمدردی سے وجود پذیر ہوتی ہیں اور ان حیثیتوں سے جو ان کی علیحدہ علیحدہ ہیں ۔ فی الحقیقت دونوں طرف سے مہربانی ہونی چاہیئے اور ساتھ ہی وہ ادب جو انسان کا واجب ہے بغیر اس قسم کے ادب کے جو کہ صرف ایسی جگہ موجود رہ سکتا ہے جہاں انسان کا مرتبہ بہ حیثیت جاندار روح کے گھر گئے ہوئے ہے یقیناً ہی صرف نہیں بلکہ سوسائٹی کی حالت کی اصلاح اور بہبود کے خیالات بھی مایوسانہ ہیں ٭

سڈنی سمتھ کا بیان ہے "اسمیں شک نہیں کہ وہ شخص جو بنی نوع کی بہبود سے بے بہرہ ہے اُس مدرسہ کا تعلیم یافتہ ہے جسمیں اپنے ذاتی نفع کی تعلیم دیجاتی ہے ۔ وہ شخص ایسا سخت ہوتا ہے کہ اگر اسپر ایک گاڑی کیوں نہ گذر جائے اُسے بالکل خبر نہیں ہوتی ۔ اگر ایک برما لیکر اُسمیں سوراخ کیے جائیں تو بجز برادہ چوب کچھ نہ نکلیگا ۔ اس مدرسہ میں اس طور پر تعلیم ہوتی ہے کہ گویا انسان صرف ذاتی آلیہ ہیں ۔ اور دوسروں کے خیالات یا دل کا کبھی ان کے فہم میں گذر بھی نہیں ہوتا ٭"

ہماری ایمانداری ۔ نمک حلالی ۔ اور بے لاگی کہاں گئی ؟ وفاداری کا انعدام معلوم ہوتی ہے اب معاملہ ہے زر کا ۔ باہمی ادب رخصت ہو گیا ہے ۔ ہربرٹ کا مقولہ ہے "جو کسی کا ادب نہیں کرتا کوئی اُسکا بھی ادب نہیں کرتا" اگر ہمکو اپنے رہنمائی مسائل دیکھنا ہوں تو ہمکو زمانہ قدیم میں پہونچنا چاہیئے کیونکہ فی زمانہ مزدور کا لحاظ آقا کے دل میں نہیں ۔ اور آقا کا لحاظ نوکر کے دل میں مفقود ہے ۔ بہت برسوں تک انگلستان میں یورپ کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں مزدوروں کو زیادہ اُجرت ملا کرتی تھی ۔ مگر اب وہ زمانہ ختم ہو گیا ہے ۔ ریلوے اور اگنبوٹ کا مقتضا یہ ہے کہ قریباً تمام ملک میں اجرت یکساں ہو جائے اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ بلا استثنائے ہر مرتبہ کے آدمی کو نئی طرز زندگی اختیار کرنا پڑے گی ٭

یہ علمی تربیت نہیں ہے جسکی اسقدر ضرورت ہے جسقدر عادات ۔ غرض فکر اور چال چلن کی ۔ دولت سے ہم اعلےٰ سے اعلےٰ قسم کی شادمانیاں نہیں خرید سکتے ۔ بلکہ یہ دل ہے ۔ مذاق ہے اور قوت فیصلہ ہے جو انسان کی شادمانی کو مہیا کرتی ہے ۔ اور اسکو اعلےٰ درجہ کی انسانیت کے مرتبہ پر پہنچاتی ہے ۔ چنانچہ برن شاعر کہتا ہے ۔

نہ مراتب نہ خطابات یہ طاقت پائیں
اور نہ دنیا کے زر و مال یہ ہمت لائیں
کہ کبھی امن اور آرام خرید سے جائیں
گو بزرگی ملے دانائی ملے یا دولت
دل کو جب تک کہ نہ حاصل ہو خوشی سے وصلت
نہیں ممکن ہو میسر کبھی ہمکو برکت

ایک شخص جسکو مشاہدے کا بہت ملکہ تھا کہتا ہے کہ جسقدر مصائب دولت کے اس پار ہیں اُسی قدر اُس پار ہیں۔ متمول شخص میں وہ مادہ زائل ہو جاتا ہے جس سے یہ اس دولت میں ترقی کرنے کے واسطے جو اسکو حاصل ہوئی ہے اپنی کوششوں میں مشکلات کا سامنا کرے۔ مگر جو کچھ اسکو حاصل ہوا ہے یہ اس سے کیا کرتا ہے؟ اگر بجز روپے کے جمع کرنے کے اور کوئی ذریعہ نہیں تو مصیبت ناک ہوتا ہے۔ یہ شخص اُس پیر شمع ساز کی طرح ہے جسکی شادمانی کا اور کوئی ذریعہ نہیں بجز اسکے کہ پر امن دن کو اپنی پرانی دوکان پر چلا جائے اسکو مطلق یہ تعلیم نہیں ملتی کہ کتب بینی سے اسکو مسرت حاصل ہو یا علمی ترقی میں دلچسپی ہو۔ اور ان بے تجربہ طریقوں کو اختیار کرے جو مصیبت میں سبکدوشی دیتے ہیں۔ مگر تاہم اسکے ہاتھ میں جادو کی چھڑی ہے یعنی زر جو مصیبت سے سبکدوش کر سکتا ہے۔ اور فاقہ کشوں کی احتیاج پوری کر سکتا ہے۔ اس شخص میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ بھوک کی آہ و نالہ کو روک دے۔ اسکو اتنی دستگاہ ہوتی ہے کہ کسی بیوہ یا یتیم کا دل بشاش کر دے۔ مگر نہیں ایسا اس روپے کی ہوس نے کیا ہے بہ نسبت لاچار اور مصیبت ناک لوگوں کی فلاح اور بہبود کے زیادہ پرواہ کرتا ہے ٭

جس قدر ہمکو کم خواہش ہوتی ہے اُسیقدر ہم پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ اور زیادہ خوش رہتے ہیں۔ کیونکہ جسمیں خود غرضی نہیں ہے اسکی عمر بدی کی بیخ کنی کرتی ہے۔ خواہشوں کو سرد کر دیتی ہے۔ روح کو تقویت دیتی ہے۔ اور دل کی اعلےٰ مدعا تک رسائی کرتی ہے۔ سقراط کا قول ہے۔ "جسقدر کم چیزوں کی کسی شخص کو احتیاج ہے اُسیقدر اللہ تعالےٰ سے اسکو قرب حاصل ہے"۔ جب میکائیل انجیلو کا نوکر اربنو بستر مرگ پر پڑا۔ اسکا ضعیف بت تراش آقا شب و روز باوجود اپنے افکار کے اُسکی نگرانی کرتا رہا۔ چنانچہ وساری کو اپنا حال یہ اسطرح لکھتا ہے "مشفق من مجھ سے گو کسی طرح نہ لکھا جائیگا مگر میں آپکے ارشاد کا جواب لکھتا ہوں۔ اربنو آپ جانتے ہیں فوت ہو گیا۔ یہ حادثہ میرے حق میں خداوند تعالیٰ کی ایک مہربانی بھی ہے اور جانکاہ رنج و الم بھی یعنی مہربانی اس وجہ سے کہ وہ جس نے

تمام عمر میری خبر گیری کی ۔ مرتے وقت مجھکو صرف بلا افسوس مرنا ہی نہیں سکھلا گیا بلکہ موت کا خواہاں ہونا بھی ۔ یہ ۲۶ سال کامل میرے ساتھ رہا ۔ اور ہمیشہ نیکبخت ۔ ہوشیار اور وفادار رہا ۔ میں نے اس کو غنی کر دیا تھا ۔ مگر جس دم میں نے اسے اپنی ضعیف العمری کا عصا سمجھکر اسپر ہاتھ ڈالا ۔ یہ فرار ہو گیا اور مجھکو بس صرف ایک اُمید پر چھوڑ گیا کہ پھر عالم بقا میں اسے ملوں گا" ۔

ڈائیونیسیس نے کتنے اشخاص سے اس طرح خطاب کیا تھا :- "اپنے نوکروں کے ساتھ اسی طرح کلام کرو اور پیش آؤ جس طرح تم سمجھتے ہو کہ اگر تم بجائے نوکر کے ہو اور تمہارا آقا تمہارے ساتھ پیش آئے اور کلام کرے ۔ میاں اور بی بی دونوں کو اپنے نوکروں سے شفقت ۔ صبر ۔ انکساری اور تحمل سے پیش آنا چاہیئے ۔ اور ساتھ ہی انصاف کو بھی ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ۔ ان کو کبھی نوکروں سے ترش روئی یا تکبر سے ہرگز نہ گفتگو کرنی چاہیئے لیکن بالفرض اگر گھر میں کوئی قصور سرزد ہو تو اُن کو بردباری اور نیکبختی سے برداشت کرنا چاہیئے ۔ یا سخاوت سے اُسکی درستی کرنی چاہیئے ۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم گنہگار بندے اُس ارحم الراحمین کے ہر روز کسقدر قصور کرتے ہیں اور وہ اُس کے عوض ہمپر اپنا رحم مبذول فرماتا ہے" ۔

ہم صرف تنہا اپنے ہی واسطے سعی اور محنت نہیں کرتے ۔ بلکہ جیسے اپنے واسطے ویسے ہی غیروں کے واسطے ۔ دنیا میں اخلاقی قوانین ۔ قرابتی تعلقات ۔ اہل و عیال کی اُلفت ۔ خانگی حکومت اور بھلائی ایسی ہیں جو بہ نسبت خود اپنی شادمانیوں و ادائیگی زر کے اعلےٰ درجہ پر ہیں اور زیادہ شریفانہ خیالات پر مبنی ہیں ۔ ہمکو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ ہم کس طرح اپنے خیالات کو خود اپنے آپ میں مجتمع کرتے ہیں ۔ اور ٹیٹس کا مقولہ ہے "وہ شخص جو دولت کا عاشق ۔ یا شادمانی کا عاشق ۔ یا عیش کا دلدادہ ہے ۔ کبھی بنی نوع کا شیدا نہیں ہو سکتا" ۔ اور سنٹ انتھنی کا قول ہے "درحقیقت بنی نوع کا عاشق بننا زندہ رہنا ہے" ۔ چنانچہ اسطرح محبت نیکی کا عالمگیر اصول ہے ۔ یہ محبت انسانی ذکاوت میں جوبن پر آتی ہے ۔ اور صرف یہی نسل انسان کے غم و الم کا علاج ہے ۔ اور یہ خوشگوار ہے ۔ عمل میں ۔ علم میں ۔ منطق میں ۔ اطوار میں ۔ قانون میں اور فرمانروائی میں ۔

وہ بے اختیار کراہیت جو کمینے پن اور ارتکاب جرم سے دل میں پیدا ہوتی ہے ۔ ہوشیاری کی اُلفت سے جدا ہونے کے قابل نہیں ہے ۔ فرائسرٹ ۔ گیسٹن ڈی فائکس کے بارے میں کہتا ہے کہ "یہ ایک ایسا شخص تھا جو ہر ایک امر میں ایسا محتاط رہتا تا کہ اسکی تعریف حد تک ہو سکتی تھی ۔ جو امر قابل الفت تھا یہ اُسکا شیدائی تھا اور جو قابل نفرت تھا ۔ یہ اس سے سخت متنفر تھا" ۔ قریباً یہی

سنٹ آگسٹائن کہتا ہے "نیکی بجز اس محبت کے جو رہ راست پر ہو اور کچھ نہیں۔ یہ ہمکو ترغیب دیتی ہے کہ اس سے محبت کریں جو قابل محبت ہو اور اُس سے نفرت کریں جو قابل نفرت ہو"۔

ایک اور پادری کہتا ہے "پرہیزگاری کیا ہے؟ وہ محبت ہے جس سے کوئی شادمانی حاصل نہیں ہوتی۔ کفایت شعاری کیا ہے؟ وہ محبت ہے جو کسی غلطی پر آمادہ نہیں کرتی۔ بُردباری کیا ہے؟ وہ محبت جو دلیری سے بدبختی کو برداشت کرتی ہے۔ انصاف کیا ہے؟ وہ محبت جو اس زندگی کی ناسازیوں کو ایک سحر سے یکجا جمع کرتی ہے"۔ یونانی حکیموں کو بھی اس تعجب خیز طاقت کی تمیز تھی۔ چنانچہ سقراط کہتا ہے "محبت کی ولادت سے پہلے احتیاج کی سلطنت میں بہت سی خوفناک امور سرزد ہوسکتے تھے۔ مگر جس دم یہ دیوتا پیدا ہوا سب چیزوں تک انسان کی دسترس ہوگئی"۔

غرض۔ مہربانی اور دوسروں کا خیال ہمیشہ خود اپنا صلہ دیتے ہیں۔ یہ اُن کی طرف سے جن کے ساتھ ان سے سلوک کیا جائے بہت کچھ شکرگزاری کی جزا دیتے ہیں۔ اور پھر اسقدر رضامندی اور تعجیل سے خدمت کی جاتی ہے۔ جو صرف زر سے ہرگز نہیں حاصل ہوسکتی۔ ہمدردی گھر کی سچی گرمجوشی اور نور ہے جو بی بی کو نوکروں سے۔ خاوند کو عورت سے۔ والد کو والدہ اور بچوں سے پیوستہ کرتا ہے۔ اور جس جگہ یہ نہ ہو وہ گھر کبھی سچی خوشی سے مشرف نہیں ہوتا۔ اور نہ تمام گھر ایک طور کے خانگی الفت اور اتحاد کے سلسلہ میں مسلسل ہوتا ہے۔

مرحوم سر آرتھر ہیلپس اپنے مضامین میں لکھتے ہیں "اگر تم کسی شخص کو دیکھتے ہو جو روز بروز متمول ہوتا جاتا ہے۔ یا مرتبے میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ یا اپنے کاروبار میں زیادہ مشہور ہوتا جاتا ہے۔ تو تم سمجھتے ہو کہ یہ اپنی زندگی میں بامراد ہے لیکن اگر اُسکے مکان میں ایسی بے ترتیبی ہے کہ جہاں تمام خاندان میں کوئی سلسلہ الفت کا نہیں۔ اور اُسکے متعلقین اسکے ساتھ اپنے اس چند روزہ قیام کو شفیقانہ کاموں یا لفظوں سے خالی پاتے ہیں۔ تو مجھکو یقین ہے کہ یہ شخص بامراد نہیں۔ خواہ یہ دنیا میں کیسا ہی خوش نصیب ہو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اس نے ایک نہایت ہی ضروری قلعہ اپنے پیچھے بغیر سر کیئے چھوڑ دیا ہے۔ اس مرد یا عورت کی زندگی ہرگز اچھی نہیں جسمیں فیاضی نے سکونت نہیں پکڑی۔ گو اس سے روشنی کی کرنیں نکلکر مختلف اطراف میں عود کریں لیکن محبت کا ایک گرمجوش نقطۂ انعکاس ہونا چاہیئے۔ اور یہ نقطۂ انعکاس بطور ایک آشیانہ کے ہے جو ہر ایک نیکبخت کے دل کے گرد بنتا ہے"۔

چودھویں صدی کے ایک نامعلوم الاسم مصنف نے خانگی آسایش کی ایک جادو بھری تصویر کھینچی ہے جسمیں ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شریف خاندانوں کے نوجوان جب کبھی ان کے والد اپنے

احباب کی ضیافت کرتے تو یہ میز پر کھانا چُنا کرتے ۔

گارڈون وینس کے عالی خاندانوں کی تعریف کرتے وقت خاصکر اُن کی اُس آزادروی اور مہربانی کا ذکر کرتا ہے جس سے یہ اپنے نوکروں سے پیش آتے تھے ۔ یہ ان کو حد درجہ کا شریف اور انسان قرار دیتا ہے ۔ شریف اور جنگجو وکٹیس کا ذکر ہے " یہ اپنے تمام زیردستوں کا حکومت کی نسبت عقلمندی سے زیادہ تر آقا بنا ہوا ہے ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اسے دیکھے تو بجائے صاحب خانہ سمجھنے کے اُسپر خانساماں کا گمان کرے " ۔

ہماری رائے میں اس ہمدردی کا تذکرہ کرنا شاید ہی ضروری ہو جو مکان سے تعلق رکھتی ہے ۔ سیائسرو کا قول ہے " پہلی سوسائٹی شادی میں ہے ۔ دوسری خاندان میں اور پھر سلطنت میں " جو شخص حیثیت والد کے اپنے اہل و عیال پر حکومت کرتا ہے بجائے فرمانروا کے ہے ۔ مگر اسکی طاقت میں اس کے محکوموں کے ساتھ ہمدردی ہی چاہیئے ۔ جس قدر ترقی ہوتی ہے سب کی ابتدا گھر سے ہے ۔ اور اس منبع سے خواہ پاک صاف ہو خواہ غلیظ ۔ وہ اصول اور مسائل نکلتے ہیں جو سوسائٹی پر حکومت کرتے ہیں ۔ والدین کی اغراضی قوت ہمدردی اور اُلفت ہے " جین پال رشٹر کی رائے ہے " نہایت ہی شریف اور نہایت ہی عمدہ صفت جس سے قدرت اناث کو نسل کے نشوو بہبود کیواسطے موصوف کرسکی اور کرنا چاہیئے وہ محبت تھی ۔ جو نہایت ہی متحرک مگر تاہم بے صلہ ہے ۔ اور ایک ایسی غرض کیواسطے جو خود اُس سے غیر شناسا ہے ۔ بچہ کی خاطر اُلفت بوسے اور شب بیداری ظہور پذیر ہوتی ہے ۔ مگر ابتدا میں یہ اسکا جواب صرف تردید سے دیتا ہے ۔ اور اس طرح وہ ضعیف انسان جسکو بہت کچھ احتیاج ہوتی ہے بہت ہی کم عوض دیتا ہے ۔ مگر والدہ اپنے تصدق میں سرگرم ہے ۔ اور یہی نہیں بلکہ جس قدر بچہ کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ناشکری اس سے ظاہر ہوتی ہے ۔ اسکی محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔ اور پھر اُسکو اسیطرح کمزور سے کمزور بچے کا زیادہ خیال ہوتا ہے جس طرح والد کو زبردست سے زبردست بچے کا " ۔

والدین پر تو مکان کی حکومت منحصر ہے ۔ اور والدہ پر اسکا انتظام ۔ مگر کیا والد نے مکان پر مہربانی اور خود ضبطی سے حکومت کرنا سیکھ لیا ہے ؟ اور کیا والدہ نے وہ تمام ہنر سیکھ لیئے ہیں جن سے مکان جائے آرام و با آسائش بن جاتا ہے ؟ اگر نہیں تو شادی الفاظ اور افعال کی دنیا میں نہایت خوفناک جدوجہد ہے ۔ سر آرتھر ہیلپس کہتے ہیں " فی الحقیقت میں قریباً شک کرتا ہوں کہ آیا وہ صاحب خاندان جو بے ہمدرد ہو زیادہ ضرر نہیں پہونچا سکتا اگرچہ وہ منصف بھی ہو " ایک حسین عورت تھی جس سے اسکا شوہر علیحدگی چاہتا تھا ۔ اسپر اس عورت نے کہا " تو جو کچھ میں لائی تھی وہ مجھ کو واپس کر دو " شوہر نے جوابدیا " بہتر ہے "

تمھاری دولت تمکو ملجائیگی"۔ عورت بولی: "مجھکو دولت کا خیال نہیں ہے۔ میرا حقیقی مال و متاع مجھکو واپس دو۔ یعنی میرا حُسن اور نوجوانی واپس دو۔ میری روح کی دوشیزگی مجھکو واپس دو۔ اور وہ بشاش دل واپس دو۔ اور وہ دل جو کبھی مایوس نہیں ہوا"۔

انسان کے خوش رہنے کیواسطے اسکا ایک ہم روح اور ساتھ ہی ہم معاون ہونا چاہیئے۔ اور دونوں کو صادق۔ باعصمت اور ہمدرد ہونا چاہیئے۔ اور اُن کو چاہیئے کہ اپنے بچوں پر شفقت کریں۔ خاندانی زندگی میں بہت سی آزمائشیں ہیں۔ لیکن ہم ایثار اور خود ضبطی سے ان پر غلبہ پاسکتے ہیں۔ **ٹرٹولین** کہتا ہے: "قناعت عورت کا زیور اور مرد کی کسوٹی ہے۔ لڑکا تک اسکی عزت کرتا ہے اور نوجوان تک اس کا ثنا خوان ہے۔ اور ہر عمر میں یہ خوبرو ہے"۔ **ڈان انٹونیو ڈی گوٹوارا** وینیشیا کے ایک بھلے مانس کو شوہر کے فرائض کی تعلیم دیتے وقت اُس سے کہتا ہے کہ اگر کسی غضبناک شخص کے کلام کا جواب دینا چاہتا ہے۔ تو نہ تو سمیسن کی قوت اور نہ حضرت سلیمانؑ کی دانشمندی اسکے واسطے کافی ہیں۔ لہذا قناعت اور بُردباری چاہیئے یعنی ایک تولہ مسرت بھری نیکی منوں غمگینی سے زیادہ قیمتی ہے۔

کسی عورت کی زندگی بیرونی صورت سے نہیں دیکھی جاسکتی۔ اور اس سے کمتر حال اندرونی زندگی کا ہے۔ لیکن ان دونوں کیواسطے سب سے بڑھکر سامان ہوشیاری سے دلسوزی کیواسطے تیار ہونا ہے اور یہ تیاری عورت کی قدرتی میراث ہے۔ ہم اس لفظ کی تعریف نہیں کرسکتے۔ یہ نظر آیا ہے کہ وری میں کسی شخص پر ضرورت انحصار میں۔ اعتماد میں۔ اعتبار میں۔ تقدیس میں۔ اور خدمت میں۔ اور یا بقدر یہ دیکھی گئی ہے۔ زبردستی میں جس سے عورت برداشت۔ حفاظت۔ حمایت اور امداد کے قابل ہوتی ہے۔ ہم اسکو اس سررشتہ میں لیتے ہیں جو اس استحکام میں جو فرض کی صرف متابعت کرتا ہے اس شرافت میں جو زیر رہتی ہے اور اُس خود وقفی میں جو غالب آتی ہے نہایت تعجب خیز قوت بخشتا ہے۔ جو سچی عورت ہوتی ہے وہ اپنے خاوند کے شغلوں میں ہمدردی کرتی ہے۔ یہ اسے بشاش کرتی ہے۔ اسے ترغیب دیتی ہے۔ اور اسکی مدد کرتی ہے۔ یہ عورت اسکی کامیابی اور شادمانی کا حظ اُٹھاتی ہے۔ اور حتی الامکان بہت ہی کم اسکو رنجیدہ ہونے دیتی ہے۔ **فاراڈے** ۲۰ سال کی عمر میں ایک عرصہ دراز کی پُرمسرت شادی کا لطف اُٹھا کر اپنی عورت کو اس طرح لکھتا ہے: "جان من میں بے چین ہوں کہ تم سے ملاقات کروں۔ باہم ملکر مشورہ کروں۔ اور اُن مہربانیوں کو یاد کروں جو تمھارے ہاتھوں مجھکو نصیب ہوئیں۔ میرا دل اور نیز دماغ دونوں پُر ہیں۔ مگر میرا حافظہ نہایت عجلت سے نکما ہوتا جاتا ہے خواہ اُن

احباب کا ہی خیال کیوں نہ ہو جو میرے پاس اسوقت میرے کمرے میں موجود ہیں۔ تم اپنی وہ پرانی خدمت پھر اختیار کرو کہ میرے دل کا تحیہ بنو۔ اور میرے واسطے آسائش اور مسرت وہ زوجہ بنو" ؛

چارلس لیمب سے بڑھکر کوئی شخص ہمدرد نہ تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی ہو جسکو اسکی زندگی کا سہمناک حادثہ نہ معلوم ہو یعنی ابھی اسکی عمر ۲۱ سال ہی کی تھی کہ اسکی ہمشیرہ میری نے جنون کے دورے میں اپنی والدہ کو قتل میں ایک تیز چاقو مار دیا۔ اس کے بھائی نے اسیدم سے ارادہ کر لیا کہ یہ اپنی زندگی اپنی "بیچاری شفیق اور پیاری" ہمشیرہ پر تصدق کر دیگا اور فی الفور اپنی مرضی سے اسکا ہمراہی بن گیا۔ چنانچہ اسنے عشق و محبت اور شادی کا تمام خیال ترک کر دیا۔ اور فرض کے زبردست رعب میں آکر اسی گرویدگی پر قائم رہا جسکو اس نے اختیار کیا تھا۔ اسکی آمدنی شاید ہی ۱۰۰ پونڈ سالانہ تھی۔ چنانچہ اس آمدنی سے اس نے تنہا زندگی کا سفر اختیار کیا اور اپنی ہمشیرہ کی الفت سے محصور رہا۔ اور نہ عیش و عشرت اور نہ محنت و مشقت کبھی اسے اسکے مدعا سے باز رکھ سکیں ؛

جسوقت اسکو مجنونوں کے شفاخانے سے رہائی ملی۔ اس نے اپنا وقت "ٹیلز فرام شیکسپیئر" اور اور کتب کی تالیف میں وقف کیا۔ ہیزلٹ اس کا ذکر کرتا ہے کہ جہاں تک مجھکو علم ہے یہ نہایت ہی ذی فہم عورت تھی۔ گو اسے اپنی تمام عمر میں متواتر جنون کا دورہ ہو جاتا تھا۔ اور بارہا ایسا ہوتا تھا کہ دائمی دیوانگی میں قریباً کچھ شک ہی نہ رہتا تھا۔ جب جنون کا دورہ اسے آنے کے قریب ہوتا۔ چارلس لمب اسکا ہاتھ پکڑکر ھیکسٹن اسائلم (شفاخانہ مجنونان) میں لیجاتا۔ ان دونوں بھائی بہنوں کو اس طرح دست بدست اور آنسو بہاتے ہوئے ایسے غمناک کام پر جاتے دیکھنے سے لوگ بہت متاثر ہوتے۔ چارلس لیمب کے ہاتھ میں مجنونوں کی قمیص ہوتی اور یہ اسے لیجاکر شفاخانہ کے افسروں کے حوالے کرتا۔ جب میری لمب کے ہوش و حواس بجا ہوتے۔ یہ اپنے بھائی کے پاس واپس آتی اور یہ نہایت خوشی سے اسکا استقبال کرتا۔ اور حد درجہ کی الفت سے اس سے پیش آتا۔ چنانچہ یہ کہتا ہے: "اسنے خدا محبت کرتا ہے لہذا ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں باہم ایک دوسرے سے کم محبت کریں" چالیس سال تک ان دونوں میں باہم الفت رہی۔ اور اس عرصے میں کبھی ان میں باہم رنجش یا ناچاقی نہ ہوئی۔ البتہ گاہے گاہے میری لمب کے جنون کی وجہ سے اس کے دماغ میں فتور آجاتا۔ غرض لیمب نے اپنا فرض نہایت شرافت اور جوانمردی سے ادا کیا۔ اور جس کا کہ مناسب صلہ اسکو حاصل ہوا ؛

دوسروں کے ساتھ جو ہمدردی کیجاتی ہے وہ بعض اوقات اس خواہش میں ظاہر ہوتی ہے جو ان لوگوں کی جان بچانے کے واسطے دل میں پیدا ہو جو خطرے میں ہوں۔ ہم اب تک اس قسم کی بہت سی

مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ مگر ابھی ایک اَور باقی ہے۔ ایک روز لیڈی **واٹسن** لب سمندر اپنے عجائب خانے کے واسطے گھونگے جمع کرتی پھرتی تھی۔ نظر اُٹھانے پر اُسے ایک شخص تنہا ایک اونچی چٹان پر کھڑا ہوا دکھلائی دیا۔ اس چٹان کے چاروں طرف پانی تھا۔ اور اسکو معلوم نہ تھا کہ یہ کون شخص ہے مگر یہ بیچارہ قریب تھا کہ راہیٔ عدم ہو۔ اور لیڈی نے اُسکی جان بچانے کا ارادہ کیا۔ مد اسوقت نہایت تیز تھا۔ اور موجیں نہایت شدت سے کنارے پر چڑھ رہی تھیں۔ اس مصیبت زدہ شخص کی ایسی خطرناک مقام سے رہائی قریباً ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ مگر پھر بھی اس لیڈی نے کشتی بانوں کو بلایا۔ اور اقرار کیا کہ جو شخص سمندر میں جاکر اس شخص کو بچائے گا۔ اُسے بہت کچھ انعام ملیگا۔ پہلے تو اُنہوں نے تامل کیا۔ مگر آخرکار ایک کشتی روانہ ہوئی۔ اور عین اسوقت چٹان کے پاس پہونچی جب اُس شخص کی تمام طاقت سلب ہو چکی تھی۔ ملاح اُسے کشتی پر سوار کر کے صحیح و سالم کنارے پر لے آئے۔ ناظرین! آپ قیاس کریں کہ اس لیڈی کو کس قدر تعجب ہوا ہوگا جب اس نے اس شخص کو خود اپنا خاوند مسٹر **ولیم واٹسن** پایا!

نیک بختی کا اگر ایک لفظ بھی زبان سے نکلے تو وہ یاد رکھا جاتا ہے۔ مشہور ڈاکٹر **سڈنہم** کا قول ہے کہ دو تین بھی کبھی ہر ایک شخص کو نیک یا بد آدمی سے کلام کرنے میں بہتری یا بدتری نصیب ہوتی ہے۔ اولنی کا امام مذہب جو کوپر کا دوست تھا ایک ایسا شخص تھا کہ شاید ہی کسی نے اس سے کلام کیا ہو اور کچھ بہتری اُسے نصیب نہ ہوئی ہو چنانچہ یہ اپنے بارے میں کہتا ہے "میں اگر الفت و شفقت نہ کروں تو زندہ نہیں رہ سکتا"۔

مس میو لکھتی ہے "ایک اُداس عورت جو اسی بدی کی سرزمین میں رہتی تھی کہتی ہے کہ ایک عورت کی یادگار نے مجھ کو بہت کچھ اغوا سے بچا لیا۔ میرے آدمیوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا۔ کیونکہ جب میں اپنے وطن سے رخصت ہوئی اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر بعض اَور چیزیں بھی تھیں جو میرے واسطے بہت کچھ ہو سکتی تھیں۔ یعنی مجھ کو قطعی آرام و آسائش حاصل ہوا تھا۔ اور وجہ اسکی یہ تھی کہ یہ اسے پیار کرتی تھی۔ میں نے کبھی نہ سمجھا کہ کسی طرح مجھ میں اُسکی الفت کم ہو گئی ہے۔ اور جب میں اپنے دل میں خیال کرتے کرتے کسی جگہ پہونچتی تو کبھی کوئی جگہ ایسی معلوم ہوتی جہاں میں اُسے نہ لیگئی ہوں۔ جب میں خود کسی قدر تنہا ہوتی۔ کیونکہ میں اُن سے ملاقات نہ کر سکتی تھی۔ جو میری ہمراہ تھے۔ تو میں فی الفور اپنے دل کو مستعد کر لیتی اور خیال کرتی کہ صرف اسی کی خاطر یہ سب کچھ ہے"۔

ایک حکایت ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمدردی کی کسقدر سراسر احتیاج ہے یہ حکایت **رابرٹ کالیر** نکاگو کے یونٹی چرچ کے پادری نے ایک وعظ میں سُنائی تھی۔ مسٹر کالیر

یارک شائر کے قصبہ کیلی میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر انھوں نے بہت کچھ اپنی اوائل عمری انکلے میں صرف کی جو کہ ایک خوبصورت گھاٹ ہے۔ **جیکی برچ** آہنگر کے شاگرد ہوئے۔ اور اسی زمانے میں جب یہ آہنگری کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے شادی کی۔ پھر یہ اہل متھاڈسٹ کے واعظ بن گئے اور بعد میں امریکہ پہونچے جہاں یہ واعظ مقرر ہوئے۔ ان کے وعظ۔ اشعار۔ تاثیر اور فصاحت سے پر اور انسانی چال چلن کے ایک وسیع تجربے پر مبنی ہیں ؛

یہ کہتے ہیں "مجھ کو یاد ہے کہ انگلستان کے ایک متھاڈسٹ چرچ میں ایک دوستانہ ضیافت کے موقع پر کوئی تیس سال سے اوپر ہوئے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر ہمکو سنایا کہ کس طرح بخار سے اسکی عورت اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے۔ اسکے بچے اور سب ایسے سنجیدہ اور مطمئن ہو گئے کہ گویا کچھ حادثہ ہی سرے سے نہ پیش آیا تھا خفیف سا بھی صدمہ اُن کو نہ گزرا۔ اور نہ رنج ہوا اور اسکے یقین میں فضل ربانی کی حمایت اور پناہ میں اسوقت تک جب یہ ہم سے ہمکلام تھا ان کے دل میں کسی قسم کا غم والم بھی نہ پیدا ہوا ؛

جو وقت یہ اپنی گفتگو ختم کر چکا تو وہ جوانمرد اور دانا ضعیف واعظ جو اس محفل کا سرگروہ تھا اُٹھا اور کہنے لگا : "بھائی جان - اپنے گھر اب جاؤ۔ اور اپنے کمرے میں جاکر دوزانو ہو۔ اور اگر ہو سکے تو جب تک تم میں نئی جان نہ پڑے ہرگز نہ اُٹھو۔ جو کچھ تم نے ہمکو سنایا ہے یہ کوئی خوبی کی نشانی نہیں ہے۔ بلکہ یہ خدا کی سنگدلی کی نشانی ہے جس سے شاید ہی کبھی کسی عیسائی کا سامنا ہوا ہو۔ بجائے اسکے کہ تم ولی ہوتے شاید ہی بمشکل تم ایک پورے پورے گنہگار سے افضل ہو سکتے ہو۔ مذہب کبھی آدمی سے انسانیت نہیں دُور کرتا بلکہ اسے زیادہ تر انسان بنا دیتا ہے۔ اور اگر تم انسان ہوتے تو جن تکالیف میں تم مبتلا ہوئے چاہیئے تھا کہ تمہارا دل شکستہ ہو جاتا۔ میں جانتا ہوں کہ اگر مجھ پر ایسے مصائب پڑتے تو میرا دل ٹوٹ جاتا اور میں کبھی ایک عام شخص کی نسبت زیادہ تر اولیائی کے درجہ کا اظہار نہیں کرتا ہوں۔ لہذا میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ ایسی دوستانہ ضیافت میں کبھی ایسی حقیقت نہ بیان کرنا" ؛

اب ہم مسٹر کالیر کے ایک وعظ میں ایک اور مؤثر حکایت بیان کرتے ہیں جو ایک اور سچی سمت میں ہمدردی کی قوت کا اظہار کرتی ہے "مجھکو یقین ہے کہ شاید اڈنبرا میں دو بھلے مانس ایک روز بہت سردی تھی کہ ایک ہوٹل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ کہ اتنے میں ایک چھوٹا لڑکا آیا۔ اسکا چہرہ بلا پتلا اور غریب تھا۔ اسکے پیر ننگے اور سردی سے ٹھٹھر کر سُرخ ہو رہے تھے۔ اور بجز تھوڑے سے گدڑوں کے اسکے بدن پر اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ یہ لڑکا ان کے قریب آکر کہنے لگا " جناب کچھ دیا سلائیاں خرید لیجیے "

اس شخص نے کہا "نہیں - مجھ کو دیا سلائی کی ضرورت نہیں ہے"۔ یہ چھوٹا لڑکا بولا :" اجی ان کی قیمت بھی تو فی ڈبیا ایک ہی پینی (ہندوستان کا پیسہ سمجھ لو) ہے"۔ یہ شخص کہنے لگا :" تم سچ کہتے ہو مگر مجھکو تو ڈبیا کی ضرورت ہی نہیں"۔ اسپر لڑکے نے کہا :" اچھا تو میں آپکو ایک پینی کی دو دوں گا"۔ یہی شخص ایک انگریزی اخبار میں اس طرح لکھتا ہے :" چنانچہ اس سے پیچھا چھڑانے کو میں نے ایک ڈبیا خریدی مگر میرے پاس ریزگاری نہ تھی - لہذا میں نے کہا :" میں کل ڈبیا خریدوں گا"۔ لڑکا بولا :" اجی ابھی خرید لیجئے"۔ میں دوڑکر ریزگاری آپکو لائے دیتا ہوں کیونکہ میں بہت بھوکا ہوں"۔ لہذا میں نے اسے ایک شلنگ نکال کر دیا اور یہ چلا گیا میں اس کا منتظر رہا مگر یہ لڑکا نہ آیا - اسپر میں شلنگ سے تو ہاتھ دھو بیٹھا مگر پھر بھی اس لڑکے کے چہرے سے ایسا اعتماد نمایاں تھا جسپر میں نے اعتبار کیا تھا کہ میں نے اسپر کسی قسم کی بدگمانی کرنا پسند نہ کیا ؀

" مگر رات کو ایک نوکر نے اندر آکر مجھ سے کہا کہ ایک لڑکا مجھ سے ملنا چاہتا تھا - چنانچہ اسپر میں نے اسے اندر بلایا - اور معلوم ہوا کہ یہ اس لڑکے کا چھوٹا بھائی تھا جو میرا شلنگ لے گیا تھا - اور میرے خیال میں اس سے بڑھکر شکستہ حال - غریب اور دبلا پتلا تھا - یہ ایک لمحہ تک کھڑا ہوا - اپنے گدڑوں میں ادھر اُدھر ہاتھ مارتا رہا - گویا کچھ ڈھونڈھ رہا تھا - اور پھر کہنے لگا :" کیا آپ ہی نے سنڈی سے دیا سلائی کی ڈبیا خریدی تھی ؟" - میں نے کہا "ہاں میں وہی شخص ہوں !"۔ لڑکا بولا :" تو یہ لیجئے چار پنس جو آپکے شلنگ سے بچے - سنڈی نہیں آسکا - اسکی طبیعت اچھی نہیں ہے - کیونکہ ایک گاڑی کے دھکے سے وہ گر پڑا اور گاڑی اُسکے اوپر سے گذر گئی - اور اُسکی ٹوپی - دیا سلائی کی ڈبیاں اور جو گیارہ پنس آپکے تھے سب جاتے رہے - اسکی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں - اور بالکل آرام نہیں ہوتا - اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کا بچنا محال ہے - چنانچہ بس یہی چار پنس اسکے پاس ہیں جو وہ آپ کو دے سکتا ہے"۔ اور اتنا کہکر اُسنے یہ چاروں پنس میز پر میرے سامنے رکھدئیے - اور بیچارہ زار زار سسکیاں بھر کر رونے لگا - میں نے پہلے تو اُسے کھانا کھلایا اور پھر اسکے ساتھ سنڈی کو دیکھنے گیا ؀

" یہاں مکان پر پہونچکر مجھ کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں بچے ایک کمبخت مخمور سوتیلی ماں کے ساتھ رہتے تھے ان کا اپنا باپ اور ماں دونوں مر گئے تھے - سنڈی بیچارہ گھانس پر پڑا ہوا تھا - جس دم میں اس کے سامنے پہونچا اس نے فوراً مجھکو پہچان لیا - اور کہنے لگا " جناب ریزگاری میں نے لے لی تھی - اور واپس آرہا تھا - کہ ایک گھوڑے کا دھکا مجھ کو لگا جس سے میں گر پڑا اور میری دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں - ببلی ! ہائے ریوبی ! میں تو اب لب گور ہوں - اور جب میں جان بحق ہوں گا - ریوبی تیری کون خبر لیگا

لئے ریعیی تو کیا کریگا ؟" اسپر مَیں نے اس بیچارے مصیبت زدہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میں ہمیشہ ریعیی کی خبرگیری کرتا رہونگا۔ یہ میری بات سمجھ گیا۔ اور ابھی اتنی طاقت اسمیں باقی تھی کہ اس نے آنکھ اُٹھاکر مجھکو دیکھا۔ اور اسطور پر کہ گویا یہ میرا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ اور پھر اسکی نیلگون آنکھیں پتھرا گئیں۔ اور بس ایک چشم زدن میں ؛۔

خدا کے نور میں رحمت کا مل گیا بستر
کہ جیسے ملتا ہے آرام ماں کی چھاتی پر
جہاں شریر شرارت سے باز آتے ہیں
تھکے تھکائے جہاں سکھ سفر سے پاتے ہیں

ہمدردی انسانیت کا جوبن ہے۔ اسکا مترادف محبت ہے۔ یہ غمزدوں اور مظلوموں کی احتیاج اور ضروریات پوری کرنے کے واسطے نکلتی ہے۔ اور جس جگہ بیرحمی یا جہالت یا مصیبت کا عمل ہو۔ ہمدردی اپنا ہاتھ آگے بڑھاتی ہے اور انسان کی تسلی و تشفی کرتی ہے۔ غم کا نظارہ۔ آہ و نالہ کی آواز۔ ہمدرد دل میں مستحکم ہوجاتی ہیں۔ اور کبھی اُسے خالی نہیں چھوڑتے۔ ہمدردی و عدل سے بعض بڑی بڑے زمانہ کے واقعات پیش آئے ہیں۔ ہمکو انگلستان۔ امریکہ اور فرانس میں غلاموں کی آزادی کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ علاوہ اسکے ہمکو جاہلوں کی تعلیم۔ سنڈے سکول کا رواج۔ منشی اشیاء کے ترک کرنے کی کوششیں۔ ادبار سے پائمال لوگوں کی فلاح اور بہبود جنمیں اعلےٰ اعلےٰ مدارج کے زن و مرد اسقدر دلچسپی حاصل کرتے ہیں بیان کرنا لاحاصل ہے ؛

دنیا میں ہر شخص کے واسطے ہمدردانہ استعانت کی گنجائش ہے۔ وہ شخص جو خداوند تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اپنے ہمسائے سے محبت کرتا ہے خواہ وہ امیر ہو خواہ غریب۔ اور کبھی منصف۔ راست باز اور رحیم بننے سے نہیں چوکتا میلن کا قول ہے "منصف شخص کا رتبہ انسان سے اعلےٰ اور خود یہ ہر ایک چیز سے افضل ہے۔ تمام مخلوق اسکی زیردست ہے۔ اور یہ صرف خدا کا زیردست ہے" مریض کی تیمارداری کرنا یتیموں اور بیوہ عورتوں کی امداد کرنا۔ اور ان سے الفت و شفقت سے پیش آنا غربا کی بہبود اور ترقی کی فیاضانہ تجاویز کو سوچنا یا اُن کی تائید اور معاونت کرنا۔ ان سب میں محنت۔ رحم اور محبت کی ضرورت ہے ؛

ڈاکٹر مارٹینیو کہتے ہیں "جو طبیعت چاہے سچی جوش کی ناکامیوں اور غلطیوں کے بارے میں کچھ مگر کوئی سرگرمی اس سے بڑھکر مدلل اور قابل نظر نہ آئیگی جس نے انسانی مصائب کے واسطے اسکا آدھا بھی

کیا ہو۔ جب اس نے خود اپنے انجام فراموش کردیئے۔ یہ وہاں تک دوسروں کے پاس پہنچی جہاں تک کوئی سرگرمی اپنی رسائی نہ کرتی۔ لیکن اگر کلیسیا نہ ہوتا تو عیسائی دنیا میں مدرسہ کہاں ہوتا۔ اگر وہ مشنری فوج نہ ہوتی جسکو اکثر زک اٹھانا اور شکست کھانا پڑی۔ تو ان تہذیب اور شائستگی کی صفوں کا کہاں ٹھکانا تھا۔ اور وہ صفیں جو ہر جگہ دنیا کے وحشی پن کو کم کر رہی ہیں؟ اگر انسان کی روح کی تقدیس ورایں نہ ہوتی۔ تو ہمکو کب تک منتظر رہنا پڑتا تاکہ رحم اور جسمانی علاج کے مختلف طریقے ظہور پذیر ہوتے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ عیسائیوں نے بہت سے احمقانہ کام کیئے مگر دانائی کے کام بھی تو بہت کچھ بڑھکر کیئے ہیں۔ انہوں نے بے شک اپنی زبان کی بدولت دنیا کو ایسا موقع دیا کہ وہ انہیں نظر حقارت سے دیکھے۔ لیکن انہوں نے اسے بہت کچھ قابل ہائش بھی تو بنایا" اور پھر یہ کہتے ہیں "اگر ایک بار غریب سے غریب بھی مذہب کے زندہ چشمہ کو محسوس کر لیتا ہے۔ اور تمام خاندان کے دل میں خوف خدا جاگزین ہوجاتا ہے۔ تو اُسی دم سے ایک تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ گڈرے اور تھیٹرے غائب ہوجاتے ہیں۔ اسباب واپس مل جاتا ہے۔ بیماری دور ہوجاتی ہے۔ اولاد شگفتہ ہوجاتی ہے۔ تنازع کا بازار سرد پڑجاتا ہے۔ پچھلے بُرے ایام بہتری اور ترقی کے سیلاب میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور وہ دل جو کبھی سست اور دھیما تھا۔ اب امید اور تکیہ سے زندہ ہوجاتا ہے"۔

ورڈسورتھ کا قول ہے:۔ "غریب سے غریب بھی بعض چھوٹی چھوٹی برکتوں کے ولی اور حصہ دار بن گئے ہیں" یعنی ایک چمار نے پورٹسمتھ میں مدرسے کھولے۔ جس کے بارے میں ڈاکٹر **گوتھائر** کہتے ہیں "**جان پاونڈس** (مذکورالصدر چمار کا نام) انسانیت کی ایک مت ہے اور اس لائق ہے کہ چاروانگ انگلستان میں سب سے اونچا اسکابت بنایا جائے۔ گلوسٹر کے ایک چھاپہ خانے والے نے انگریزی سنڈے سکولوں کا رواج دیا۔ جو اس لائق ہے کہ اسکابت جان پاونڈس سے بھی بنایا جائے۔ نیو کاسل کے ایک کفش دوز نے ہندوستان کو مشن بھیجا۔ ایک لڑکی نے جو ایک کارخانے میں محنت مزدوری کرتی تھی گلاسگو میں "فاونڈری بوائز ریلیجس سوسائٹی" کی بنیاد رکھی"۔

امیر سے بڑھکر غریب کو غریبوں کی ضروریات معلوم ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں اس سے بڑھکر اور کوئی چیز غمناک نہیں ہوسکتی کہ ہم ان کی پرانی اولاد کو پژمردہ اور متفکر چہرے لیئے ہوئے دیکھیں ان کی پیشانیوں پر شکن پڑی ہوئی ہو۔ اور سخت غم اور فکر کی مُہر ان پر لگی ہوئی ہو۔ غریب کا گھر بھی بعض اوقات گھر نہیں ہوتا۔ امیر اور غریب علیحدہ علیحدہ اور جدا رہتے ہیں۔ بہت سی رکاوٹیں اُن کے اس راہ و رسم میں حائل ہیں جو معاشرت کے متعلق ہے۔ غریب بیچاروں کی سوسائٹی بھی بجز ان کے

ہم مرتبہ اشخاص کے اور کوئی نہیں - کوئی ذریعہ ایسا نہیں کہ یہ شائستہ اور بے علم لوگوں کے ربط و ضبط سے باز رہ سکیں - جو لوگ بیچارے بہت ہی غریب ہوتے ہیں اُن کی اولاد سطوہ بران کے سامنے رہتی ہے گویا یہ خوراک کے حق میں اپنے والدین کی حریف ہے - اور یہ بیچارے اوائل عمری ہی میں زندگی کی سختیاں جھیلنے لگتے ہیں اور اسکی کشاکش میں پڑ جاتے ہیں - امیروں کے نزدیک غریب بیچارے ایک انجان اور تیرہ و تاریک ملک کے باشندے ہیں ؏

مگر اصل یہ ہے کہ صرف غریب ہی فی الحقیقت اور سچے طور پر غریب کا خیال کرتا ہے - یہی صرف ایک دوسرے کے مصائب جانتے ہیں - اور ایک دوسرے کی شفقت اور ہمدردی کی احتیاج کا اندازہ کر سکتے ہیں - امیروں کی سخاوت کے بارے میں جو چاہیں لوگ کہیں لیکن اگر غریبوں کی سخاوت سے مقابلہ کیا جائے تو بھی کچھ حقیقت بھی نہیں - تنہائی - بیماری تکلیف اور مصیبت کے وقت غریب ایک دوسرے کے اسقدر حد تک معاون اور آرام دہ بن جاتے ہیں جس کا کبھی طبقہ امارت میں خواب بھی کبھی نہیں آتا - دن ان اور سال بسال بیچارے قلیل روزی کی خاطر محنت اور مشقت کرتے ہیں - مگر تاہم جب کوئی بھائی ان کا مصیبت یا احتیاج میں پڑتا ہے تو فوراً کمر ہمت باندھ کر مدد کو تیار ہو جاتے ہیں کبھی ضرورت نہیں ہوتی کہ کوئی دوست سرپر کھڑا ہو کر اپنے وقت میں اپنا ہاتھ آگے بڑھائے - اور وہ تمام خدمتیں کرے جس سے مصیبت اور بیماری قابل برداشت ہو جائے - غریبوں کی عورتیں اس لحاظ سے خصوصاً نہایت سرگرم اور انتھک ہیں - یہ قربان ہوتی ہیں اپنی جان فدا کر دیتی ہیں - تنہائی اختیار کرتی ہیں - اور قناعت اور شفقت اس حد تک اختیار کرتی ہیں کہ جو دنیا کو ہرگز معلوم نہیں - اور اگر معلوم بھی ہو تو شاید ہی یقین ہو ؏

حال میں رابرٹ ریکیس کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے - لہذا جو کچھ ہم بیان کرینگے وہ مختصر ہوگا سنڈے سکول اس سے پہلے موجود تھے - چنانچہ ایک سکول کارڈنل بار و میو کا تھا جو کوئی چار سو برس سے موجود تھا - اور انگلستان میں بھی بہت مدت سے سنڈے سکول چلے آتے تھے - ایک شخص ولیم کنگ نامی رسن ہار ڈرسلے کا باشندہ تھا جس نے پہلے پہل ریکیس کے دل میں یہ خیال پیدا کیا تھا یعنی اس نے ڈرسلے میں ایک سنڈے سکول کھولا تھا - جو باہمی اتحاد کے نہ ہونے کے باعث ناکام رہا - مگر اس نے اپنی تجویز پر ہرگز اعتماد ہاتھ سے نہ دیا - چنانچہ جب یہ گلوسٹر میں تھا - ایک روز اتوار کے دن ریکیس سے اس نے ملاقات کی - اور دونوں ہم شہر کے ایک نہایت گندے اور اجاڑ میں پھیلے ہوئے حصے میں گئے - یہاں شکستہ حال بچے مختلف کھیلوں میں مشغول تھے - کنگ بولا کیسے ترس کی جا ہے کہ

سبت کی اسطرح خرابی کی جاتی ہے ! " اسپر ریکس نے پوچھا " مگر اسکا علاج کس طرح ہو سکتا ہے " ؟ جواب ملا۔ " ابھی ایک سنڈے سکول کھول لیجئے جیسا میں نے ڈربلے میں ایک وفادار کارندے کی امداد سے کھولا تھا مگر کاروبار کی زیادتی کے سبب جس قدر میں چاہتا ہوں اُسقدر اپنا وقت صرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھکو آرام درکار ہے " ؀

ریکس گلوسٹر کی حوالات میں پہنچا۔ اسکو ایک نوجوان وہاں ملا جسے نقب زنی کی علت میں عقوبت کی سزا ملی تھی۔ ریکس کا بیان ہے " اسکو ایک شمہ بھی تعلیم نہ ملی تھی۔ اور کبھی اس نے اپنے خالق اکبر کی عبادت نہ کی تھی۔ یہ خدا کا نام صرف قسم کھانیکے واسطے جانتا تھا۔ اور عاقبت کے خیال سے محض بے بہرہ تھا " اس ملاقات کا بہت ہی ریکس کے دل پر اثر ہوا۔ شہر کا شاذ و نادر ہی کوئی نوجوان تعلیم یافتہ ہوگا کیونکہ انہوں نے ذرا بھی ہوش سنبھالا اور کام کاج کے قابل ہوئے۔ فوراً کام پر لگا دیئے گئے اور اپنی رخصت کے اوقات میں جن میں کہ اتوار خاصکر آتا تھا۔ یہ بچے بلا کسی مزاحمت کے آزاد چھوڑ دیئے جاتے تھے ؀

ریکس نے اسپر ایک سنڈے سکول کھولا۔ اسکے دل میں بچوں کی بہت ہمدردی تھی۔ چنانچہ بہت جلد یہ لڑکے اس سے گرویدہ ہوگئے۔ یہ ان کو پیار سے دلق پوش کہا کرتا تھا اس نے ان کو چرچ کٹکزم (مسیحی کلیسیا کی نماز) پڑھانے اور یاد کرانے کی تجویز کی۔ اور ان چھوٹے بیدینوں میں تربیت پر زور دیا ۱۷۸۳ء میں اس نے چار مدرسے کرایہ پر لیئے۔ اور ان غفلت کے مارے ہوئے بچوں کے اُستادوں کو فی شخص ایک شلنگ دینا منظور کیا۔ کلیسیا کا خادم دین بھی ہر اتوار کی سہ پہر کو بلایا جاتا اور یہ مدرسے کے طلبا کا امتحان لیا کرتا۔ اور ان کی ترقی تعلیم کو جانچتا۔ ریکس کے مدرسوں میں تعلیم کے نہایت ہی بیش قیمت سامان تھے یعنی اُستاد بچوں سے صدق دلی سے محبت کرتے تھے۔ اور ان چھوٹے لڑکوں کے دل اپنے معلموں کی الفت سے متحرک ہوتے تھے ؀

ریکس کے پہلے پہل مدرسوں کے قایم ہونے سے کوئی تیس سال بعد جب کہ یہ کام ترک کر چکا تھا۔ ایک نوجوان کو کہ مسمی جوزف لنکاسٹر اسکی ملاقات کو آیا اور اسی شخص کی سعی کی بدولت وہ مجلس قائم ہوئی جو بعد میں " دی برٹش اینڈ فارن سکول سوسائٹی " (برطانیہ و ممالک خارجیہ کے مدرسوں کی مجلس) کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور جس کا کام تھا کہ ہفتہ وار غریبوں کے بچوں کو تعلیم دیا کرتی تھی۔ اسوقت سنڈے سکول کے بانی (ریکس) کی عمر ۷۲ سال کی تھی۔ اور عملی کاروبار سے اسکا زمانہ گذر چکا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے اپنے پُرشفقت دریچے گاہ میں بہت دلچسپی حاصل کی۔ لنکاسٹر نے سنڈے سکولوں کی اصلیت کے بارے میں بہت تحقیقات کی تفتیش کی۔ اور اس بارے میں جو ریکس نے جواب دیئے ان میں سے ایک کا دلچسپ حال

ابتک جو دہے ۔

اپنے دوست کے ہاتھ کے سہارے پر چلکر راستے گلو سٹر کے متعدد شارع عام تھے ان میں پھرتا ہوا اس مقام پر پہونچا جہاں پہلا سنڈے سکول کھلا تھا ۔ اس ضعیف شخص نے کہا :۔ "یہاں ٹھہر جائیے" اور پھر ننگے سر ہو کر اور اپنی آنکھیں بند کر کے ایک لمحہ تک یہ خاموش کھڑا دعا مانگتا رہا ۔ پھر اپنے دوست کی طرف پھرا جسکی آنکھوں سے رخساروں پر آنسو بہ رہے تھے ۔ اور کہنے لگا :۔ "یہ وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر میں نے بچوں کی تباہی اور شہر کے باشندوں کے ہاتھوں سبت کے دن کی بیحرمتی دیکھی تھی ۔ اور جب میں نے پوچھا "کیا کچھ نہیں ہوسکتا ہے ؟" ایک آواز آئی "کوشش کر" چنانچہ میں نے کوشش کی اور دیکھو تو خدا نے کیا کر دکھایا ۔ مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس مقام سے گزروں جہاں "کوشش کر" کی آواز میرے گوش دل میں آئی ۔ اور اپنے ہاتھ اور دل آسمان کی طرف اٹھا کر خدائے قادر مطلق کا شکریہ نہ ادا کروں جس نے ایسا خیال میرے دل میں پیدا کیا" ۔

یہ سمجھکر کہ ریکس بہت برسوں تک متواتر شہر میں رہتا تھا جیلخانے میں جایا کرتا تھا ۔ اور بہت سے موقعے اسے ملا کرتے تھے جن سے یہ اس بات کی تصدیق کرتا کہ آیا ان تین ہزار بچوں میں سے بھی کوئی کبھی حوالات کی چار دیواری میں آیا تھا جن کی تعلیم کا اہتمام اس نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا ۔ لنکاسٹر نے اس سے پوچھا کہ آیا کبھی اسکو کوئی ایسا لڑکا نظر آیا جو حوالات میں پہونچا ہو ۔ ریکس نے اپنے حافظے کی امداد سے جو ابتک اس ضعیفی کے عالم میں بھی قوی اور برقرار تھا جواب دیا کہ "کوئی نہیں" ۔

میری این کلاؤ گلاسگو کے کارخانے میں مزدوری کرنیوالی لڑکی کی حیثیت سوسائٹی میں رابرٹ ریکس سے بڑھکر منکسر تھی ۔ یہ بیچاری چرخ پھرانے والی تھی ۔ حالانکہ ریکس ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا ۔ مگر اسپر بھی اس لڑکی کو جیسا کہ ہر ایک فرد بشر کرسکتا ہے انسانیت کے زخموں کا علاج کرنے میں مدد دینے کا موقع ملا ۔ یہ تربیت نہ تھی جو اسکا باعث تحریک ہوئی تھی ۔ بلکہ شفیقانہ ہمدردی اناث تھی ۔ یہ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کیواسطے محنت کرتی ۔ مگر محبت نے جو سب سے بڑھکر اعلٰے معلم ہے اسکو محنت کے ایک بلند تر میدان تک پہونچایا ۔ جب اسکا دن کا کام ختم ہوتا تو محبت کی محنت شروع ہوتی ۔ اسنے بہت سے لڑکوں کو دیکھا جو کارخانوں میں نوکر تھے ۔ مگر کوئی بھی ان کا پرسان حال اور خبر گیر نہ تھا ۔ یہ بالکل غفلت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے تھے ۔ اور اوائل عمری ہی سے بدی کے سبق انھوں نے پڑھے تھے ۔ اس لڑکی کو ان پر رحم آیا ۔ چنانچہ اس نے کہا :۔ "میں کوشش کروں گی کہ آیا میں ان کو خدا کی حضوری کے قابل اور نیک کام کرنے کے لائق بنا سکتی ہوں" ۔

اس کا مصمم ارادہ کرتا تھا کہ اسپر عملدرآمد کرنے کی اُس نے کوشش کی۔ جس کارخانہ میں کام کرتی تھی۔ اُسکے نیچے ایک کمرہ تھا۔ یہ اس نے مانگا اور اسے ملگیا۔ چنانچہ جون ۱۸۶۲ء میں یہاں ایک اتوار کو اس نے مدرسہ کھولا۔ بہت جلد کارخانے میں کام کرنے والے کچھ لڑکے اسے مل گئے۔ ان کے کپڑے پھٹے اور خراب اور چہرے غلیظ تھے۔ اور کارخانے کی پشت پر جو مکان تھا اسمیں یہ اپنا وقت حقہ نوشی یا بدتہذیبی کے شغلوں میں بسر کرتے تھے۔ اسنے ان کو ہجا کرنا۔ پڑھنا لکھنا۔ صاف ستھرا رہنا۔ نیک اور دیندار بننا سکھلایا۔ یہ ان غریب آوارہ گرد غفلت زدہ لڑکوں سے محبت کرتی تھی۔ اور حقیقتاً اس نے عین ان کی محتاجی میں ان کا ہاتھ پکڑا ٭

اور پھر ان لڑکوں کے بچلنے اور بہتر بنانے میں جو اسکی کوششیں تھیں وہ اتوار تک ہی محدود نہ رہیں یعنی یہ لڑکے تمام ہفتہ اسکا وقت لے لیا کرتے۔ اور یہ شریف لڑکی جس دم اس کا دن کا کام ختم ہوتا۔ ان لڑکوں کے گھروں پر اگر ان کو گھر کہہ سکتے ہیں جایا کرتی۔ یہ ان کو ان کے غمناک حالات۔ ان کے خطرات۔ اور مصائب کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اور اپنے مسیحی اصول۔ اپنے منصور طریقوں اور بیحد مہربانیوں سے اس نے ایسا اپنا رعب ان پر بٹھلایا جس سے نہایت ہی مسرت بخش نتائج ظہور میں آئے۔ یہ لڑکے درحقیقت اپنے باقی ہم مرتبہ اور ہم حیثیت لڑکوں سے اسقدر ممتاز۔ اور اپنی نیک چلنی۔ بدزبانی سے اپنی آزادی اور اپنی محنت و مشقت کے باعث ایسے افضل تھے کہ "میری این کے لڑکے" تمام کارخانوں میں ضرب المثل ہوگیا ٭

ڈاکٹر گتھری کہتے ہیں "یہ سوچکر انسان غمگین ہوجاتا ہے کہ کسقدر عیسائیوں نے جن کے پاس دس گنا وقت تھا۔ روپیہ کی کثرت تھی۔ زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ اور زیادہ بارعب تھے۔ جو کچھ اس لڑکی نے کیا اسکا دسواں حصہ بھی انہوں نے نہ کیا۔ اگر کوئی شخص انصافاً یہ عذر پیش کرسکتا تھا کہ "کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہوں؟" تو وہ یہ لڑکی تھی جس کیواسطے اپنا گزارہ ہی کرنا مشکل تھا۔ اور جو کہ علے الصباح ہر روز کارخانے کے گھنٹے کی آواز پر اٹھتی تھی۔ اور سنسان اور تاریک کوچوں میں سے ہوکر آدھا کام کرچکتی تھی جب کہیں دنیا کی آنکھ کھلتی تھی۔ اور بسا اوقات رات کو یہ اپنے رحیمانہ کام پر جاتی۔ گم شدوں کو تلاش کرتی اور گرے ہوؤں کو اٹھاتی۔ اور خود اپنے نازک ہاتھوں سے انسانیت کے زخموں میں ٹانکے لگاتی" ٭

کوئی تین سال تک میری این کلاؤ نے اپنی شریفانہ محنتوں کو جاری رکھا۔ مگر پھر اسکو مجبوراً صحت کی خرابی کے باعث اسکو دوسروں کے سپرد کرنا پڑا۔ مگر جو بیج اس نے بویا تھا اس نے جڑ پکڑی۔ اور بہت اچھی

فصل آئی پر ۱۸۶۵ء میں "گلاسگو فاؤنڈری بوائز ریلیجیس سوسائٹی" قائم ہوئی تھی۔ اور ۳۰ سال کے عرصہ میں اسکے رجسٹر میں ۱۴۰۰۰ لڑکوں اور لڑکیوں کے نام درج تھے۔ اور جبکہ کہ مہتمم کوئی ۱۵۰۰ طلباء اور وہ سے زائد شریف آدمی تھے۔ ۳۰۰ سے زائد شرفا شہر کے مختلف حصوں میں نوجوانوں کے سامنے تقریریں کرتے۔ اور ہر ایک چیز ان کی اس برتری اور بہبود کیواسطے کیجاتی جو معاشرت کے متعلق تھی۔ ان کی صحبت نے سنڈے سکول اور گرجا میں ایک رشتہ پیدا کردیا۔ دینی اور دنیوی تعلیم آزادانہ طور پر دیجاتی۔ اور پرہیزگاری گویا اس درسگاہ کی بنیاد تھی۔ پینی بنکس اور سیونگز بنکس قائم کیئے گئے موسیقی کی جماعتوں نے ایک اور طاقت کا منبع پیدا کردیا۔ ہر شنبہ کی شام کو موسیقی ضیافت منعقد ہوتی۔ اور نوجوانوں کو شہری زندگی کی جہالت۔ شرارت اور لاپرواہی سے باز رکھنے کیواسطے سب کچھ کیا گیا۔ بجز دنیوی تعلیم کے استادوں کے تمام لوگ اپنی مرضی سے درسگاہ کا کام کرتے تھے۔ اور ان کی محنت محبت کی محنت تھی ؛

موسم گرما میں لڑکے اور لڑکیاں اپنے مہتمموں کے ساتھ دیہات میں تعطیل پر جاتیں۔ اور عموماً ڈیوک آف آرگائل کی مرغزار میں جاتیں جو انوراری میں تھا۔ اور ہز جناب (ڈیوک) اس سوسائٹی کے آنریری پریذیڈنٹ تھے۔ چنانچہ اسی طرح کے ایک موقعہ پر کہا اس درسگاہ کی شریفانہ کارروائی معلوم ہوئی تھی۔ گو یہ ابتک "فاؤنڈری بوائز سوسائٹی" کے نام سے موسوم ہے مگر اس کے فوائد یہاں تک وسیع کردیئے گئے ہیں کہ ہر ایک شخص کی لڑکی لڑکا اسمیں تعلیم پا سکتے ہیں۔ اور جو فائدہ اس سے ابتک پہونچا ہے وہ ناممکن البیان ہے۔ کاش ہر ایک شہر میں ایسی قسم کی درسگاہ ہو! کیونکہ ابھی تک صرف سکاٹ لنڈ گریناک۔ اڈنبرا۔ ڈنڈی اور ابرڈین میں اس تمثیل کی تقلید کی گئی ہے۔ کیسا ہو اگر مانچسٹر۔ لیڈز۔ بریڈ فورڈ۔ اور تمام شمالی انگلستان کے گنجان صنعتی شہروں میں بھی ایسا ہی کیا جائے؟ یعنی ان شہروں میں اس قسم کی درسگاہیں بہت قیمتی ثابت ہونگی ؛

باب یازدہم

خیر خواہی عام

شیریں اور پر حلاوت رحم شرافت کا سچا نشان ہے ؛ (شیکسپیر)

بھائی گھبرا مت اس تنہا سفر میں زینہار ؛ دامن ہمت نہ چھوٹے گو مصیبت ہو ہزار

آ رہی ہے سامنے امداد کی وہ جوئے شیر ❊ دوست ہے تیرا ابھی بنتا ہے اگر دست گیر

"تب مرگ بنی نوع کی ہزاروں دردناک آوازیں بلند ہوتی ہیں جو ہم بالکل کبھی نہیں سنتے۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے ہزاروں نالے ہمارے کان تک بالکل نہیں پہونچتے...... ہزاروں رخسار آنسوؤں سے دُھلتے ہیں اور شگفتہ چہرے ناقابل اظہار رنج والم سے پژمردہ ہوتے ہیں جو ہم بالکل نہیں دیکھتے" ❊ (جان وولمین)

جس قدر جسمانی طاقت کی رہنمائی اصلاح۔ اور دوسروں کی تربیت کیواسطے ضرورت ہے انسان اس کا اعتقاد ترک کرنے میں بہت کاہل ہے۔ طاقت نہایت ہی قابل لمس چیز ہے۔ اور توجیہات اور تاثرات کی بہت اچھی طرح منصفانہ تفتیش کرتی ہے۔ یہ بغیر کسی دلیل کے جانچنے کے کسی امر کے تصفیہ کا نہایت ہی مختصر طریقہ ہے۔ یہ اُن وحشیوں کے منطق کا خلاصہ ہے جن میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو سب سے زبردست ضرب لگاتا ہے یا سب سے بڑھکر بے خطا نشانہ مارتا ہے ❊

شایستہ اقوام نے بھی طاقت کا اعتقاد ترک کرنے میں بہت کچھ سُستی کا اظہار کیا ہے۔ ابھی زمانہ حال تک وہ معزز آدمی جو اتفاقاً زک کھاجاتے تھے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ ڈوئل سے کیا کرتے تھے۔ اور سلطنتیں قریباً بلا استثناء مُلکی یا قومی انتظاموں کیواسطے تنازعوں کے تصفیوں کے لیئے ہتیاروں پر ہاتھ ڈالتی تھیں۔ درحقیقت ہمکو طاقت کی تاثیر کی اسقدر تعلیم وتربیت کی گئی ہے۔ اسقدر اسپر اظہار شرم کیا گیا ہے اور اسقدر اعلےٰ اعلےٰ ناموں سے منسوب کیگئی ہے کہ ہم شاید ہی اپنے خیال میں اسے ممکن سمجھ سکتے ہیں کہ سوسائٹی کا سلسلہ قائم رہ سکے اگر قوت کی مشق کو دور کردیا جائے اور بجائے اسکے محبت۔ فیاضی اور عدل کی مشق کو برکھا جائے ❊

اور تاہم طاقت کی حکمت عملی کی تاثیر کے بارے میں بڑے بڑے شک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ شبہ ہے کہ طاقت کیواسطے اس سے بڑھکر مزاحمت دڑکا ہوتی ہے۔ اور اگر انسانوں کو سخت گیری سے روکا جائے تو بغاوت کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً تند افعالی۔ دشمنی۔ بدی اور جرائم میں پھوٹتا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ تمام ملکوں میں اور ہر زمانے میں طاقت کی حکمت عملی کا یہی نتیجہ ہوا ہے۔ اور دنیا کی تواریخ ایک حدتک جسمانی طاقت کی ناکامی کی تواریخ ہے ❊

کیا ہم دانا ہوتے جاتے ہیں؟ کیا ہم نے یہ دیکھنا شروع کردیا ہے کہ اگر ہم انسان کو زیادہ بشاش اور بہتر بنائیں تو ہمکو ایک بڑی اور زیادہ اکسیر طاقت پر ہاتھ ڈالنا چاہیئے۔ اور وہ طاقت حلم کی ہے؟ ان طریقوں سے بنی نوع سے پیش آنے میں کبھی کسی طرح بھی بغاوت یا مزاحمت نہیں پیدا ہوتی۔ اور ہرگز

ان سے انسان بدتر نہیں بنتا بلکہ ہر صورت سے بہتر بنتا ہے۔ محبت سب سے بڑھکر زود اثر طاقت ہے اور جو فرد بشر اس کے زیر سایہ آتے ہیں یہ اُن کو عالیمرتبہ اور مہذب بنا دیتی ہے۔ یہ انسان میں مذہب کو ظہور دیتی ہے۔ اور انسان کی نیک فطرت میں بغیر مذہب کی موجودگی کے اسکی ترقی کا کوئی وسیلہ کارگر نہیں ہوتا۔ مہربانی ہر ایک فطرت کا بہتر حصہ نمایاں کرتی ہے۔ مزاحمت کو لاچار کر دیتی ہے۔ غضبی جذبات کو مفقود کر دیتی ہے۔ اور سنگدل سے سنگدل کو موم کر دیتی ہے۔ یہ بدی پر غالب آتی ہے اور نیکی کو تقویت دیتی ہے۔ اور پھر اگر اُسے قوموں تک وسیع کیا جائے تو وہاں بھی یہ کارآمد ہوتی ہے۔ اس نے ابتک اتنا تو کیا ہے کہ جرگوں اور صوبوں میں قانون اراضی متعلقہ جنگ (فیوڈل سسٹم) کو موقوف کر دیا ہے۔ اور اگر اسے آزادی ہی جائے تو قوموں میں جو باہم جنگ ہوتی ہے اسے بھی مفقود دیکھ لو۔ گو یہ خیال اسوقت وہمی معلوم ہو۔ لیکن آئیندہ نسل آئیگی اور جنگ کو ایک خوفناک جرم سمجھکر اس سے احتراز کریگی ⁂

ایمرسن کا بیان ہے "محبت اس ضعیفی کی ماری ہوئی دنیا کو جسکے چہرے پر جھریاں پڑ گئی ہیں نیا چہرہ عطا کریگی۔ اور یہ دنیا وہ ہے جسمیں ہم مدت مدید سے بطور دشمنوں اور کافروں کے بود و باش کر رہے ہیں اور یہ دیکھکر دل میں گرمجوشی پیدا ہو جاتی ہے کہ کیسی جلدی مدبروں کی فضول سفارت فوجوں اور بحری حملوں کا ضعف اور پناہ کی صفیں کس طرح یہ خالی ہاتھ بچا (محبت) بکقلم موقوف کر دیگا۔ محبت وہاں پہنچیگی جہاں یہ جا نہیں سکتی۔ اور چونکہ خود ہی اپنا نصاب۔ خود ہی اپنی قوت اور خود ہی اپنا وزن ہے۔ وہ وہ کام یہ اپنے اٹل طریقوں سے سرانجام کو پہونچائے گی جو طاقت سے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کبھی تم نے موسم خزاں میں کسی لکڑی میں کُکُرمُتا دیکھا ہے؟ یہ پودے کی قسم سے ہوتا ہے۔ مضبوطی کا اسمیں نام نہیں ہوتا نہیں بلکہ یہ بجز ایک ملائم منجمد مادے کے اور کچھ نہیں دکھلائی دیتا۔ مگر پھر بھی اپنے استقلال۔ بہادری اور نامعلوم حلم سے آگے بڑھکر اپنا راستہ سخت سے سخت زمین میں نکال لیتا ہے۔ اور حقیقتاً سخت تہ کو توڑ کر سر باہر نکالتا ہے۔ بس یہی لطف کی قوت کی نشانی ہے۔ انسانوں میں اس اصول کی نیکی بڑے بڑے کاموں میں کارآمد ہونے کے لحاظ سے متروک اور فراموش معلوم ہوتی ہے۔ تواریخ میں نمایاں موقعوں پر دو ایک بار کامیابی سے اسکی آزمائش کی گئی ہے۔ یہ ہماری عظیم الشان۔ بکثرت عیسائی دنیا کم از کم ابتک انسان دوست ہونے کے لحاظ سے زندہ ہے۔ مگر ایک دن وہ آئیگا کہ سب ایک دوسرے کے جان نثار ہونگے۔ اور ہر ایک مصیبت اُلفت کے عالمگیر آفتاب کے طلوع میں حائل ہو جائے گی" ⁂

زمانہ سابق میں طاقت کے اصول سے نہایت مصیبت ناک طور پر مجنونوں۔ جنامیوں۔ غلاموں اور مجرموں سے سلوک کیا جاتا تھا۔ جنونی زنجیروں میں جکڑے جاتے تھے اور وحشی درندوں کی طرح

پنجروں میں بند کر دیئے جاتے تھے - جذامی شہر بدر کر دیئے جاتے تھے - اور کسی دور و دراز جگہ ان کو بودوباش اختیار کرنی پڑتی تھی - اور اس طرح گویہ خود انسان تھے مگر انسانوں سے دور رکھے جاتے تھے - جہازی غلاموں کو پتوار پر یہاں تک محنت و مشقت کرنا پڑتی تھی کہ آخر کار بیچارے مصیبت میں جان بحق ہو جاتے تھے - مجرم بلا تمیز جنس اسقدر کثرت سے یکجا بھر دیئے جاتے تھے کہ جتنے کہ یوروپ کے جیلخانے شرارت اور نا انصافی کا گھر بن گئے - کوئی ۲۰۰ سو برس گزرے کہ زندہ مجرم فلارنس اور پانسل کے ڈاکٹروں کے عمل جراحی کیواسطے حوالے کر دیئے جاتے تھے - اور اب اُن کی جگہ بے زبان جانور یہ کام دیتے ہیں *

سنٹ ونسنٹ ڈی پال ایک اعلیٰترین درجہ کا بہی خواہ عوام تھا - یہ لانگیڈاک کے ایک دہقان کا بیٹا تھا - اسکے والد نے اسکو پادری بنانے کے واسطے تعلیم دی - اور یہاں تک کہ اپنی قلبہ رانی کے مویشی بھی اس کے کالج کے اخراجات کیواسطے فروخت کر دیئے - مارسیلیز میں اس کا ایک دوست تھا - وہ اپنی وفات پر کچھ تھوڑا سا ورثہ اس کیواسطے چھوڑ گیا اور یہ اسے لینے کے واسطے بذریعہ سمندر سفر کر کے پہونچا - یہ جہاز پر سوار ہو کر اپنے وطن کو واپس چلا - مگر بہت کچھ مقابلہ کرنے کے بعد تین افریقی قزاقوں کی کشتیوں نے اس جہاز کو آگھیرا اور اہل جہاز کو گرفتار کر لیا - اثنار جنگ میں ونسنٹ نہایت بُری طرح ایک تیر سے زخمی ہو گیا - جہاز کے ملازم اور مسافر زنجیروں میں جکڑ لیئے گئے - اور ونسنٹ ان میں موجود تھا - یہ ٹیونس پہونچا جہاں غلام بنا لیا گیا - چونکہ یہ بحری کام کے قابل نہ تھا اور دائم المریض رہتا تھا - ایک عربی طبیب کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا - ایک سال کے اختتام پر اس کا آقا فوت ہو گیا اور پھر یہ ایک مینڈار ساکن نائس کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا - ونسنٹ کی تحریک پر اسکے آقا نے دوبارہ عیسائیت اختیار کی اور ان دونوں نے بھاگنے کا ارادہ کیا - چنانچہ یہ ایک چھوٹے سے ڈونگے میں بیٹھکر چل پڑے - اور جنوبی فرانس میں اگیس مورٹس پر بخیریت تمام آپہونچے *

اسکے بعد سنٹ ونسنٹ ڈی پال روم کی ایک اخوتی مجلس میں شامل ہوا - اور اس مجلس کا کام مریضوں کی خدمت و تیمارداری کرنا تھا - بعد ازاں یہ پیرس پہونچا اور یہاں بھی یہ یہی کام کرتا رہا پھر یہ کاونٹ ڈی جانگنی انسپکٹر ملکس کے خاندان کا اتالیق بن گیا - یہاں اس پادری نے بڑے بڑے خوفناک سماں دیکھے یعنی انسان افریقی غلاموں کی طرح پتوار سے جکڑ کر باندھ دیئے جاتے تھے - اور پھر ان سے محنت مشقت لی جاتی تھی - اس نے اپنے کو اُن کی امداد کیواسطے وقف کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ لوئی سیزدہم نے اسکی کارروائی سنکر اسے جیلخانوں کا اعلےٰ انسپکٹر بنا دیا - ایک موقعہ پر تو اس نے حقیقتاً ایک مصیبت زدہ قیدی سے اپنا عہدہ بدل لیا یعنی قیدی چھوڑ دیا گیا - اور سنٹ ونسنٹ اسکی زنجیر میں بندھا ہوا

اس مجرم کا کام کرنے لگا۔ قیدیوں کی طرح اسکو خوراک ملتی اور قیدیوں ہی میں یہ رہتا۔ اسپر اسکی فی الفور جستجو کی گئی اور یہ رہا کر دیا گیا۔ مگر قیدی کی زنجیروں سے جو ضرر اسکو پہونچے وہ تمام عمر باقی رہے۔ یہ پھر اپنے عہدے پر بحال کیا گیا اور مقدس جوش سے یہ پھر کام کرنے لگا۔ یہ کئی قیدیوں کو تائب بنانے میں کامیاب ہوا۔ اور اسکی زبردست عملوں سے جیلخانوں اور قیدیوں دونوں کی حالت بہتر بن گئی ؎

باقی حال اسکی زندگی کا بخوبی مشہور ہے۔ یہ پیرس واپس آیا جہاں **"سسٹرس آف مرسی"** (ہمشیرگان رحم) کی مجلس قائم کی اور اسطور پر عورتوں کی فیاضی اور سخاوت کیواسطے گنجایش نکالی۔ یہ "سسٹرس آف مرسی" فرانس اور دیگر مقامات کے ہر ایک خیراتی کام میں ابتدائی کارکن گزرے ہیں یعنی مریضوں کی تیمارداری کی، نوعمروں کو تعلیم دی۔ اور لاوارث بچوں کی خبرگیری کی۔ اور مختصر یہ ہے کہ ہر ایک نیک کام میں یہ سب سے پیش قدم رہیں۔ اپنی گرفتاری چونکہ اسکو یاد تھی اس نے فریقی قیدیوں کی رہائی کیواسطے روپیہ جمع کیا۔ اور اسطور پر کم ازکم ۱۲سو غلام اسکے ذریعہ سے آزاد ہوئے۔ انجام کار بحری قزاقوں کی کارروائیاں فرانس اور انگلستان کے متفق بیڑے نے ۱۸۱۶ء میں اختتام کو پہونچادیں جب ان بحری قزاقوں کا قدیمی گھر الجیریا میں مسمار کر دیا گیا ؎

ہم اُن قیدخانوں اور زنجیروں کا تذکرہ سُنتے ہیں جو زمانہ بہادری میں قلعوں میں موجود تھیں لیکن زمانہ حال کی قانونی عدالتوں کے سامنے کیسی ہیبت اور سنگدلی کے ماجرے افشا ہوتے ہیں! ہمارے بڑے بڑے شہروں میں غربا کے حالات کی اگر تفتیش کیجائے تو جرمی ٹیلر کے ساتھ ہمزبان ہو کر یہ کہنا پڑے "یہ وحشیوں کی سنگدلی سے دوسرے درجہ کی تنگدلی اور مسیح کے رحم سے لامحدود فاصلہ ہے!" ؎

جان ہاورڈ کی فیاض طبیعت پہلے پہل ایک ذاتی ہم سے جو کہ بظاہر اتفاقی معلوم ہوتی ہے جیلخانوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ پرتگال کو جہاز پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب لزبن کی حالت نہایت دردناک ہو رہی تھی۔ کیونکہ تمام شہر اس قابل یادگار زلزلہ کے ہاتھوں کھنڈر بن گیا تھا۔ انھوں نے ابھی بہت دور تک سفر نہ کیا تھا کہ ایک فرانسیسی جنگی جہاز نے ان کا جہاز گرفتار کر لیا۔ ۴۰ گھنٹہ کامل ان کو مطلق آب و دانہ نملا۔ اور نہایت سنگدلی سے ان سے سلوک کیا گیا۔ برسٹ میں پہونچکر یہ معہ اپنے ہمراہیوں کے قلعہ میں قیدخانے میں بند کر دئے گئے۔ یہ حالات نہایت غلیظ تھی۔ اور ایک معقول عرصے تک ان کو یہاں بلا خوراک رہنا پڑا۔ آخرکار ایک گوشت کا ٹکڑا اس قیدخانے میں ڈالدیا گیا جسے ان ناشاد مصیبت زدوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جنگلی درندوں کی طرح دانتوں سے پھاڑ کر کھانا پڑا۔ قیدیوں کو اسی طرح کی بیرحمی ایک ہفتہ تک بھگتنی پڑی۔ اور مجبوراً اس بھیانک قیدخانے کے فرش پر سونا پڑا جہاں کہ بجز گھانس کے اور کچھ

چیز نہ تھی جس سے یہ اس جگہ کی زہریلی اور وبائی ہوا کے اثر سے محفوظ رہ سکتے ؛

آخرکار ہاورڈ رہا کر دیئے گئے اور انگلستان کو واپس آ گئے۔ مگر ان کو جب تک چین نہ آیا جب تک انہوں نے بہت سے اپنے ہمراہی قیدیوں کو رہائی نہ دلا لی۔ انہوں نے پھر اور انگریزی قیدیوں سے خط و کتابت جاری کی جو بر اعظم یوروپ کے دیگر ممالک یا قلعوں میں بند تھے۔ اور معلوم ہوا کہ ان بدنصیبوں کو انہی کی سی بلکہ ان سے بھی بڑھکر مصیبت نصیب ہوتی تھی ؛

اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد یہ ضلع بڈفورڈ کے ہائی شیرف مقرر ہوئے اور اب ان کی توجہ انگریزی قیدخانوں کی طرف مبذول ہوئی۔ جس عہدے پر یہ مامور تھے وہ درحقیقت ایک معزز عہدہ ہے۔ جسمیں کہ صرف تھوڑی ہی سی کر و فر اور نمائش کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ہاورڈ کا حال کچھ مختلف تھا۔ انہوں نے اس عہدے پہ متعین ہو کر اپنے دل کو فرائض کی بجا آوری پر آمادہ کیا۔ یہ عدالت میں بیٹھتے اور تمام کارروائی نہایت توجہ سے سنتے۔ جب مقدمے ختم ہو جاتے یہ حوالات میں جاتے جہاں مجرم بھیجے جاتے تھے۔ اور یہاں انکو اس بے شرم اور بے رحم سلوک کا علم حاصل ہوا جو ان بیبست زدوں سے کیا جاتا تھا۔ حوالات میں جو نظارہ ان کی آنکھوں کے سامنے آیا اس نے ان کی اگلی زندگی کا کام ان کے سامنے کھول کر رکھدیا ؛

انگلستان اور نیز دیگر ممالک کے قیدخانے اسوقت نہایت سہمناک حالت میں تھے۔ نہ تو قیدیوں میں کوئی تمیز تھی اور نہ جدا رکھے جاتے تھے۔ مقابلتاً بیگناہ اور پرلے درجہ کے سخت مجرم ایک ہی جگہ بھر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ عام قیدخانے جرم کے شاداب کھیت بن گئے تھے۔ وہ بھوکا شخص جس کا صرف یہ قصور تھا کہ اس نے صرف ایک ٹکڑہ روٹی چرائی تھی۔ لٹیرے یا قاتل کے ساتھ رہتا تھا۔ مقروض اور جعلساز۔ زر کا چور اور گلا کاٹنے والا۔ بددیانت اور بدکار سب ایک ہی جگہ ملے جلے رکھے جاتے تھے۔ مذہبی عبادت کا نام تک نہ تھا۔ غرض یہ قیدخانے نہ تھے بلکہ شیطان آباد جس کا بادشاہ ابلیس تھا ؛

ہاورڈ اس طور پر اپنی طبیعت کے متأثر ہونے کا حال بیان کرتے ہیں جب انہوں نے ان قیدیوں سے یہ سلوک دیکھے۔ بعض وہ جو جیوری کی متفق رائے سے بےقصور قرار پائے تھے بعض وہ جن پر جیوری کو اس قدر جرم کا گمان نہ ہوا تھا جس قدر مقدمے نے ان کو مجرم گردانا تھا۔ اور بعض وہ جن کے مدعی بہت کچھ ان کے برخلاف نہ تھے۔ جب مہینوں تک قید کی مصیبتیں بھگت چکے تو قیدخانے سے نکالے جاتے اور پھر بند رکھے جاتے جب تک کہ قیدخانے کے محافظ۔ عدالت کے منشی وغیرہ کا محنتانہ ادا کر دیتے۔" ان کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ سنگدل قرضخواہ" جو اپنے مقروضوں کو دھمکایا کرتے تھے کہ یہ حوالات میں سڑ جاینگے سچ کہا کرتے تھے۔ کیونکہ فی الحقیقت انسان قیدخانے میں سڑ جاتا تھا۔ اور زہریلی ہوا اور غلاظت سے اس کا کام تمام ہو جاتا تھا

ہاورڈ نے تخمینہ لگایا کہ جس قدر جانیں تختہ پھانسی پر تصدق ہوتی تھیں۔ اسیقدر سردی اور نمی۔ بیماری اور بھوک کی بھینٹ چڑھتی تھیں ؎

قیدیوں کے محافظ کی تنخواہ عوام الناس کے ذمے نہ ہوتی تھی بلکہ اُن بیقصوروں کو جو رہا کیئے جاتے تھے ان کو کچھ دینا پڑتا تھا ؎

ہاورڈ نے جسٹس آف دی پیس سے سفارش کی کہ ان کو کچھ تنخواہ ملنی چاہیئے۔ ان سے اس کی نظیر طلب ہوئی۔ انہوں نے ایک نظیر پیش کرنے کا اقرار کیا۔ یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور تمام ملک میں اس کی تلاش میں پھرے۔ قریب وجوار میں جس قدر قیدخانے تھے سب کا انہوں نے دورہ کیا۔ ان کو کوئی نظیر بھی ایسی نہ ملی کہ جہاں محافظ قیدخانہ کو تنخواہ ملا کرتی ہو۔ بلکہ بجائے اسکے بہت کچھ مصیبت اور بدحالی قیدیوں میں پھیلی دیکھی جس پر انہوں نے انگلستان اور دنیا کے اور قیدخانوں میں اصلاح کرنے کیواسطے خود کو وقف کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا ؎

گلوسٹر میں ان کو ایک قلعہ نہایت ہی ہولناک حالت میں ملا۔ یہ قلعہ قیدخانہ بن گیا تھا۔ یہاں ان مرد سب قیدیوں کیواسطے ایک مشترک مکان تھا۔ جہاں مقروض رہتے تھے وہاں دریچے کا نام تک نہ تھا مردوں کی شب خوابی کا کمرہ تنگ و تاریک اور چاروں طرف سے بند تھا۔ چنانچہ قیدخانے میں ایک بخار پھیلا جس نے بہت سے قیدیوں کا شکار کیا۔ محافظ کو کچھ تنخواہ نہ ملتی تھی۔ مقروضوں کی خوراک کیواسطے کچھ خرچ نہ ملتا تھا۔ ایلی جیسے شہر میں بھی جہاں لاٹ پادری رہا کرتا تھا کسی طرح عمدہ انتظام نہ تھا۔ اس خیال سے کہ مبادا قیدی فرار ہو جائیں فرش کے ساتھ زنجیر سے یہ باندھ دیئے جاتے تھے کئی ایک آہنی سلاخیں ان کے اوپر رکھدی جاتی تھیں۔ اور ایک آہنی گلوبند جس میں میخیں لگی ہوتی تھیں ان کی گردن کے گرد باندھ دیا جاتا تھا۔ ناریچ میں یہ حوالات کی کوٹھریاں زمین کے نیچے ہوتی تھیں اور قیدیوں کو تھوڑی سی گھاس ملا کرتی تھی جس کا خرچ ایک گنی سالانہ تھا۔ اور یہاں کے محافظ کو باوجود اسکے کہ تنخواہ ملا کرتی تھی اپنے عہدے کی بحالی کیواسطے ۴۰ پونڈ سالانہ اُس شیرف کو دینا پڑتے تھے جس کے یہ ماتحت تھا۔ لہٰذا یہ اپنی آمدنی ایذا رسانی اور تکلیف دہی سے وصول کیا کرتا تھا ؎

ہاورڈ نے اپنی شریفانہ کارروائی کی تحریک پر جگہ بجگہ سفر کیا۔ قیدیوں کی حالت کی درستی کے خیال نے اس کے دماغ میں گھر کر لیا۔ اور بطور ایک جذبہ کے اسپر قابو پا لیا۔ نہ کوئی محنت۔ نہ کوئی خطرہ۔ اور نہ کوئی جسمانی مصیبت اسکو اسکی زندگی کے اعلٰے مدعا سے پھیر سکی۔ اس نے انگلستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیا تاکہ برطانیہ کے قیدخانوں کے قابل نفرت اسراروں کو روشنی میں لا کر افشا کرے بہت

موقعوں پر تو اُس نے ان قیدیوں کو جو خفیف سے مقروض یا محض بے تصور تھے رہا بھی کروا دیا۔ اسی کے دورے کے اختتام پر ہاؤس آف کامنس نے ایک کمیٹی تجویز کی تاکہ اس معاملہ کی اصلی صورت کا اندازہ کیا جائے۔ ہاورڈ کمیٹی کے سامنے اپنی یادداشت کے کاغذات لیکر حاضر ہوا۔ دوران تحقیقات میں کمیٹی کے ایک رکن کو اسکی تفتیش کی طوالت اور باریکی پر بہت تعجب ہوا اور اس نے پوچھا کہ کس کے خرچ پر اس نے سفر کیا تھا۔ اسکا جواب دینے سے پہلے ہاورڈ کی حلق قریباً بند ہو گئی ✤

اسکی شہادت کے اختتام پر مجلس واضع قوانین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور جو راستہ اس نے بتلایا تھا وہ اختیار کیا۔ جب سے اس نے یہ کارروائی شروع کی تھی اس کے ایک سال بعد ۱۷۷۴ء میں قانون پاس ہوئے۔ تمام معاوضے یکقلم موقوف کیئے گئے۔ قیدخانوں کے محافظوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ اور حکم دیا گیا کہ تمام قیدی جس وقت بریت کا حکم ملے اُسی دم رہا کر دیئے جائیں۔ یہ بھی حکم دیا گیا کہ تمام قیدخانے صاف ستھرے رکھے جائیں۔ قلعی کی جائے اور ہواداری کا بندوبست ہو۔ شفاخانے قیدیوں کے علاج معالجے کے واسطے تعمیر ہوں۔ اور مناسب اور موزوں قیدخانے بنائے جائیں۔ جب یہ قانون پاس ہو رہے تھے ہاورڈ بستر مرض پر پڑا ہوا تھا۔ مگر جونہی اسکو مرض سے اور اس تکان سے جو اپنی دلخواہ محنت کے باعث اُٹھانا پڑا تھا افاقہ ہوا۔ یہ اُٹھا اور پھر قیدخانوں کا دورہ کیا تاکہ خود اُسکی تصدیق کرے کہ آیا قانون پر مناسب طور پر عملدرآمد ہوا تھا یا نہیں ✤

انگلستان کو دیکھ بھال کر کے یہ سکاٹ لنڈ اور آئرلنڈ پہونچا اور ان ملکوں میں قیدخانوں کا ملاحظہ کیا اس نے ان کو بھی انگلستان کی طرح ہولناک حالت میں پایا۔ اور نہایت کامیابی سے اپنی تحقیقات کے نتایج شایع کیئے۔ پھر یہ براعظم یوروپ کو روانہ ہوا تاکہ یہاں قیدیوں کی آسائش و آرام کی تحقیقات کرے۔ پیرس میں اسکے پہونچنے پر بیسٹیل کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ مگر اور فرانسیسی قیدخانے گو خراب حالت میں تھے۔ مگر انگلستان پر بہت کچھ فوقیت رکھتے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ہاورڈ بیسٹیل کی تحقیقات میں مصروف تھا۔ اسکی گرفتاری کا حکم نافذ ہوا۔ مگر یہ عین وقت پر فرار ہو گیا۔ اس نے اپنا بدلا اس طرح لیا کہ اسکو بہت کچھ تکلیف اور مشکل کے بعد ایک کتاب ملی جو کہ تازہ شایع ہوئی تھی اور اس سے ترجمہ کر کے اس نے شاہی قیدخانوں کا حال بیان کیا ✤

ہاورڈ نے بلجیم ہالنڈ اور جرمنی تک سفر کیا۔ یہ ہر جگہ یادداشت لکھ لیتا۔ اور اپنی بے حد محنت کا یہ نتیجہ اسکو ملا کہ بکثرت اسکو آگاہی ہوئی اس غرض سے انگلستان واپس آ کر کہ آیا قیدخانوں کی اصلاح نے جڑ پکڑ لی ہے یا نہیں یہ سوٹزرلنڈ اسی بھلے کام کی خاطر پہونچا۔ یہاں قیدیوں کی تربیت کے علم پر اسکی آنکھیں کھلیں یعنی

قیدیوں سے کام کروایا جاتا تھا۔ صرف ان کے فائدے کی خاطر نہیں بلکہ ان محصولوں کے کم کرنے کی خاطر بھی جو قیدخانوں کے اخراجات کیواسطے لوگوں سے لیئے جاتے تھے ؂

تین سال کی انتھک محنت کے بعد جب ہاورڈ کوئی ۱۳ ہزار میل سے زاید سفر کر چکا تو اس نے اپنی وہ بڑی کتاب شائع کی جس کا نام "دی سٹیٹ آف پرزنس" ہے۔ اس کتاب کی نہایت گرمجوشی سے قدر کیگئی۔ ہاؤس آف کامنس نے پھر اس سے قیدخانوں کی اصلاح کیواسطے ضروری تجاویز میں مشورہ لیا۔ چنانچہ اس نے شفاخانوں کی تعمیر کی سفارش کی۔ اس نے امسٹرڈم میں ایک شفاخانہ کھولا تھا۔ لہذا اس نے اسی کے نمونے پر شفاخانے بنانے کی صلاح دی ؂

یہ پھر امسٹرڈم کو روانہ ہوا تاکہ یہاں کے طریق کارروائی کا اندازہ کرے۔ ہالنڈ سے یہ پرشیا گیا۔ اور آسٹریا اور پرشیا والوں کی فوجوں میں سے ہو کر سلسیا کے پار پہونچا۔ کچھ عرصہ وہاں انتظار کر کے یہاں سے اٹلی کو روانہ ہوا۔ روم میں پہونچکر اس نے اِن اکیوزیشن کے قیدخانوں میں جانے کے واسطے اجازت طلب کی مگر فرانس کے بیسٹیل کی طرح اس قیدخانے کے دروازے بھی بند کر لیئے گئے۔ البتہ اَور قیدخانے کھلے رہے۔ اس کے بعد یہ چار ہزار ۶ سو میل سفر کر کے فرانس ہوتا ہوا اپنے وطن کو واپس ہوا۔ جہاں یہ پہونچا نہایت خوشی سے اسکا استقبال کیا گیا۔ قیدی اس کیواسطے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور یہ کشادہ دلی سے سخاوت کرتا تھا۔ مگر اس نے اس سے بڑھکر ایک کام کیا یعنی ہر ملک کے سچی اور پرخیال آدمیوں کی آنکھیں قیدخانوں کی اصلاح کی ضرورت پر کھول دیں ؂

اس نے اس پر بھی آرام نہ لیا۔ پھر اس نے برطانیہ کلاں کے قیدخانوں کا ملاحظہ کیا۔ اور اس طرح قریباً سات ہزار میل کی مسافت طے کی۔ اور اسکو معلوم ہوا کہ اسکی اگلی کوششیں کچھ سودمند ہوئی تھیں۔ وہ ضرب المثل خرابیاں جو اس نے پہلے دیکھی تھیں اب دور ہو گئی تھیں۔ اور قیدخانے بہ نسبت سابق کے زیادہ صاف۔ زیادہ آرام دہ۔ اور زیادہ با انتظام تھے۔ اس نے اپنا علم بڑھانے کیواسطے دیگر ممالک کا ایک اَور دورہ کیا چنانچہ اس نے یوروپ کے جنوبی ممالک کے قیدخانوں کا دورہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ پا پیادہ اور تن تنہا پیٹرسبرگ میں پہونچا۔ مگر پولس نے اسکا پتہ لگایا۔ اور ملکہ کیتھرائن نے دربار میں سے ملاقات کیواسطے بلایا۔ اس نے نہایت ادب سے ملکہ سے عرض کیا کہ یہ روس میں زار اور زارینہ کے محلات اور قلعے دیکھنے نہ آیا تھا بلکہ مصیبت زدوں کے گھر اور قیدیوں کے قیدخانے ملاحظہ کرنے آیا تھا ؂

شاہی اجازت سے یہ بدنی سزا دیکھنے گیا جو قیدیوں کو ملا کرتی تھی۔ ایک مرد اور ایک عورت لائے گئے مرد کو ۶۰۔ اور عورت کو ۲۵ ضربیں لگیں ۔۔۔ "ناوٗ" کہلاتا ہے۔ چند روز بعد میں نے عورت کو نہایت ردی حالت میں

دیکھا۔ مگر مرد کی شکل تک نہ نظر آئی"۔ ہاورڈ یہ ٹھان کر کہ تصدیق کرے کہ آیا اس شخص پر کیا گزری تھی۔ سزا دینے والے کے پاس پہونچا اور اُس سے پوچھا "آپ اسطور پر بھی ضرب لگا سکتے ہیں کہ بہت جلد انسان مر جائے؟" جواب ملا "جی ہاں!" ہاورڈ نے پوچھا "کتنی جلدی؟" اس نے جواب دیا "کوئی ایک دو دن میں"۔ ہاورڈ نے کہا "کبھی آپنے ایسا کیا بھی ہے؟" جواب ملا "جی ہاں!" ہاورڈ بولا "کیا حال ہی میں؟" جواب ملا "جی ہاں! وہ آخری شخص جسے میرے ہاتھوں سزا ملی ابھی مجھ سے مر گیا"۔ ہاورڈ "کس طرح تم سزا ایسی مہلک کر دیتے ہو؟" جواب ملا "دو تین ضربیں بائیں ایسی لگائیں کہ بڑے بڑے پارچے گوشت کے اُتر گئے"۔ ہاورڈ "تمکو ایسی سخت سزا دینے کا حکم ملا کرتا ہے؟" جواب ملا "جی ہاں!" اور اس طور پر روس کے اس فخر کی کہ تمام سلطنت سے پھانسی کی سزا بالکل موقوف کر دی گئی ہے بہت عمدہ طرح قلعی کھل گئی ۔

ہاورڈ نے ماسکو سے لکھا کہ "کم از کم بحری اور بری فوج کے ۷۰ ہزار رنگروٹ ایک سال میں ہسپتالوں میں عدم کو سدھارتے"۔ ہاورڈ بڑا صاف گو شخص تھا اور بجز صداقت کے اس کی زبان سے اور کچھ نہ نکلتا تھا اور اسواسطے یہ سمجھنا کہ امر بجز اسکے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ مطلق العنانی اور جنگ دونوں کی طرف سے ہماری طبیعت کو بہت بڑھکر متنفر بنا دے۔ روس سے یہ پولنڈ۔ پرشیا۔ ہنیوور اور آسٹرین۔ سندرلنڈ ہوتا ہوا وطن کو روانہ ہوا۔ ۱۷۸۳ء میں اس نے اسی غرض کیواسطے ہسپانیہ اور پرتگال میں سفر کیا اور اپنے سفر کے نتائج اپنی کتاب کے دوسرے ضمیمہ میں شائع کیے ۔

۱۲ سال گزر چکے تھے کہ ہاورڈ اپنی زندگی کے مدعا میں ہمہ تن مصروف تھا۔ اس نے یوروپ کے بڑے بڑے شہروں اور ریاستوں کے جیلخانوں کا ملاحظہ کرنے کے لیے ۴۲ ہزار میل سے زائد سفر کیا۔ اور کوئی ۳۰۰۰۰ پونڈ قیدیوں۔ مریضوں اور لاوارثوں کی امداد میں صرف کیے۔ مگر پھر بھی اس نے اپنا کام ختم نہ کیا اس نے ارادہ کیا کہ اُن ممالک میں جائے جہاں ہیضہ پھیلا ہوا تھا۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو اس خوفناک مرض کا کوئی علاج دریافت کرے۔ چنانچہ پہلے اسکی فرانس ہو کر مارسیلیز جانے کی تجویز ہوئی ۔

نومبر ۱۷۸۵ء میں یہ پیرس کو روانہ ہوا۔ فرانسیسیوں نے بیسٹیل پر اس کا رسالہ یاد کر کے فرانس کی سرزمین پر اسے قدم رکھنے سے منع کر دیا۔ مگر یہ بھیس بدل کر پیرس پہونچا۔ جس رات یہ پہونچا اسی رات پولس نے اُسے آکر پلنگ پر بیدار کیا۔ مگر خوش قسمتی سے ایک خیال اس کو ایسا سوجھا کہ اس نے چند لمحے کیواسطے پولس کو ٹال دیا اور اس اثنا میں یہ اٹھا اور کپڑے پہن کر گھر سے نکل گیا اور مارسیلیز کا راستہ لیا۔ اسکو یہاں لازارٹو میں جانے کی اجازت مل گئی۔ اور جو اسے دریافت کرنا تھا اس نے دریافت کر لیا ۔

یہ سمرنا کو روانہ ہوا جہاں ہیضہ زور پر تھا۔ یہاں سے یہ مستقل ہی خواہ عوام ایک ایسی کشتی میں سوار ہو کر بحر اڈریاٹک کو چلا جسمیں بعض سوار تھے۔ اور یہ اس غرض سے اسپر سوار ہوا کہ نہایت سخت قرنیطہ میں اسے رہنا پڑے۔ اسکو بخار آنے لگا اور قرنیطہ میں چالیس دن خوفناک مصیبت اُٹھا کر بیکسی۔ لاچاری اور مصیبت کی تنہائی میں اسے کاٹنا پڑے۔ آخر کار یہ تندرست ہو گیا اور انگلستان کو روانہ ہوا۔ اس نے اپنے ملک کی حالت دیکھی۔ قرب جوار کے غرباء کی امداد کی اور اپنے منکسر دوستوں سے اس طرح رخصت ہوا جیسے کہ والد اپنے بچوں سے ❊

اسکو اب ایک اور سفر کرنا تھا۔ اور یہ اس کا آخری سفر تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہیضے کے بارے میں اپنی تحقیقات وسیع کرے ۱۷۸۹ء میں ہالنڈ۔ جرمنی اور روس ہوتا ہوا چلا اس ارادے پر کہ روم مصر اور ریاست ہائے بربر میں پہونچے۔ مگر یہ صرف روسی تاتار کے شہر خراسان سے زیادہ سفر کرنے کے قابل نہ ہوا۔ یہاں حسب معمول یہ قیدیوں کے پاس گیا۔ اور ان کا بخار اسے لگ گیا۔ اجنبی آدمیوں میں یہ تن تنہا بیمار ہوا اور ۶۴ سال کی عمر آخرت سے کوچ کر گیا۔ ایک شخص کو جو اسکے بستر مرگ پر موجود تھا۔ اس نے دافن کے گرجا میں اس کو ایک مقام کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں دفن ہونے کی اسکی خواہش تھی "مجھکو آرام سے زمین پر رکھدینا۔ ایک آفتابی گھڑی میری قبر پر لگا دینا۔ اور مجھکو بھول جانا" ❊

مگر جب تک انسانی حافظہ برقرار رہیگا اس شریف ہاورڈ کو کوئی نہ بھولیگا۔ یہ حد درجے کے مصیبت ناک آدمیوں کا محسن گزرا ہے۔ اسکو اپنا کچھ خیال نہ تھا۔ بلکہ صرف اُن لوگوں کا جو بغیر اسکے بے یار و مددگار اور لاچار پڑے رہتے۔ خود اپنے زمانے میں اس نے بہت کچھ کامیابی حاصل کی۔ مگر اسکا اثر اسکے ساتھ ہی زائل نہ ہو گیا کیونکہ صرف انگلستان کی مجلس واضع قوانین ہی کو متوجہ نہیں کرتا رہا۔ بلکہ اب تک تمام مہذب اور شایستہ اقوام نے اس سے سبق سیکھا ❊

برک نے اس طور پر اس کا حال بیان کیا ہے: "یہ تمام یوروپ میں اسواسطے پھرا کہ قیدخانوں میں پڑے شفاخانوں کی سریع الاثر بیماریوں میں غوطہ لگائے۔ غم و رنج کی عمارتوں کی پیمایش کرے۔ تحقیر ظلم اور مصیبت کی انتہا اور طول و عرض کو ملاپے۔ جو فراموش ہوں ان کو یاد کرے۔ غفلت زدوں کی خبر لے بچھڑے ہوؤں سے ملے۔ اور تمام ممالک کے انسانوں کے مصائب جمع کرے اور ان کا مقابلہ کرے۔ اسکی تجویز اصلی ہے۔ اور اسمیں ہوشیاری اور انسانیت مساوی مقدار سے بھری ہوتی ہیں۔ یہ تفتیش۔ گردآوری اور سخاوت کا سفر ہے۔ اور اب تک ہر ایک ملک میں کم و بیش اسکی محنت کی سودمندی لوگوں کو معلوم ہو گئی ہے" ❊

ہاورڈ کے زمانے سے اب تک قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا اس میں بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے۔

ابتدا میں سارا - مارٹن اور **مسز فری** جیسے محسن تھے جنہوں نے اس ترقی کا بیڑہ اُٹھایا۔ سڈنی سمتھ کا بیان ہے کہ ایک بار اس نے مسز فری کے ہمراہ نیوگیٹ جانے کی استدعا کی۔ چنانچہ جو نظارہ اس نے دیکھا اس نے بچے کی طرح زار زار اسپر رقت طاری کر دی۔ ایک وعظ میں بعد ازاں اس مضمون کا تذکرہ کرتے وقت اس نے کہا: "اس شہر میں آجکل وہ نظارہ ہے جسکو مَیں جرأت کر کے نہایت ہی سنجیدہ۔ نہایت ہی پکے مسیحی اور نہایت ہی شفیق شخصوں کے پیش نظر کرتا ہوں۔ اور یہ نظارہ وہ ہے کہ شاید ہی کسی انسان کی آنکھ کو نصیب ہوا ہو۔ اس مقدس عورت (مسز فری) کا بدبخت قیدیوں میں نظر آنا اور ان سب کا خدا کی درگاہ میں نہایت صدق دلی سے دست بدعا دکھلائی دینا۔ اسکی آواز سے ان کی تسلی ہونا اسکی نظر سے ان میں جان پڑنا۔ ان کا اس کے دامن سے لپٹنا۔ اور اسکی اسطور پر پرستش کرتا دکھلائی دینا گویا یہی ایک ایسی ذات تھی جو ان پر شفقت کرتی تھی۔ ان کو سکھلاتی تھی۔ ان کی خبرگیری کرتی تھی یا خدا کے حضور میں ان کا ذکر کرتی تھی! یہ وہ نظارہ ہے جو دنیا کی ہستی کو حباب کی طرح توڑ دیتا ہے۔ اور بتلا دیتا ہے کہ زندگی کی تھوڑی سی گھڑی گزر رہی ہے۔ اور ہمکو کسی نیک اعمالی سے خدا کے حضور میں جانے کے واسطے تیار ہونا چاہیئے۔ یہی وقت ہے کہ جسمیں ہم خواہ کسی کو دیں۔ خواہ عبادت کریں۔ خواہ کسی کی تسلی اور تشفی کریں۔ اور اس بابرکت عورت کی طرح اپنے آسمانی نجات دہندہ حضرت مسیح کا نام گنہگاروں، شکستہ دلوں اور مریضوں میں جا کر سنائیں۔ اور زندگی کی تاریک سے تاریک اور عمیق سے عمیق تیرہ بختی میں محنت اور مشقت کریں"۔

مسز فرائی اپنی مستقل کوششوں سے قیدخانوں اور زنانہ قیدیوں کی حالت کی تکمیل اصلاح میں کامیاب ہوئی چنانچہ ۱۸۱۸ء میں اعلےٰ مجلس شوریٰ نے **اولڈ بیلی** (عدالت کا نام ہے) کو نیوگیٹ کے ملاحظے کے بعد جو رپورٹ لکھی اسمیں بیان کیا کہ "کاش۔ وہ اصول جو اس نے (مسز فری) اپنی تجاویز میں مستورات قیدیوں کے بارے میں مدنظر رکھے تھے۔ مردوں کے حق میں بھی ان پر عملدرآمد ہوتا۔ تو قیدخانہ ایک اصلاحی مدرسہ کی صورت میں متغیر ہو جاتا۔ اور بجائے اس کے کہ مجرم دنیا میں بدی اور خرابی کی طرف سے پکے کر کے بھیجے جاتے۔ یہ تائب ہوتے اور غالباً سوسائٹی کے حق میں سودمند بن جاتے"۔

مسز **ٹامشال** نے بھی جو کہ مسز فری سے کم مشہور نہیں۔ وارکسے جیلخانے کے قیدیوں کی اصلاح اور ترقی میں خود کو وقف کر دیا۔ اسکا شوہر اس مذکور الصدر جیلخانے کا داروغہ تھا۔ چنانچہ اس عورت کی بدولت بہت سے مجرم بدی کے راستے سے پھر کر نیکی اور شفقت کی حمایت میں آ گئے۔ یہ خصوصاً لڑکے اور لڑکیوں کی زیادہ خبرگیری کرتی کیونکہ ابھی بدمعاشی اور شرارت میں یہ نوخیز ہی ہوتے اور قریباً بلاناغہ ان کو دوبارہ

سوسائٹی میں شامل کرنے کی اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتی ۔

مگر قیدیوں کے ایک جم غفیر کی فلاح و بہبود شخصی امداد سے بہت ہی کم ہو سکتی ہے ۔ یہ کام ہے مجلس واضع قوانین کا جو ایک ایسا عظیم مسئلہ حل کر سکتی ہے ۔ قانون کا ایک خاص منشا یہ ہے کہ جرائم کا انسداد اس طور پر کیا جائے کہ وہ ذرائع مسدود کیئے جائیں جن سے ان کی تحریک ہوتی ہے ۔ اور قواعد حوالات کا سب سے اعلیٰ مدعا یہ ہے کہ مجرم کی حالت اخلاق میں اصلاح کیجائے ۔ اور اس کو پھر سوسائٹی کی گود میں دیدیا جائے جس کا اس نے گناہ کیا تھا ۔ یہ امر جیسا کہ منصفانہ ہے بجرم منحصر ہے ۔ جو بسا اوقات اُن اسباب کے وسیلے سے جن میں اُس نے نشو ونما پایا ہے اور تربیت کی عدم موجودگی اور ان بے نظیر قوانین سے ایسا بن جاتا ہے جو سوسائٹی نے مترتب کیئے ہیں ۔

زمانہ قدیم میں سوسائٹی مجرموں سے اپنا بدلہ لیتی تھی اور ان سے جنگلی چوپایوں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا مگر اب ایک حلیمانہ طریق اختیار کیا گیا ہے جس سے ان کی بازیافت متصور ہے ۔ سنگ سنگ پینیٹینشیری واقع ریاست نیویارک کے افسروں نے مجرموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا تھا اسمیں اصلاح کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ۔ اس بارے میں ان کی توجہ مسٹر اوسبورن کی رپورٹوں سے مبذول ہوئی یعنی مسٹر اوسبورن نے بیان کیا کہ ”مجھکو اس جابرانہ طریق پر کچھ اعتماد نہیں ہے جو اسقدر زمانہ دراز تک دنیا میں مروج رہا ہے ۔ اور یہ طریق یہ ہے کہ مجرموں کو رہِ راست پر لانے کے واسطے جبر کیا جائے اور اذیت دیجائے ۔ اور بجز خوف و دہشت کے کوئی عمدہ وسیلہ کام میں نہ لایا جائے ۔ میرا خود اسقدر تجربہ ہے جس سے مجھکو یقین ہے کہ ان کی حالت خواہ کیسی ہی ابتر اور رذیل کیوں نہ ہو ۔ ان میں اب تک وہ دل باقی ہیں جو شفقت سے متاثر ہو سکتے ہیں ۔ وہ ضمیر ہیں جو عقل کی وساطت سے پیدا ہو سکتی ہیں ۔ وہ تمنائیں جو بہتر طرز زندگی کی خواہاں ہیں اور جن کے واسطے دائمی اصلاح کے لیئے مستحکم ہونے کو صرف ہمدردی اور امید کی مسرت بخش آواز درکار ہے“ چنانچہ مسٹر اوسبورن کی حسب سفارش سنگ سنگ میں مجرموں کے ساتھ سلوک کرنے کا ایک نیا طریق شروع ہوا ۔ اور بہت جلد نہایت مسرت بخش اثر اس سے ظہور پذیر ہوئے یعنی اب یہ قاعدہ قرار پایا کہ حتی الوسع سزا سے احتراز کیا جائے اور ترقی کی خواہش کسی مجرم میں ہو تو اُسکی تحریک کیجائے ۔ لہذا بہت سے مجرم جو پہلے بالکل لاعلاج سمجھے جاتے تھے ۔ اس طور پر دوبارہ سوسائٹی کے واسطے مفید اور سود مند بن گئے ۔ اور بہت ہی کم ایسے رہ گئے جو اپنی پہلی عادتوں میں گرفتار رہے ۔

خصوصاً عورتوں کے بارے میں یہ طریق بہت ہی بامراد ثابت ہوا ۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک مست عورت نے گرجا میں ان کے روبرو خود اختیاری پر تقریر کی ۔ اور سمجھایا کہ اگر یہ اس دنیا میں یا عالم بالا میں مصیبت کے پنجے سے

چھوٹنا چاہتی تھیں تو اصلاح چلن کی بہت ہی ضرورت تھی - چنانچہ بعد میں اس مسن عورت نے بیان کیا۔

"اس چھوٹے سے تجربے کا اثر ظاہر ہوا ہے زیادہ برقرار اور ملائم طور پر قیدیوں میں - ان کی مطمئن اور مغلوب آواز کے لب و لہجہ میں - اور متابعت کیواسطے ان کی مسرت اور مستعدی میں - اس سے یہ اعتقاد زیادہ تر میرے دل میں مستحکم ہوگیا ہے کہ انسان کی حالت خواہ کیسی ہی گناہ سے بتر ہو گئی ہو یا ظلم و تعدی سے یہ پتھر ہو گیا ہو جب تک قوت مدلّلہ سلطنت دل پر فرمانروا ہے - کوئی دل کبھی ایسا سخت یا پتھر نہیں ہو سکتا کہ ہمدردی یا شفقت کی آواز اُس کے کانوں تک نہ پہونچے یا ایسا ذلیل بن جاوے کہ مسیحی اُلفت کی آواز کا کچھ جواب دے"۔

کپتان **ملپیسری لٹنکٹیٹ** کے قیدخانہ وسٹبری کا داروغہ بھی نرم دلی سے مجرموں کے ساتھ پیش آنے اور ان کو رہ راست پر لانے میں نہایت عمدگی سے کامیاب ہوا - اسکی وہ خلاق دلیری تھی جو قریباً حد سے آگے بڑھی ہوئی تھی - اسکی تعیناتی سے قبل قیدیوں سے حسب معمول نہایت سختی اور جبر کیا جاتا تھا جس کا نتیجہ ان پر یہ پڑتا تھا کہ یہ رذالت میں پھنس جاتے تھے اور پتھر سے بڑھکر سخت بن جاتے تھے - اور ان میں بغض و کینہ نہایت استحکام اور مضبوطی سے جڑ پکڑ لیتا تھا - جرم دن بدن بکثرت بڑھتے جاتے تھے - اور ہرسال ریاست زیادہ مقروض ہوتی جاتی تھی - مگر کپتان ملپیسری نے قطعی تمام طریقے بدل دیئے - اور شفیقانہ سلوک سے قیدیوں کی اصلاح میں سعی کرنا شروع کی - یہ ان کو نیک چلنی کی راہ پر چلنے کی ترغیب دیتا - اور جب یہ نیکی کے زیر سایہ دوبارہ آتے یہ پر بہت کچھ اظہار مسرت کرتا - اس نے بدترین مجرموں کی فی الفور ہتکڑیاں بیڑیاں کاٹ دیں اور کہدیا کہ میں تم پر اعتقاد کرتا ہوں! مگر اس حکمت عملی نے جادو کا اثر دکھلایا - لوگوں نے اپنا اعتماد اُس کے حوالے کر دیا انہوں نے اسکے قاعدے کا سب سے بڑھکر ادب کیا - قیدخانے میں باقاعدگی اور باترتیبی کا عمل ہوا - اور قیدیوں نے بہت جلد اپنی خود محنت مشقت سے قیدخانے کے اخراجات ادا کرنے شروع کیئے ؛

ایک قیدی کے ساتھ جو اس نے سلوک کیا وہ بہت ہی مشہور ہے - ایک شخص بڑا قوی ہیکل دیو بچہ تھا - قیدخانے توڑ کر نکل جاتا تھا - تمام ملک اس کے نام سے کانپتا تھا - اور کامل ۱۷ سال سے دن بدن زیادہ تر جرم اختیار کرتا جاتا تھا - جس وقت یہ قیدخانے میں آیا کپتان ملپیسری نے اس سے کہا کہ مجھکو اُمید ہے تم یہاں اور قیدخانوں کی طرح بھاگنے کی کوشش نہ کروگے " حتی المقدور جہاں تک مجھسے ہوگا میں تم کو آسائش پہنچاؤنگا اور تمہارا دوست بننے کا خواہاں ہونگا - اور مجھکو اُمید ہے کہ تم اپنی وجہ سے مجھکو کسی مشکل میں نہ پھنساؤگے - اس قیدخانے میں ایک تہ خانہ تنہائی کی قید کیواسطے ہے مگر ہم اسے کبھی کام میں نہیں لاتے - اور اگر کبھی تمکو اس میں مقفل کروں تو مجھکو سخت رنج پہونچیگا جسقدر میرا تم پر اعتماد ہے اگر تمہارا اُسیقدر مجھپر ہے تو تم خوشی میری طرح آرام کیواسطے جا کر جگہ کا بندوبست کرو" یہ شخص بالکل گم سم تھا - چنانچہ ہفتوں تک اس سے بہت ہی کم علامات

تیلیں بیچ ایسی ظہور میں آئیں جس سے ثابت ہوسکتا کہ کپتان پلنسیری کا کچھ اسپر اثر پڑا ہے - آخرکار کپتان مذکور کو خبر پہونچی کہ اس شخص کا ارادہ فراری کا تھا - کپتان نے اس شخص کو بلاکر تفتیش کی - مگر اس کے موںھ پر گویا مُہر لگ گئی - اسکو کہا گیا کہ اب تنہا کوٹھری میں اس کا بند کیا جانا ضروری تھا - کپتان جو ایک پست قامت اور دُبلا شخص تھا آگے آگے چلا اور یہ دیوہیکل اسکے پیچھے پیچھے - جب ریاستے کے سب سے تنگ حصے میں پہونچے کپتان اسکی طرف ہاتھ میں لیمپ لیئے ہوئے پھرا - اور اس کا موںھ دیکھنے لگا - اور کہا " اب میں تمسے پوچھتا ہوں کہ تم مجھ سے اسطرح پیش آئے ہو جیسا پیش آنا مناسب تھا ؟ مَیں نے تمہارے واسطے جو جو اپنے خیال میں آرام دہ سمجھا وہ کیا میں نے تمپر اعتماد کیا - مگر تمنے اسکے عوض مجھکو خفیف سا بھی اعتبار نہ جتلایا - بلکہ مجھکو تکلیف میں پھنسانے کی ٹھانی - کیا یہ درست ہے ؟ اور پھر بھی مَیں تمکو مقفل کرنا گوارا نہیں کرسکتا اگر ذرا بھی مجھکو کوئی علامت ایسی معلوم ہوتی کہ تمکو کچھ میرا خیال ہے - ——— " یہ شخص ڈڈکار مارکر رو پڑا - اور کہنے لگا " میں ان ۱۷ برسوں تک شیطان مجسم بنا رہا ہوں مگر آپ مجھ سے انسان کی طرح پیش آتے ہیں " کپتان بولا " آؤ واپس چلیں " مجرم کو مثل سابق قیدخانہ میں آزادی مِل گئی - اس گھڑی سے اس نے اپنے دل کا حال کپتان کے روبرو کھولنا شروع کیا - اور اپنی میعاد قید کو نہایت خوشی سے کاٹا اور اپنے کرمفرما کپتان کو آگاہ کرتا رہا اُن تمام تحریکوں سے جو اسکے دل میں اسکے اعتماد کو نیست و نابود کرنے کے بارے میں پیدا ہوتی رہیں - اور اُن تمام چالاکیوں سے جو اس کے خیال میں گزرتی رہیں ؛

کپتان پلنسیری وہ شخص ہے جسکو جب کہا گیا کہ ایک بدمعاش بے دھڑک نے اس کے قتل کرنے کی قسم کھائی تھی تو اس نے فی الفور اس شخص کو اپنی حجامت کرنیکے واسطے بلایا اور سب کو اپنے سامنے آنے سے منع کردیا - اس نے اس شخص کو گھورا - اُسترے کی طرف اشارہ کیا - اور حجامت بنانے کے واسطے کہا - قیدی کا ہاتھ کو تھرایا - مگر اس نے حجامت اچھی طرح بنائی - جب حجامت بنا چکا - تو کپتان نے کہا " میں نے سُنا تھا کہ تم مجھکو قتل کرنا چاہتے تھے - مگر میں نے خیال کیا کہ مَیں تمپر اعتماد کرسکتا ہوں " اس مجوب شخص نے جواب دیا " خدا آپ کو برکت دے ! " غرض انسان پر اعتماد کرنے کی یہ طاقت ہے ؛

میجر گِد اول نیویارک میں آبرن کے سرکاری قیدخانے کا داروغہ اور مسٹر آئزک ٹی پالمر ایک اَور انسپکٹر جیلخانہ دونوں یکساں مجرموں سے سلوک کرنے اور اُن کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوئے شخصوں میں سے جن کو یہ موخر الذکر قابل تعریف شخص راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوا - صرف دو دو بارہ بدعادتوں میں جا پھنسے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو حلیمی کی طاقت کی تائید میں بے نظیر ہے ؛

منجملہ اُن مشکلات کے جن کا کسی مجرم کو مقابلہ کرنا ہوتا ہے ایک یہ ہے جو اپنی میعاد قید بھگتنے کے بعد

ہمدردی کے حاصل کرنے میں لاحق ہوتی ہے۔ یہ کام کرنے پر راضی ہوتا ہے۔ اور متدین بننے کی دل میں ٹھانے ہوتا ہے۔ مگر پولس اس کے احوال سے خبردار ہوتی ہے۔ اور اسکے برخلاف رپورٹ دیدیتی ہے بیچارہ فوراً نکال باہر کیا جاتا ہے۔ اور پھر زبردستی اپنی پرانی عادتوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کسی قیدی کیواسطے جو سابق میں حوالات میں پھنس چکا ہو۔ دیانت داری کے دروازے پر واپس آنا ناممکن بن جاتا ہے۔ ٹامس رائٹ مانچسٹر نے اپنے کو بہی خواہی بنی نوع شکستہ حال قیدیوں کے سچے دوست ہونے میں مشہور و ممتاز کیا۔ اسکی سوسائٹی میں کچھ حیثیت نہ تھی۔ اور نہ ان کے پاس بجز صرف ایک متمول اور شفیق دل کے کوئی دولت تھی ؛

گو اسکو تعلیم نامکمل دی گئی۔ مگر اس کے دل پر اوائل عمری ہی سے اسکی والدہ نے زبردست مذہبی اثر منقش کردئیے تھے۔ آخرکار وہ زمانہ آیا جب یہ آزاد مطلق بن گیا۔ اور دنیا کا معہ اسکی محنتوں۔ شادمانیوں اور بدیوں کے مقابلہ کرنا پڑا۔ بہت جلد یہ مانچسٹر کے سب سے بڑھکر شریر مردوں اور لڑکوں سے خلط ملط ہو گیا۔ کچھ عرصے تک اس کا یہ چال رہا مگر آخرکار اسکے دل اور ضمیر منیر نے اسکے دوستوں کے عیوب اور بدیوں کی مخالفت کی۔ جو الفاظ اسکی والدہ کی زبان سے نکلے تھے وہ اسکی امداد کو پہونچے۔ اس نے ایک نوجوان دیندار سے واقفیت پیدا کی۔ اور باقاعدہ ایک معبد میں جانا شروع کیا ؛

پندرہ سال کی عمر میں مانچسٹر میں ایک کسیرے کا یہ شاگرد بنا۔ پہلے پہل اسکی مزدوری پانچ شلنگ فی ہفتہ تھی۔ چونکہ یہ مستقل مزاج۔ سنجیدہ اور فہیم تھا اس نے بتدریج ترقی شروع کی۔ حتے کہ ۳۲ سال کی عمر میں یہ لوہا ڈھالنے والوں کا افسر بن گیا اور تنخواہ اسکو تین پونڈ ۱۰ شلنگ فی ہفتہ ملنے لگی۔ یہ اسکی سب سے بڑھکر آمدنی تھی۔ مگر جو نیک کام اس نے بعد میں کیا وہ اسکی مالی مزدوری سے علحدہ تھا ؛

پہلے پہل اسکی توجہ سب سے بڑھکر مایوسانہ امروں میں سے ایک یعنی مجرموں کی طرف مبذول ہوئی۔ مجرم جب کبھی جیلخانہ سے چھوٹتا ہے تو بیچارے کو شاذ و نادر ہی اپنی پرانی جگہ نوکری ملتی ہے۔ کیونکہ نیک مالک اسکو بغیر نیک چلنی کے نوکر نہیں رکھتے جسکو یہ موجود نہیں کرسکتا۔ بباعث اس کے کہ قید نے غالباً اس کو بدتر بنا دیا ہوگا۔ اس طور پر اپنے سابق ہمنشینوں میں پھینک دیا جاتا ہے اور مثل پیشتر اپنی مجرمانہ روش زندگی شروع کرتا ہے ؛

ایک دن ایک شخص کارخانے میں آیا۔ اور مزدوروں میں نوکر ہو گیا۔ یہ مستقل مزاج۔ ہوشیار اور محنتی شخص تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ یہ شخص سزا یافتہ مجرم تھا۔ ٹامس رائٹ سے پوچھا گیا کہ آیا یہ اس امر سے مطلع تھا؟ یہ اس سے مطلع نہ تھا۔ مگر اسنے تصدیق کرنے کا وعدہ کیا۔ اتفاقاً اس روز یہ اس شخص سے پوچھ بیٹھا کہ ”یہ پہلے

کہاں کام کرتا تھا؟" اس نے جواب دیا "میں باہر گیا ہوا تھا" آخرکار بہت ڈہایا ڈال کر تفتیش کرنے پر اس بیچارے نے رو کر اقرار کر لیا کہ یہ رہا شدہ مجرم تھا۔ اور دوبارہ اپنے پرانے راستے سے باز رہنے کا خواہاں تھا۔ اور اسکو اُمید تھی کہ استقلال سے اپنی بدچلنی کو مٹا دیگا ؁

مسٹر رائٹ نے اس شخص پر اعتبار کر لیا۔ اسکو یقین آگیا کہ یہ اپنے ارادوں میں صادق دل تھا۔ اس نے مالکوں کو اسکے حال سے مطلع کر دیا اور بیس پونڈ ان کو بطور اسکی آئندہ نیک چلنی کی ضمانت کے دیدیئے۔ اسپر اقرار کیا گیا کہ مجرم اپنی جگہ پر بحال رکھا جائے۔ مگر غفلت سے اسکی موقوفی کی تردید کا حکم نہ دیا گیا اور دوسرے روز صبح کو یہ حکم تھا فی الفور ایک نامہ اس شخص کے مکان پر اُسے کام پر واپس لانے کے واسطے بھیجا گیا۔ مگر اس شخص نے اپنی دنیاوی کائنات کی گٹھری لیکر مکان چھوڑ دیا تھا ؁

یہ تصدیق کر کے کہ یہ شخص فلاں طرف گیا تھا مسٹر رائٹ نے پیدل فوراً اس کا پیچھا کیا۔ اسکو یہ مفرور مانچسٹر سے چند میل کے فاصلے پر لب سڑک دل شکستہ۔ بدحال اور مایوس بیٹھا ہوا ملا۔ رائٹ نے اسے کہدیا کہ یہ اپنی پرانی جگہ پر بحال کیا گیا تھا۔ اور اب ہر ایک چیز خود اسپر منحصر تھی۔ کہ اپنا چال چلن بطور ایک معزز کارکن کے برقرار رکھے۔ یہ دونوں مانچسٹر کو واپس ہوئے۔ ایک ساتھ کارخانے میں آئے۔ اور اس شخص کے آئندہ چال چلن نے اس ضمانت کا انصافاً بہت بڑھکر اور شریفانہ طور پر حق ادا کر دیا جو اس کے افسر نے کی تھی ؁

اس امر کا خود مسٹر رائٹ پر بہت کچھ اثر ہوا۔ اس نے دیکھ لیا کہ اِن بیچارے مجرموں کے مصیبت کے غار سے بچا لینے کے واسطے جسمیں یہ گر گئے تھے ہمدردی کے ذریعہ کیا کچھ ہو سکتا ہے ؟ اسکو معلوم ہوا کہ ان کو راہ راست پر آنے کی تمام امید ہاتھ سے نہ دینی چاہیئے۔ اور ہر ایک بنی نوع کو یہ مناسب ہے کہ ان کے دوبارہ محنت و مشقت کی زندگی میں آنے کے امداد کو ہاتھ بڑھائے۔ یہ امر اسکے دل میں سب سے بڑھکر جم گیا۔ یہ اس کا شن تھا۔ اور اسکو پورا کرنے کی اس نے کوشش کی۔ اب تک یہ بے یار و مددگار تھا۔ مگر اس کا اعتقاد مضبوط تھا۔ اور اپنی کامیابی تک یہ ثابت قدم رہا ؁

مسٹر رائٹ سیلفورڈ کے جیلخانے کے قریب رہتا تھا۔ اور اسکی خواہش تھی کہ اِن قیدیوں تک اسکی دسترس ہو۔ اسنے یہ درخواست کی مگر ایک عرصے تک یہ ناکام رہا۔ آخرکار ایک نوجوان نے جو کارخانے میں تھا اور جس کا والد جیلخانے کا دربان تھا۔ اسکی داروغہ جیل سے معرفی کرا دی۔ چنانچہ اسکو ہر اتوار کے سہ پہر کو ان کے ساتھ نماز میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی۔ لیکن ابتک اسے یہ اجازت نہ ملی تھی کہ فرداً فرداً یہ قیدیوں سے ملے۔ مگر اسمیں اتنا صبر تھا کہ یہ منتظر رہا ؁

بالآخر ایک روز اتوار کی سہ پہر کو پادری نے مسٹر رائٹ کو ٹھہرا کر پوچھا آیا یہ ایک قیدی کو کوئی جگہ دے سکتا تھا جسکی میعاد قید حال ہی میں قریب ختم تھی۔ اور جو اپنے چال چلن کی اصلاح کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔ رائٹ نے کہا "بے شک میں حتے الوسع کوشش کروں گا۔ اور اس کے واسطے جگہ تلاش کروں گا" چنانچہ یہ کامیاب ہوا۔ اور اس قیدی کو رہائی پر کام مل گیا ؀

اب داروغہ نے اسے بلا روک ٹوک قید خانے میں جانے کی اجازت دیدی۔ اور بذات خود قیدیوں سے فرداً فرداً ملنے کا مجاز کردیا۔ رائٹ ان کو نصیحت کیا کرتا اور مشورہ دیا کرتا۔ اس نے ان کی حالت سدھارنے کیواسطے ان کے ارادوں کو مستحکم کردیا۔ یہ ان کے پیغام ان کے کنبوں میں لیجاتا اور ہر طرح سے اس نے اپنے کو ان کا کئی طرح سے دوست اور مہربان و محسن بنا دیا۔ اس نے اب یہ اپنی مشق کرلی کہ جب کوئی قیدی رہا ہوتا تو یہ اس سے ملتا۔ یہ اسے اسکے مکان پر لیجاتا۔ اپنے قلیل وسائل سے یہ اس کے گذارے کی امداد کرتا۔ اور پھر اسکے واسطے جگہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ؀

بہت سے موقعوں پر یہ کامیاب ہوا محنتی آدمیوں کے متلاشیوں کا مسٹر رائٹ پر اعتماد ہو گیا۔ یہ اسکو نیک بخت اور فیاض آدمی سمجھنے لگے اور یہ جاننے لگے کہ یہ ان کو بری نصیحت نہ کریگا۔ اس نے ان متلاشیوں کو اپنا ہمراز بنا لیا۔ اور یہ عموماً انہی قیدیوں کو رکھا کرتے جو رہا ہوتے۔ اگر کسی پر ان کو شک ہوتا تو یہ اسکی ضمانت میں اپنا روپیہ جمع کر دیتا۔ جو یہ فی ہفتہ ۳ اشلنگ کے حساب سے اپنی نوکری میں کمایا کرتا ؀

یہ بلا نمائش اور چپ چاپ یہ کام کرتا رہا اور اس امر کو ترجیح دی کہ اس کا نام کسی کی زبان پر نہ آئے۔ تاکہ مبادا اس کے اس نیک کام میں اسی وجہ سے کچھ مداخلت پیدا ہو۔ یہاں تک کہ چند سال میں اسنے قریباً تین سَو رہا شدہ قیدیوں کو نوکری دلا دی! اور یہی نہیں بلکہ اس بدترین کام میں بھی یہ کامیاب ہوا کہ مے نوش عورتوں کو ان کے شوہروں سے دوبارہ ملا دیا۔ چنانچہ بعض اوقات یہ کوسوں منزلیں طے کرتا اور پھر پیدل۔ اور ان شوہروں سے ان کی ان عورتوں کے دوبارہ لانے کے بارے میں سفارش کرتا جو مے نوشی کیواسطے نکال دی گئی تھیں۔ مگر اب جنہوں نے یہ عادت ترک کر دی تھی اور تائب ہو کر اپنے شوہروں سے ملنا چاہتی تھیں ؀

اس کے ایک دوست نے ایک عجیب ماجرا بیان کیا ہے۔ ایک شخص جس نے پورٹلینڈ میں قانونی سزا بھگتی تھی اور اب رہا کر دیا تھا۔ اس کو مانچسٹر کا ایک ٹکٹ پادری نے اور ایک خط ٹامس رائٹ کے نام دیا۔ خاکروبوں میں اسکو جگہ مل گئی۔ مسٹر رائٹ نے اسکو سٹرک سازی کے عہدے پر ترقی دلا دی اور یہاں اس کے چال چلن کی تعریف کی گئی۔ متوفی کپتن سٹووِل کے سنڈے سکول یعنی سکول

اور شنبہ کی شب کے مدرسے میں یہ داخل ہوگیا جہاں دونوں جگہ یہ معلم بن گیا - اس میں تعلیم کی اسقدر گنجایش کا اظہار ہوا کہ کپتان سٹوول نے اس کی بہت کچھ حمایت کی - کپتان کو اس کے سابقہ حالات سے بھی واقفیت ہوگئی - مگر پھر بھی اسنے اس کے ساتھ پڑھنے کا بندوبست کرلیا - اور کچھ

عرصہ بعد پورٹ لنڈ کا مجرم

ایک پادری

بن گیا

١٥٣

تمت